قَتیلِ سَحَر

السلام علیک

یا اباعبدالله

بسم الله الرحمن الرحيم

قتیل سحر

(خلاصه سفیر نور)

تسلیم رضا خان

نام : قتیل سحر

ناشر : العارف اکیڈمی

اشاعت اول : جون ۲۰۰۳ء

تعداد : ۱۰۰۰

قیمت : پچاس روپے

ملنے کا پتہ : مکتبۃ الرضا ۸۔ بیسمنٹ میاں مارکیٹ

اردو بازار لاہور

فہرست

اقتباسات پیام امام خمینی بمناسبت چہلم شہید عارف حسین الحسینیؒ	۷
سید عارف حسین الحسینی رضوان اللہ تعالیٰ علیہ کے خاندان کا ایک تعارف	۹
آغوش مادر سے صحن مکتب تک	۱۷
عراق روانگی اور زمانہ نجف اشرف	۲۱
نجف میں امام خمینیؒ کے ساتھ وابستگی	۲۶
زمانہ قم المقدسہ ایران	۳۰
پاراچنار میں آمد اور مجاہدانہ کردار	۳۵
کُرم ایجنسی کے نامساعد حالات میں آپ کا تاریخ ساز کردار	۴۳
حکومت اور اس کے اہلکاروں سے مقابلہ	۴۸
فلاحی امور میں دلچسپی	۵۳
تحریک نفاذ فقہ جعفریہ پاکستان کا قیام	۵۶
۶ جولائی ۱۹۸۰ کا تاریخ ساز شیعہ کنونشن اور معاہدہ اسلام آباد	۵۸
علامہ مفتی جعفر حسینؒ کی وفات اور مسئلہ قیادت	۶۳
بھکر میں انتخاب عارف کا مرحلہ	۶۶
قائد ملت جعفریہ بھکر سے پاراچنار تک	۷۰
قیادت کے ابتدائی ایام	۷۲
امام خمینی کی تائیدی سند	۷۶
آمریت کے خلاف جہد مسلسل	۷۸
ضیاء ریفرنڈم کا بائیکاٹ	۸۱
سانحہ کوئٹہ	۸۳
شہدائے کوئٹہ کا چہلم	۸۸
تاریخی لانگ مارچ	۸۹
فاتح قائد کا استقبال	۹۲
ملت جعفریہ کے خلاف حکومت کی منصوبہ بندی	۹۴

بحیثیت داعی اتحاد بین المسلمین ۹۹
بین الاقوامی مسائل پر آپ کا نکتہ نظر ۱۰۵
سید عارف حسین الحسینیؒ اور عملی سیاست ۱۲۸
قرآن وسنت کانفرنسیں ۱۳۸
۶ جولائی ۱۹۸۷ء کا تاریخ ساز خطاب ۱۴۳
قرآن وسنت کانفرنس ملتان ۱۵۵
قرآن وسنت کانفرنس فیصل آباد ۱۵۷
قرآن وسنت کانفرنس ڈیرہ اسماعیل خان ۱۶۰
حضرت امام خمینیؒ سے عشق ۱۶۲
ملازمین سے رویہ ۱۶۹
اقتصادی حالت ۱۷۶
روحانیت (کشف وکرامات) ۱۸۰
شہید کے آخری ایام زندگی ۱۹۰
قتل سحر ۱۹۶
قاتلوں کا سراغ ۲۰۱
قاتل جمیل اللہ کی گرفتاری اور انکشافات ۲۰۵
قاتلوں کے باہمی تعلقات ۲۱۶
وعدہ معاف گواہ کے انکشافات ۲۱۸
ماجد گیلانی کا فرار ۲۳۰
عبدالعلی بنگش کی شہادت ۲۳۱
ہاشم خان کا عدالت سے فرار ۲۳۳
فضل حق کا فرار اور گرفتاری کا منظر ۲۳۵
فضل حق کی رہائی ۲۳۹
حکومتوں کا ردوبدل اور عدالتوں کا تزلزل ۲۴۷

نوحہ امام خمینی برشہادت حسینیؑ

اسلام وانقلاب کے شیدائی اور وفادار، محروموں اور مظلوموں کا دفاع کرنے والے اور سید الشہداء جناب ابا عبداللہ الحسین علیہ السلام کے فرزند صادق حجت الاسلام سید عارف حسین الحسینیؒ....

اسلامی معاشروں کے دردآشنا وہ مجاہدین جنہوں نے محروموں اور پابرہنہ لوگوں کے ساتھ اپنے خون کا نذرانہ پیش کرنے کا عہد کر رکھا ہے انہیں جان لینا چاہیے کہ **ابھی تو مقابلے کا آغاز ھے** اس لیے کہ استعمار واستثمار کی دیواریں ڈھانے اور حقیقی اسلام محمدیؐ کی منزل تک پہنچنے کے لیے انہیں ابھی ایک طویل راہ درپیش ہے....

علامہ عارف حسین الحسینی رحمۃ اللہ علیہ کی مثال کو پیش نظر رکھنے کے بعد غور کریں کہ ایک مومن کے لیے اس سے بڑی بشارت وسعادت اور کیا ہوگی کہ وہ محراب عبادت حق سے خون آلودہ چہرہ لیے خود کو **ارجعی الی ربك کی منزل پر پائے اور نہ صرف یہ کہ خود جام شھادت نوش کر کے لذت وصال محبوب سے لطف اندوز ھو بلکہ اپنے ساتھ ھزاروں تشنگان عدالت کو بھی سرچشمہ نور سے سیراب ھوتا دیکھے.....**

پاکستان کے باشرف اور غیور عوام جو حقیقی معنوں میں ایک انقلابی ملت ہیں اور اسلامی اقدار کے پابند ہیں اور جن سے ہمارا بہت قدیمی، گہرا انقلابی، ایمانی اور ثقافتی رشتہ ہے **میں انہیں اس امر کی تاکید کرنا ضروری خیال کرتا ھوں کہ وہ**

شهید راہ حق (علامہ عارف حسین الحسینی) کے افکار کو زندہ رکھیں....

..... مگر امریکی اسلام سے مقابلے کی راہ خاصی پُر پیچ اور عجیب ہے ضروری ہے کہ اس کے تمام پہلو ان پابرہنہ مسلمانوں پر روشن ہوں.....

....اور یہ کام (امریکی اور خالص محمدی اسلام میں فرق) دینی مدارس کے ذریعے کیا گیا ہوتا تو قوی امکان تھا کہ ہمارے عزیز سید عارف حسین الحسینی آج ہمارے درمیان ہوتے....

لہٰذا اب ہمیں چاہیے کہ پورے شعور کے ساتھ مشرقی اور مغربی استکبار کے مکر وفریب کو پہچان کر اس کا سد باب کریں....

میں اپنے عزیز بیٹے سے محرام ہوا ہوں

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

سید عارف حسین الحسینی رضوان اللہ تعالیٰ علیہ کے

خاندان کا ایک تعارف

وطن عزیز پاکستان کے چاروں صوبوں کی اپنی اپنی روایات ہیں۔ جداگانہ مزاج اور رواج ان کی پہچان ہیں۔ صوبہ سرحد تاریخ کے حوالے سے خصوصی اہمیت کا حامل ہے۔ ایسٹ انڈیا کمپنی کے لبادے میں انگریز پورے ہندوستان پر قابض ہو گئے تھے مگر اپنی تمام تر مکاری، چالاکی اور طاقت کے باوجود بھی سرحدی علاقوں پر قبضہ نہ کر سکے۔ یہاں تک کہ انہیں علاقہ غیر، ممنوعہ علاقہ اور ایجنسیوں کے کتبے لگانا پڑے۔ یہاں کے لوگ جنگجو ہیں اور مختلف قبائل میں تقسیم ہیں۔ صوبائی تقاضوں سے ہم آہنگی کے ساتھ ساتھ قبائل کے اپنے رسم و رواج اور رہن سہن کے انداز ہیں۔ یہاں بیشتر مقامات کے نام بھی قبائل سے منسوب ہیں جنہیں صوبے میں منفرد مقام حاصل ہے۔

صوبہ سرحد کے لوگ اسلحہ افتخار سے لے کر چلتے ہیں اور ہر شخص گھر میں اسلحہ رکھنا لازم سمجھتا ہے۔ یہاں کے لوگوں کی دوستیاں بے مثال ہوتی ہیں اور دشمنیاں خوفناک۔ یہاں دشمنیاں نسل در نسل چلتی ہیں اور خون کا بدلہ نسل در نسل لیا جاتا ہے۔ پاکستان کا دور افتادہ اور پسماندہ صوبہ ہونے کی وجہ سے بے روزگاری کا تناسب بھی نمایاں ہے۔ یہاں کے لوگ غربت کی وجہ سے اسمگلنگ، اغوا، ڈکیتیاں اور اجرت پر قتل کرتے ہیں۔ غربت اور اسلحہ کی بہتات کے باعث یہاں جرائم پیشہ لوگوں کی بھی کثرت ہے۔ یہی وجہ ہے کہ پاکستان کے دیگر علاقوں کے جرائم پیشہ اور مفرور لوگ یہاں آ کر پناہ لیتے ہیں۔

یہاں کے لوگوں کی زبان پشتو ہے اور یہاں کے باسی ''پختون'' کہلاتے ہیں۔ خواتین کے حجاب اور مردوں کی جفاکشی پاکستان بھر میں معروف ہے۔ یہاں کے قبائل عدالتوں کی بجائے اپنے مسائل ''جرگہ'' میں حل کرتے ہیں۔ جرگہ قبائل کے معززین کی کمیٹی ہوتی ہے۔ ہر غیر سید پختون کے

نام کے ساتھ خان کا لفظ ضرور لگتا ہے جبکہ قبائل کے بڑے لوگوں اور جرگہ میں شامل معززین کو "ملک" کہا جاتا ہے۔

صوبہ سرحد کے دارالخلافہ پشاور سے تقریبا ۲۰۰ کلومیٹر دور اور سطح سمندر سے تقریبا ۵۰۰۰ فٹ بلندی پر شمال مغربی کُرّم ایجنسی کا ہیڈ کوارٹر پاراچنار واقع ہے۔ جو افغانستان کی سرحد اور شیعہ آبادی کے ناطے ایک خاص اہمیت کا حامل ہے۔

پشاور سے پاراچنار کی طرف روانہ ہوں تو سبز درختوں میں گھرے اور پہاڑوں کے دامن میں لپٹے ہوئے اہم گاؤں درہ آدم خیل، نصرت خیل، محمد زئی، چکر کوٹ، استرزئی، خادزئی، جوزراہ، رائیسان، ابراہیم زئی، ہنگو، کاہی، دوآبہ، درسمند، ٹل، ٹوپکی، بلیچ خیل، سمیر، صدہ، اور شبلان اپنی قدرتی خوبصورتی کی بدولت دلکش اور جاذب نظر ہیں۔ لہلہاتے کھیت، پہاڑوں کی سرسبز چوٹیاں، درختوں کی سرسراہٹ، ٹھنڈے اور میٹھے چشموں کی سریلی گنگناہٹ طبیعت میں وجد اور سرور پیدا کر دیتی ہے۔

کُرّم ایجنسی کا ہیڈ کوارٹر پاراچنار دو لفظوں کا مجموعہ ہے "پارا" اور "چنار"۔ اس کا پہلا نام "طوملکے" تھا۔ طوملکے پشتو زبان میں شہتوت کے درخت کو کہتے ہیں۔ چونکہ یہاں شہتوت کثرت سے تھے اس لئے اس کا نام طوملکے مشہور ہوا۔ مگر کچھ عرصہ بعد جب پارا نامی قبیلہ یہاں آباد ہوا تو اس قبیلے کے فیصلے چنار کے درخت کے نیچے ہونے لگے۔ یوں چنار کے درخت کے نیچے پارا قبیلہ کی عدالت اس قدر مشہور ہوئی کہ اس کا نام "پاراچنار" پڑ گیا۔ اگرچہ آج پارا نامی قبیلہ تو نہیں رہا مگر چنار کے اونچے اور بڑے درخت یہاں کی پہچان اور حسن ہیں۔ چنار کے سرسبز درختوں کے درمیان چھپا ہوا یہ شہر آج بھی اپنے لازوال حسن کا احساس دلاتا ہے۔

بنگش اور طوری یہاں دو اہم قبائل ہیں۔ انگریز یہاں ۱۸۹۲ء میں آئے تو ان کا پہلا "جرگہ" طوری قبیلہ کے ساتھ ہوا پھر بنگش اور طوری قبیلہ میں جنگ چھڑی تو طوری غالب آئے جنہیں آج بھی پاراچنار میں فوقیت حاصل ہے۔

پاراچنار کا موسم انتہائی سرد ہے یہاں چھ ماہ شدید سردی پڑتی ہے اور پہاڑوں پر سارا سال

برف کی تہہ جمی رہتی ہے جو گرمیوں میں پگھل کر ٹھنڈے نالوں ۔ صورت اختیار کر لیتی ہے۔ پتھروں سے سرگوشیاں کرتے ہوئے نالوں کا یہ ٹھنڈا پانی ایسی آوازیں پیدا کرتا ہے۔ جیسے پہاڑوں کی اوٹ میں بیٹھا ہوا کوئی شخص وجد کی حالت میں خدا کی قدرت کے گن گا رہا ہو۔

پاراچنار کے شمال مغرب میں کوہ سفید واقع ہے جس کی چوٹیاں سال بھر برف سے ڈھکی رہتی ہیں۔ کوہ سفید کے پہلو میں چھپے ہوئے اس شہر کو دور سے دیکھیں تو ایسے لگتا ہے جیسے اس شہر نے اپنے چہرے پر برف کا غازہ سجایا ہوا ہے اور اپنے جسم پر درختوں کی سبز چادر اوڑھ رکھی ہے۔

پاراچنار کے اطراف میں درجنوں بزرگ سادات کے مزار واقع ہیں۔ کیونکہ یہاں کے لوگ بزرگان کی کشف و کرامات کے مداح اور انکی ذات سے خصوصی عقیدت رکھتے ہیں۔ اس لئے ان کے مریدوں کی آمد رفت کا سلسلہ سارا سال جاری رہتا ہے۔ چونکہ یہ لوگ مزاجاً غیور اور جنگجو ہیں اس لئے انہیں حضرت عباس علمدارؑ سے خصوصی عشق ہے۔

پاراچنار میں نوجوانوں کے لئے دو دینی مدرسے ہیں۔ ''مدرسہ جعفریہ'' علامہ شیخ علی مدد اور مدرسہ '' آیت اللہ خامنہ ای'' علامہ سید عابد حسین الحسینی کی زیر نگرانی چل رہا ہے جبکہ خواتین کے لئے ایک علیحدہ مدرسۃ الزہراؑ موجود ہے۔ جس کی نگرانی بھی علامہ سید عابد حسین الحسینی صاحب کر رہے ہیں۔ پاراچنار کا سیاسی نظام انگریزوں کا رائج کردہ ہے۔ یہاں عدالت نام کی کوئی چیز نہیں۔ تمام مسائل جرگہ کے تحت حل ہوتے ہیں اور پولیٹیکل ایجنٹ یہاں کا بے تاج بادشاہ ہوتا ہے۔

پاراچنار کے مشرق میں کڑمان، بادامہ اور باغا کی، شمال مشرق میں زڑان، جنوب مغرب میں خرلاچی شنگک اور بوڑکی، جنوب مشرق میں صدہ، عالم شیر، اور سراگلہ جنوب میں کنج علی زئی حشمت زئی، احمد زئی اور مالی کلے، شمال میں ملانہ اور شمال مغرب میں شلوزان، بورکی، تری مینگل اور پیواڑ واقع ہیں۔

پیواڑ وہ گاؤں ہے جس میں ایک غیر معمولی شخصیت سید عارف حسین الحسینیؒ نے ۲۵ نومبر ۱۹۴۶ء کو آنکھ کھولی تھی۔ اس کی گلیوں میں آپ کے بچپن کی صدائیں باقی ہیں۔ اس کے درختوں کے سائے، پہاڑوں کی چوٹیاں، ٹھنڈے اور میٹھے ندی نالوں کے کنارے ''سید عارف حسین'' کے بچپن کی یادوں کے امین ہیں۔ ایک طرف پہاڑوں کی چوٹیوں کے پتھر کے نیچے آپ کے قدموں کے نشان

محفوظ ہیں جبکہ دوسری جانب آپ اپنے گھر کے سامنے پتھریلی زمین کی گود میں پرسکون سوئے ہوئے ہیں۔

اس گاؤں کی مائیں اپنے بچوں کو سید عارف حسین الحسینیؒ کی کہانیاں سناتی ہیں اور بعض اوقات جب بچے پوچھ بیٹھتے ہیں کہ انہیں کس جرم میں قتل کیا گیا۔تو مائیں جواب دینے سے قبل گھنٹوں روتی رہتی ہیں۔اس عبدذی وقار سے بچھڑ جانے کے غم میں درختوں کے سائے، پہاڑوں کی چوٹیاں اور چشموں کے کنارے اپنے اپنے انداز میں غم زدہ ہیں۔لمحہ بہ لمحہ فضائیں طواف کرتی ہیں، گاؤں کے پیر و جواں ان کی ہجر میں اشک بار رہتے ہیں۔گاؤں کے چھوٹے چھوٹے بچے اور زن و مرد اُن کے مرقد کو چومتے رہتے ہیں سید عارف الحسینیؒ کے تینوں معصوم بچے جب پشاور سے پیواڑ جاتے ہیں تو اکثر وقت اپنے مظلوم باپ کی مرقد کے پہلو میں بیٹھے رہتے ہیں۔آپ کی ضعیف غمزدہ والدہ (☆) گھر کے آنگن میں سارا دن سوچ میں گم، مصلیٰ عبادت پر روتی رہتی ہیں۔جب شام کا اندھیرا چھا جاتا ہے تو ضعیف سیدزادی اپنی چار دیواری سے نکل کر اپنے دل کے چین عارف حسین کے پاس آجاتی ہیں۔ گھنٹوں سرہانے بیٹھنے کے بعد اپنی زبان میں فرماتی ہیں۔

"عارف ذرہ خومہ دہ غواڑی چہ تامخ او شنڈے۔ خف (بوسہ) کم خوف تامخ باندے خاور وپروت چادر زہ ضعیفہ نہ شم او چتولی۔

''عارف۔جی تو چاہتا ہے کہ تمہارے لب و رخسار کو بوسے دوں مگر مجھ ضعیفہ سے تمہارے چہرے پر پڑی ہوئی چادر اٹھائی نہیں جاتی''۔

ہر صبح بیٹے کے وقت شہادت ضعیفہ ماں بیٹے کے سرہانے بیٹھ کر فطرت پر غالب ہو کر خدا کا شکر بجالاتی ہیں اور بیٹے کو خراج تحسین پیش کرتی ہیں کہ

"اے عارف تا خودہ خیل پلار قربانپور زندہ ستلے پارہ شہادت قبول کتروازہ زہ پہ دی فخرکوم۔ حہ تادہ ماشو دو (دودھ) خیال و ساتلو۔

(☆) ۱۸دسمبر ۱۹۹۶ میں شہید کی والدہ انتقال فرما چکی ہیں۔

''اے عارف تو نے شہادت کو سینہ سے لگا کر اپنے آباؤ اجداد اور آئمہؑ کی قربانیوں کے سلسلے کو زندہ رکھا ہے۔ مجھے آپ پر فخر ہے کہ آپ نے میرے دودھ کی لاج رکھ لی ہے''۔

پاراچنار سے دس کلومیٹر دور پیواڑ پاک افغان سرحد پر سطح سمندر سے چھ ہزار فٹ کی بلندی پر واقع ہے اس میں تین قبائل غنڈی خیل، علی زئی اور دویرزئی آباد ہیں۔ سید عارف حسین الحسینیؒ کا تعلق دویرزئی قبیلہ سے تھا۔ مشہور صوفی بزرگ سید میر عاقل شاہ صاحب شاہ شرف بوعلی قلندر ابن سید فخر ولی (جو کڑمان گاؤں میں دفن ہیں) کی دسویں پشت میں سے تھے۔ ان کا سلسلہ نصب حسین الاصغر ابن امام زین العابدین سے ملتا ہے۔ وہ سترھویں صدی کے اوائل میں تیرہ نامی علاقہ میں آباد ہوئے۔ (تیرہ کوہاٹ کے نزدیک پہاڑوں میں گھرا ہوا ایک علاقہ ہے۔ جس میں آج کل قبیلہ بنگش آباد ہے) یہاں تشریف لا کر انہوں نے اسلام کی تبلیغ کا آغاز کیا۔ ان کی رحلت کے بعد ان کے بیٹے سید میاں داد شاہ صاحب نے باپ کی جگہ سنبھالی اور اپنے والد کے افکار کو وسعت دے کر تبلیغ اور درس و تدریس کا کام جاری رکھا۔ سید میاں داد شاہ صاحب کی رحلت کے بعد ان کے بیٹے سید میر انور شاہ صاحب (المعروف میاں بزرگوار) نے اپنے آباؤ اجداد کے مشن کو مزید آگے بڑھایا اور اپنے علاقہ سے نکل کر تبلیغی مشن کو وسعت دی۔ یہ صاحب فیض و کمال صوفی بزرگ تھے۔ انہیں فیض و کمال مودت حضرت امام علی ابن موسیٰ الرضا علیہ السلام سے ملا تھا۔ خداوند کریم نے انہیں خلوص و محبت کی دولت سے مالا مال فرمایا تھا اور ان کے لہجے کی شیرینی میں جادو کا سا اثر تھا۔ جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ یہاں کے لوگ گروہ در گروہ مشرف بہ اسلام ہوئے۔

سید میر انور شاہ صاحب کے خاندان میں ایک درجن سے زائد خدا رسیدہ بزرگ پیدا ہوئے۔ اسی خاندان نے علاقہ میں عزاداری سید الشہداء حضرت امام حسین علیہ السلام کی بنیاد رکھی اسے وسعت دی تو تھوڑے ہی عرصہ میں عزاداران امام حسینؑ اور پرستاران اسلام کی تعداد میں بے پنا اضافہ ہوا۔ گلشن اسلام کی بہار اور عزادارن حسینیؑ کے پُر درد نوحے وقت کے استعمار کی آنکھ میں کانٹا بن کر چبھنے لگے۔ دشمنان اسلام کی محفلوں میں سازشوں نے جنم لیا اور یوں سید میر انور شاہ صاحب کے کلایہ (مسکن) کو تباہ کرنے کی سازش تیار کر لی گئی۔ چنانچہ پے در پے حملے کر کے دشمنوں نے انہیں کبھی

سکھ کا سانس نہ لینے دیا۔ یہ کشمکش جاری تھی ۱۸۷۵ء میں دو درجن سے زائد قبائل نے افغانیوں کی مدد سے کلایہ کو چاروں جانب سے گھیرے میں لے کر زبردست حملہ کیا جس کے نتیجے میں کافی جانی و مالی نقصان ہوا لیکن دشمن کے تمام تر مظالم کے باوجود راہ حق میں اس خاندان کے پایہ استقلال میں لغزش نہ آئی اور نہ ہی مصائب و آلام حائل ہو کر منزلوں سے اُن کا رُخ موڑ سکے۔ کچھ عرصہ بعد سید میر انور شاہ صاحب نے دوبارہ کلایہ کو آباد کرنے کی کوششیں شروع کر دیں۔

دشمنوں نے آپ کے گھر پر حملے جاری رکھے۔ آخر کار ۱۸۹۰ء میں ایک گھمسان کا رن پڑا گاؤں ''کلایہ'' کو تباہ و برباد کر دیا گیا لیکن میر انور شاہ صاحب اپنے معتقدین کے دائرہ میں محفوظ رہے۔

جنگ کی اسی کشمکش کے دوران سید میر انور شاہ صاحب کا انتقال ہو گیا اور آپ کی جگہ آپ کے فرزند قدوۃ السالکین زبدۃ العارفین میر مدد شاہ نے سنبھال لی۔ سید میر انور شاہ صاحب کے انتقال کے بعد کچھ عرصہ امن رہا۔ مگر ۱۹۲۷ء میں ان چنگاریوں نے پھر شعلوں کی شکل اختیار کر لی اور ایک بار پھر دشمنوں نے سید میر انور شاہ صاحب کا کلایہ مسمار کر دیا اور گھروں کو آگ لگا دی۔

گو سید میر انور شاہ صاحب کا انتقال قضائے الٰہی سے ہوا تھا مگر متعصب اور جنونی دشمنوں نے چند سال بعد آپ کے جسد خاکی (جو کہ صحیح سلامت تھا) کو قبر سے نکال کر آپ کا سر تن سے جدا کر دیا۔ تین ماہ تک کٹے ہوئے سر کی ''تیرہ'' کے علاقہ میں تشہیر ہوتی رہی اور یوں سید میر انور شاہ وقت کے کوفہ میں سنت ابن عقیل ادا کرتے رہے۔

تین ماہ تک سر میں کوئی خرابی پیدا نہ ہوئی پھر آپ کے اہل خاندان نے سید میر انور شاہ صاحب کا سر حاصل کیا اور آپ کے نواسہ کی قبر میں دفن کر دیا۔

اسی مناسبت سے آپ کو شہید اول بھی کہا جاتا ہے۔ آپ پشتو زبان کے معروف شاعر بھی تھے۔ آپ نے اپنی زندگی میں مستقبل کے بارے میں فرمایا تھا

انور شاہ پہ تیغ شہید دی کہ باور کڑے

خوش خرم دئی کہ داخ شی بے کفن

''سید انور شاہ تیغ سے شہید کئے جائیں گے۔ وہ خوش ہیں کہ اگر بے کفن دفن بھی ہو جائیں''۔

آپ نے ایک اور جگہ فرمایا۔

بفہ ذات چہ سایہ نلری کل بور دئے

میر انور سید دی ناست تر تیغ پورتے

''میر انور سید اس ذات کے سائے میں بیٹھے ہیں جس کا کوئی سایہ نہیں ہے یعنی کل نور ہے''۔

قدوۃ السالکین نے اپنے والد بزرگوار کی درخشاں روایات وتبلیغات کو زندہ رکھا اور انہوں نے سکونت ''تیرہ'' سے ''پیواڑ'' منتقل کر لی۔ اس کے باوجود تیراہ پر پے در پے حملہ ہوتے رہے۔ ۱۹۲۷ء کو تیراہ پر ایک بار پھر اجتماعی حملہ ہوا تو میر مدد شاہ دوبارہ تیراہ تشریف لے گئے۔ دشمن یہ چاہتے تھے کہ تیرہ سے ان بزرگان کی قبروں کو کھود کر ویسا ہی سلوک کیا جائے جیسا کہ سید میر انور شاہ صاحب کے ساتھ کیا گیا مگر وقت کی نزاکت اور دشمن کی سازشوں کا جائزہ لیتے ہوئے سید مدد حسین شاہ صاحب کو نہ صرف تیراہ کی آبادی کا دفاع کرنا پڑا۔ بلکہ اپنے آباؤ اجداد کی قبروں کی حفاظت بھی کرنا پڑی۔ ۱۹۲۷ء میں ایک گھمسان کی جنگ میں اپنے بزرگان کی قبروں کی حفاظت کرتے ہوئے آپ بھی شہید ہو گئے اور آپ کے ساتھ سید شاہ ابوالحسن میاں اور سید ابن علی میاں بھی شہادت سے ہمکنار ہوئے۔ سید مدد حسین شاہ صاحب کے بعد ان کے بیٹے سید حسن شاہ اور اُن کے بعد اُن کے فرزند سید الاجل میر ابراہیم میاں (سید عارف حسین الحسینیؒ کے سگے پردادا) نے تبلیغ کا کام جاری رکھا۔ آپ کے بعد آپ کے فرزند سید میر جعفر میاں نے بزرگان کے مشن کو مزید آگے بڑھایا مگر انہیں بھی دشمنان اسلام نے چین سے نہ بیٹھنے دیا اور ان پر پے در پے حملے کئے۔ آخر ۱۹۶۲ء میں ان کی شہادت ہوئی جس کے بعد آپ کے بیٹے سید فضل حسین شاہ صاحب نے آپ کے مشن کی ذمہ داری اپنے سر لی۔

سید فضل حسین شاہ صاحب کی شادی اپنے چچا سید میر گوہر حسین جان کی بیٹی سے ہوئی۔ خدا نے انہیں دو فرزند اور دو بیٹیاں عطا فرمائیں۔ بڑے فرزند کا اسم مبارک سید عارف حسین الحسینیؒ او

چھوٹے کا نام سید عاقل حسین الحسینیؒ رکھا گیا۔ چونکہ آپ کا سلسلہ نسب حسین الاصغر ابن امام زین العابدین سے ملتا ہے اس لئے آپ کا خاندان ''الحسینی'' معروف ہے۔

سید فضل حسین شاہ صاحب ۱۳ نومبر ۱۹۸۳ء کو بروز جمعہ اس جہان فانی سے رخصت ہوئے تو ان کے فرزند جلیل علامہ سید عارف حسین الحسینیؒ نے اپنے آباؤ اجداد کی تبلیغ کو زندہ رکھا۔ یہاں تک کہ ۱۰ فروری ۱۹۸۴ کو ملت پاکستان کی قیادت سنبھال کر تبلیغ اسلام کو مزید وسعت بخشی اور یوں دو صدیوں بعد اس خاندان کی محنت کا ثمر سید عارف حسین الحسینیؒ کی صورت میں پوری دنیا میں اس قدر مہکا کہ پاکستان کی فضائیں شہداء کربلا کے خون کی خوشبو سے معطر ہو گئیں۔

آغوش مادر سے صحن مکتب تک

۲۵ نومبر ۱۹۴۶ء کے روز اذان صبح کے وقت لا الہ الا اللہ کا حقیقی عارف ماں کی گود میں وارد ہوا۔ گھر میں خوشی کی لہر دوڑ گئی۔ اللہ تعالیٰ نے سید فضل حسین شاہ صاحب کو ایک عظیم فرزند سے نوازا تھا۔ نومولود بچے کو والد بزرگوار کی گود میں لایا گیا۔ انہوں نے بسم اللہ پڑھ کر بچے کو اٹھایا اور دائیں کان میں اذان اور بائیں کان میں اقامت کہی۔ گویا بچے کو پہلا درس اللہ اکبر کا دیا گیا جو بعد میں اُن کے مزاج اور فطرت کا حصہ بن گیا۔ شاید یہی وجہ تھی کہ آپ عمر بھر اللہ اکبر کے درس پر قائم رہے اور سپر طاقت ہے خدا لا الہ الا اللہ کا درس دیتے رہے۔ عارف فرزند کے عارف باپ نے بیٹے کو ہتھیلیوں پر اٹھایا تو ان کی نظر بچے کی کشادہ پیشانی پر جم گئی انہوں نے پیشانی پر کئی مرتبہ ہاتھ پھیرا اور الحمد اللہ پڑھا۔ یہ بچہ باپ کی ہتھیلیوں سے آغوش مادر میں منتقل ہوا تو ماں نے خاک کربلا کی ایک چٹکی بچے کو گھٹی میں دی۔ گویا اس بچے کے خون میں سب سے پہلے تحلیل ہونے والی خوراک خاک کربلا تھی۔ شاید یہی وجہ تھی کہ آپ نے زندگی میں بار بار فرمایا ''شہادت ہماری میراث ہے جو ہماری ماؤں نے ہمیں اپنے دودھ میں پلائی ہے''۔

چند روز بعد بچے کے نام کا مسئلہ پیش آیا تو بزرگان نے اپنے عرفان اور بچے کی پیشانی کی بدولت اس کا نام عارف حسین رکھا۔ جو بعد میں عارف حسین الحسینیؑ کے نام سے معروف ہوا۔ یہ بچہ وقت کے ساتھ پہلوئے مادر میں پلتا رہا۔ بقول آپ کی والدہ معظّمہ کے کہ ''اس بچے کی نظریں جس مقام پر بھی ٹک جاتیں، کئی کئی لمحے ٹکی رہتیں اور کبھی کبھار انہیں دیکھ کر میرا دل بھی بھر آتا تھا''۔

سید عارف حسین الحسینیؒ چار پانچ برس کے ہوئے تو والدین کو بچے کی تعلیم کی فکر ہوئی اور

انہیں پیواڑ کے پرائمری سکول میں داخل کرادیا گیا اور ساتھ ہی گھر میں قرآن مجید کے ابتدائی درس کا اہتمام بھی کیا گیا۔ آپ چوتھی جماعت تک پیواڑ کے پرائمری سکول میں زیر تعلیم رہے اور بعد ازاں مزید تعلیم حاصل کرنے پاراچنار کے ہائی سکول میں داخلہ لیا اور میٹرک یہیں سے پاس کیا اِس دوران آپ نے اپنی بڑی ہمشیرہ کے ہاں موضع ''ملانہ'' میں قیام کیا۔

آپ نے قرآن مجید کی تعلیم بھی اِسی گاؤں میں مکمل کی۔ آپ بچپن ہی سے اپنے ماموں سید غلام عباس شاہ مرحوم المعروف سید جانیاں شاہ سے بے حد مانوس تھے اور سید جانیاں شاہ بھی اکثر سید عارف حسین الحسینیؒ کو پہلو میں لے کر سوتے تھے۔ ایک دفعہ بہن نے اپنے بھائی عارف حسین سے شکوہ کیا کہ وہ ان کے ساتھ نہیں بیٹھتے بلکہ بزرگوں کے ساتھ سارا وقت گزارتے ہیں تو آپ نے فرمایا ''بزرگوں کے قصے اور کارنامے سن کر مزہ آتا ہے اور میرا جی چاہتا ہے کہ میں بھی اپنے بزرگوں کی طرح کام کروں''۔

سید عارف حسین الحسینیؒ بچپن ہی سے نماز کے پابند تھے۔ وہ اپنے ماموں کے ساتھ ایک ہی کمرہ میں سوتے۔ انہیں اپنے آباو اجداد کے قصے سنانے پر مجبور کرتے رہتے اور اپنے ماموں کے ساتھ رات کو نماز بھی ادا کرتے۔ آپ پر ماموں کی صحبت کا یہ اثر ہوا کہ بچپن ہی میں شادیوں وغیرہ میں ڈھول، روایتی ناچ اور گانوں کی محفلوں سے سخت نفرت کرنے لگے۔ آپ سکول کے بعد اپنے چچازاد بھائیوں سے کھیل کود میں کچھ وقت گزارتے اس کے بعد گھر کی بکریاں پہاڑوں کی چوٹیوں پر لے جاتے۔ مگر خود کتاب لے کر بکریوں کی نگرانی کے ساتھ ساتھ سبق بھی یاد کرتے رہتے۔ ہمیشہ مغرب کی اذان سے قبل واپس آتے، وضو کرتے، ماموں کے ساتھ نماز پڑھتے، کھانا کھاتے اور پھر سبق پڑھنے میں مصروف ہو جاتے۔

اوائل عمر ہی سے آپ ہشاش بشاش اور ہنس مکھ تھے۔ سید عارف حسین الحسینیؒ اپنے گھرانے میں ایسے دلفریب مزاح کرتے تھے کہ تمام گھر والوں کو بے اختیار ہنسی آجاتی تھی بعض اوقات تمام گھر والے کسی بات پر ہنس رہے ہوتے تو باہر سے آنے والا فرد بے اختیار کہہ دیتا کہ ''لگتا ہے عارف حسین نے پھر کوئی مزاح کیا ہے''۔

بچپن میں ''آملوک'' آپ کا مرغوب پھل تھا۔ ایک دفعہ آملوک کے درخت سے گرے تو آپ کا دایاں بازو ٹوٹ گیا۔ بازو ٹھیک ہوا تو پھر اسی درخت پر چڑھ گئے۔ چھوٹے چچازاد بھائی نے کہا کہ پہلے تو آپ اسی سے گر کر زخمی ہوئے تھے اب پھر چڑھ رہے ہیں تو آپ نے جواب دیا'' آج میں اِس پر اس لئے نہیں چڑھا کہ آملوک کھاؤں۔ آج اس لئے چڑھ رہا ہوں کہ یہ درخت یہ نہ سمجھے کہ عارف حسین ڈر گیا ہے''۔

چونکہ ملانہ گاؤں پاراچنار سے دو تین کلومیٹر دور ہے اس لئے روزانہ کی تکلیف اور سردیوں کی بدولت آپ پاراچنار سکول کے ہاسٹل میں رہنے لگے اور کمرہ نمبر ۵ آپ کو الاٹ ہوا۔ آپ بچپن ہی سے بے حد ملنسار، مؤدب، پابندِ صوم وصلاۃ، کم گو اور مطالعہ کے شوقین تھے۔ ان صفات کی بناء پر ہاسٹل کے تمام طلباء آپ کی بے حد عزت کرتے تھے۔

زمانہ طالب علمی میں ہی آپ کے تقویٰ، سچائی اور مؤدب پن نے اساتذہ کو بے حد متاثر کیا۔ اسکول یا جماعت میں طالب علموں کے درمیان اگر کوئی جھگڑا ہو جاتا تو اساتذہ آپ کی گواہی کے بعد آخری فیصلہ دے دیتے۔ اساتذہ کے سامنے سر جھکا کر بیٹھنا اور نظریں نیچی کر کے چلنا آپ کا شیوہ تھا۔ یہاں تک کہ آپ پورے زمانہ طالب علمی میں نہ کسی سے اُلجھے اور نہ کسی سے ناراض ہوئے۔

آپ نے اسکول میں جن اساتذہ سے فیض حاصل کیا ان میں نجات حسین علی زئی، ناصر حسین زڑان، علی زمان زڑان، ابراہیم صاحب پاراچنار، دلدار حسین شلوزان سکول کے ہیڈ ماسٹر عثمان شاہ آف ٹل اور نائب ہیڈ ماسٹر عبداللہ جان آف زڑان سرفہرست ہیں جو آج بھی آپ کے زمانہ طالب علمی اور کردار کے معترف ہیں۔

۱۹۶۲ء میں آپ کے دسویں جماعت پاس کرنے کے بعد آپ کے والدین کا خیال تھا کہ آپ کو کالج میں داخل کروایا جائے۔ لیکن آپ اپنی طبیعت میں روحانیت کی بناء پر دینی تعلیم کی طرف مائل رہے۔ یہ وہ زمانہ تھا کہ جب پاراچنار میں کچھ عرصہ قبل حاجی غلام جعفر صاحب آف لقمان خیل نے ''مدرسہ جعفریہ'' کی بنیاد رکھی تھی۔ یہ مدرسہ آغاز میں تین کمروں پر مشتمل تھا جس میں چند طلباء نے داخلہ لیا تھا۔ چنانچہ آپ بھی دسویں جماعت کے بعد اسی مدرسہ جعفریہ میں داخل ہوئے اور عظیم منزل کی

طرف رخت سفر باندھ لیا۔ دینی مدرسہ اور علماء کے ماحول نے سید عارف حسین الحسینیؒ کی طبیعت پر گہرے اثرات چھوڑے اور آپ کی فطرت میں مزید پختگی دن بدن آنے لگی۔ اب آپ شباب کی دہلیز پر قدم رکھ چکے تھے۔ مگر شباب میں یہ عالم تھا کہ آپ مدرسہ میں باقاعدگی سے نماز تہجد اور تعقیبات ادا کرتے تھے۔

مدرسہ کے پرنسپل حاجی غلام جعفر جو ایک متقی اور برگزیدہ انسان تھے نے اپنے احباب سے اظہار کیا تھا کہ انہوں نے اکثر سید عارف حسین الحسینیؒ کو رات کے پچھلے پہر یاد خدا میں مصروف پایا ہے۔ آپ کے تقویٰ سے مدرسہ کے تمام اساتذہ بے حد متاثر تھے۔ آپ کی ریاضت، اخلاق اور حصول علم کے شوق کا ادراک کرتے ہوئے آپ کے دور اندیش اساتذہ نے فرمایا تھا کہ یہ بات دعوے سے کہی جاسکتی ہے کہ کرم ایجنسی میں سید عارف حسین الحسینیؒ سے بڑا عالم دین کوئی نہیں ہوگا اور ایک روز یہ شخص کرم ایجنسی کی تقدیر بدل ڈالے گا۔

وقت گزرتا رہا، حالات بدلتے رہے، تقاضے بڑھتے رہے، سید عارف حسین الحسینیؒ بھی اپنی منزل کے قریب ہوتے گئے۔ آپ نے حالات کا خوب مشاہدہ کیا اور کرم ایجنسی کی تقدیر بدلنے کا عزم اپنے سینے میں امانت رکھ لیا۔

زمانہ طالب علمی میں آپ کو مناظرے کرنے کا بے حد شوق تھا۔ اس لئے آپ دیگر کتب کے علاوہ مناظرانہ کتب کا باقاعدگی سے مطالعہ کرتے تھے۔ اگر کوئی مناظر عالم دین پاراچنار آجاتا تو آپ اس کے ساتھ کافی دیر تک بیٹھے رہتے اور فن مناظرہ کے بارے میں استفسار کرتے۔

عراق روانگی اور زمانہ نجف اشرف

پاراچنار میں کچھ عرصہ قیام کے بعد آپ کو اعلیٰ دینی تعلیم کا شوق ہوا جس کی تکمیل کے لئے آپ نے اپنے استاد مولانا غلام حسین بیسوتی ہزارہ کے ساتھ نجف اشرف عراق جانے کا عزم کرلیا۔ نجف اشرف روانہ ہوتے وقت آپ نے اپنے والدین اور شفیق استاد مولانا جعفر حسین صاحب کی قدم بوسی کی۔ انہوں نے حسب معمول آپ سے بے حد پیار کیا اور روانہ کرتے وقت دعا فرمائی۔ مولانا غلام جعفر صاحب نے چند نصیحتیں کرنے کے بعد نجف میں مسائل کے حل کے لئے وہاں پر مقیم سینئر طالب علم مولانا گل علی صاحب پاراچنار کے نام خط بھی دیا۔

آپ ۱۹۶۷ء میں وطن کی فضاوں سے کچھ وعدے کر کے نجف روانہ ہوئے۔ نجف پہنچتے ہی مولانا گل علی صاحب کو اپنے استاد کا خط پہنچایا۔ انہوں نے آپ کی تواضع کی اور دو چار دن کے بعد آپکو اس وقت کے مجتہد اعظم حضرت آیت اللہ العظمیٰ آقائے سید محسن الحکیم کے پاس لے گئے اور انہیں آپ کا خاندانی تعارف کرایا۔ آپ کے خاندانی پس منظر اور حصول تعلیم کے جذبہ کو دیکھ کر آقای سید محسن الحکیم بے حد متاثر ہوئے۔ انہوں نے دعا فرمائی اور آپ کی ہر ممکن مدد کا یقین دلایا۔ بعد ازاں مولانا گل علی صاحب نے آپ کو ''مدرسہ عبدالعزیز بغدادی'' میں کمرہ دلوایا اور ابتدائی تعلیم میں آپ کی بھرپور مدد فرمائی۔

کچھ عرصہ بعد مولانا گل علی صاحب اپنے مرض کے علاج کے لئے پاکستان آنے لگے

تو آپ نے ان سے التماس کی کہ وہ انہیں کسی اچھے استاد کے سپرد کرتے جائیں تاکہ سلسلہ تعلیم متاثر نہ ہونے پائے۔ آپ کی خواہش کا احترام کرتے ہوئے مولانا موصوف نے آپ کو آقا شیخ موحدی کے سپرد کر دیا۔ آپ نے آقائے موحدی سے خوب فیض حاصل کیا اور وہ بھی آپ کی ذہانت، کردار، تقویٰ اور تعلیمی دلچسپی سے متاثر ہوئے۔ علاج مکمل کرنے کے بعد مولانا گل صاحب جب عراق واپس گئے تو آقای شیخ موحدی نے انہیں بتایا کہ ''سید عارف حسین الحسینی واحد پاکستانی طالب علم ہیں جن میں ملکوتی انسان کی صفات موجود ہیں''۔

مدرسہ عبدالعزیز بغدادی سے استفادہ کرنے کے بعد آپ نے ''مدرسہ شُبّیریہ'' میں داخلہ لے لیا اور اپنی تعلیم میں ہمہ تن مصروف ہو گئے۔ آپ کا معمول تھا کہ آپ باقاعدگی سے دروس میں شرکت کرتے، ہر درس کو اپنی ڈائری پر نوٹ فرماتے اور اپنے احباب سے ان دروس پر بحث کرتے۔ آج بھی آپ کی لائبریری میں آپ کے ہاتھ سے لکھے ہوئے سینکڑوں دروس موجود ہیں۔ نجف میں کتب کے مطالعہ کے علاوہ آپ باقاعدگی سے اپنے معروف استاد حضرت آیت اللہ مدنی شہیدؒ کی پراثر دعاؤں کی محافل میں شرکت فرماتے اور قرب خداوندی کے حصول کی جستجو میں رہتے تھے۔ یہاں آپ نے جن اساتذہ سے فیض حاصل کیا ان میں آقای شیخ اشرفی اصفہانی، شہید محراب حضرت ایت اللہ مدنی، آقای لشکرانی اور آیت اللہ مرتضوی نمایاں ہیں۔

نجف اشرف میں زمانہ طالب علمی کے دوران سید عارف حسین الحسینی ہر پاکستانی طالب علم سے انتہائی خلوص و محبت اور شفقت سے پیش آتے ہر نئے آنے والے طالب علم کی بھرپور معاونت کرتے، ان کی تعلیم، رہائش اور وظیفہ کا انتظام فرماتے۔ آپ کی کوشش ہوا کرتی تھی کہ تمام پاکستانی طلباء کو ایک لڑی میں پرو دیا جائے۔ آپ کے اس انداز محبت کو دیکھ کر آپ کے ایک پختون دوست نے دوسرے دوست سے کہا تھا کہ ''پنجابی لوگ ہم پختونوں کو اچھا نہیں سمجھتے وہ اپنا الگ گروپ بنائے ہوئے ہیں مگر سید عارف حسین الحسینی تمام پاکستانیوں کو باہم جوڑنے کیلئے کوشاں ہیں''۔

مہمان نوازی اور وفاداری میں بھی اسلامی رنگ نمایاں تھا۔ آپ پاکستانی طلباء سے ملتے تو انہیں کمرے میں آنے کی دعوت دیتے اور ان کی بے حد تواضع فرماتے۔ رابطوں کو مستحکم کرنے اور دلوں میں محبتوں کو قائم کرنے کے لئے دوسرے احباب کے کمروں میں جانا آپ کا

معمول تھا۔ اگر کسی طالب علم کو کوئی مشکل پیش آجاتی تو آپ اس کا ازالہ فرماتے۔ آپ زمانہ طالب علمی میں تعلیمی دلچسپی اور تقویٰ کے باعث اساتذہ کی شفیق نگاہوں اور توجہ کا مرکز بنے رہے۔ آپ اپنی جماعت میں ایک ذہین، متقی، زحمت کش طالبعلم کی حیثیت سے پہچانے جاتے تھے۔ آپ تعلیم کے سلسلے میں تین چیزوں کے سختی سے پابند تھے۔

۱۔ دروس کا لکھنا۔ اساتذہ سے جو کچھ پڑھتے آپ انہیں اپنی ڈائری میں لکھتے

۲۔ مباحثہ، یعنی پڑھے گئے دروس پر ساتھیوں سے بحث کرنا۔

۳۔ مطالعہ، آپ فارغ اوقات میں بڑے بڑے کتاب خانوں میں جا کر اہم موضوعات کی کتب کا مطالعہ کرتے اور نوٹس بناتے۔ قیادت کے دوران بھی آپ فرصت مستعار مانگ کر مطالعہ کرتے اور نوٹس بناتے۔ اور دوران سفر کتب اپنے ساتھ رکھتے۔ شوق مطالعہ کا اس سے بڑا ثبوت اور کیا ہوسکتا ہے کہ آپ ساڑھے چھ سال بعد پہلی دفعہ نجف اشرف سے گھر (پاراچنار) واپس لوٹے۔

مختلف موضوعات پر تقریر کرنا بھی آپ کا ایک شوق تھا۔ آپ ہفتہ وار پاکستانی بالخصوص صوبہ سرحد کے طلباء کے درمیان مختلف موضوعات پر تقریر کرتے اور دوسروں کو تقریر کی دعوت دیتے۔ احباب کی موضوعاتی تقاریر سن کر ان کی تعریف کرتے اور حوصلہ افزائی فرماتے۔ عزاداری اور ماتم سے آپ کو گہرا لگاؤ تھا۔ آپ نجف میں عزاداری کی مجالس میں تقاریر کرتے اور ماتم میں باقاعدگی سے شرکت فرماتے تھے۔ آپ کے محبوب اور شفیق استاد آیت اللہ حرم پناہی ہر سال عاشور کے بعد اپنے گھر میں مجلس عزا کا اہتمام کرتے اور تمام نوحہ خواں حضرات اور عزاداروں کو دعوت دیتے تو آپ اپنے نوحہ خواں احباب کے ساتھ شرکت فرماتے اور وہاں پشتو میں نوحہ خوانی اور خوب ماتم کرتے تھے۔ آپ کے نوحوں کو تمام طلباء انتہائی شوق سے سنتے اور آپ کے انداز عزاداری کو بے حد پسند کیا کرتے تھے۔

ماہ رجب کی ۲۵ تاریخ کو کاظمین (بغداد) میں ہر سال امام موسیٰ کاظمؑ کی شہادت کے موقع پر شبیہ تابوت برآمد ہوتی ہے۔ جس میں عراق اور دور دراز علاقوں کے لوگ شرکت کرتے

ہیں۔سید عارف حسین الحسینی اس جلوس میں شرکت کے لئے نجف اشرف سے کاظمین جاتے تھے۔ وہاں نوحہ خوانی اور ماتم کرتے۔آپ اس قدر رقیق القلب تھے کہ مجلس اور مصائب سن کر ایک فقرے کو یاد کر کے کئی کئی دن تک دہراتے اور گریہ کرتے رہتے تھے۔آپ محرم کا چاند دیکھتے اشکبار ہو جاتے۔آپ کے لئے شب عاشور اور شام غریباں انتہائی کٹھن ثابت ہوتی تھی۔ساری ساری رات دھاڑیں مار کر روتے۔محرم کے ایام میں روزے رکھتے اور عاشور کی عصر آپ کی کیفیت بدل جاتی پھر اتنا گریہ کرتے کہ سسکیاں بے ربط ہو جاتی تھیں۔

نجف اشرف میں قیام کے دوران عبادات کو زیادہ اہمیت دینا آپ کی فطرت کا جزو بن گیا۔ہر شب جمعہ دعائے کمیل اور زیارت امام حسینؑ پڑھنا آپ کا وطیرہ تھا۔کربلا کی زیارت آپ کا جنون اور عشق تھا۔آپ نے نجف اشرف میں ساڑھے چھ سال کے دوران بیس سے زائد مرتبہ کربلا کی پیدل زیارت کی۔عراق میں دستور ہے کہ لوگ ۱۳ رجب، ۳ شعبان، ۱۵ شعبان، ۱۸ ذوالحجہ، عاشورائے محرم اور ۲۰ صفر کو اکثر مقامات سے خاص طور پر نجف سے زیارت کے لئے پیدل کربلا جاتے ہیں۔اربعین کے موقع پر خصوصیت کے ساتھ بڑی تعداد میں لوگ قافلوں کی صورت میں نجف سے کربلا کا رخ کرتے ہیں اسی طرح سید عارف حسین الحسینی سال میں کم از کم چار مرتبہ ضرور پیدل جایا کرتے تھے۔نجف اشرف سے کربلا جانے کے لئے دو راستے ہیں ایک راستہ جو تقریباً تین دن کی مسافت پر مشتمل ہے دریائے فرات کے کنارے سے ہو کر جاتا ہے جو لوگ یہ راستہ اختیار کرتے ہیں وہ آرام کے ساتھ ٹھہر ٹھہر کر قیام کرتے ہوئے کربلا پہنچتے ہیں اور اس راستہ میں آباد لوگ زائرین کی خاصی تواضع کرتے ہیں۔دوسرا راستہ وہ پختہ سڑک ہے جس پر عام ٹریفک رواں دواں رہتی ہے۔یہ فاصلہ تقریبا ۸۰ کلومیٹر پر مشتمل ہے اور راستہ میں کھانے پینے اور سایہ کا کوئی انتظام نہیں ہے البتہ نجف و کربلا کے درمیان اسی راستہ پر چند دکانیں ہیں۔سید عارف حسین الحسینی جب تنہا پیدل عازم سفر ہوتے تو اسی راستہ کا انتخاب کرتے اور نماز فجر پڑھ کر روانہ ہو جاتے۔ ۸۰ کلومیٹر کا یہ دشوار راستہ دن کے کھانے اور نماز کے لئے توقف کے علاوہ رکے بغیر طے کرتے اور یوں دوسرے روز تھکے جسم، آبلہ پا اور غبار آلود چہرے کے ساتھ سیدھے حرم سید الشہداءؑ پہنچتے اور

فرماتے کہ زائر کو چاہئے کہ وہ سفر کی چور چور کیفیت اور غبار اٹے چہرے کے ساتھ اپنے مولا کی بارگاہ میں حاضر ہو۔

بقول علامہ عابد حسین الحسینیؒ کہ آپ جب کبھی قافلے کے ساتھ نجف سے کربلا جاتے تو قافلے میں موجود ضعیف اور نحیف زائرین کا سامان اپنے کندھوں پر اٹھاتے ۔ راستہ بھر ان کی خدمت کرتے اور کربلا پہنچنے کے بعد خود آبلہ پائی کے باوجود ضعیف زائرین کے پاؤں دباتے۔

☆☆☆☆☆

نجف میں امام خمینیؒ کے ساتھ وابستگی

جس زمانہ میں آپ نجف اشرفؑ میں تعلیمی مراحل تیزی سے طے کر رہے تھے ان ایام میں رہبر انقلاب اسلامی حضرت امام خمینیؒ رضوان اللہ تعالیٰ علیہ بھی نجف میں جلاوطنی کے دن کاٹ رہے تھے۔ آپ مدرسہ آیت اللہ بروجردی میں نماز مغربین کی امامت فرماتے اور چند لوگ آپ کی اقتداء میں نماز بجالاتے تھے۔ پاکستانی طلباء میں سید عارف حسین الحسینی واحد طالب علم تھے جو باقاعدگی سے امام خمینی کی اقتداء میں نماز ادا کرتے تھے۔ نماز کے بعد امام خمینیؒ کے دروس کو انتہائی انہماک سے سنتے اور ذہن کی لوح پر نقش کر لیتے۔ آپ واپس اپنے ہاسٹل لوٹتے تو وہاں پر موجود تمام احباب کو امام خمینیؒ کے درس کا خلاصہ پیش کرتے اور انہیں امام خمینیؒ کے دروس میں شرکت کی اپیل کرتے۔

یہ وہ دور تھا جب امام خمینیؒ پر سامراج کی نظریں لگی ہوئی تھیں اور لمحہ بہ لمحہ آپ کی کاروائیاں جاسوس ادارے نوٹ کر رہے تھے۔ حکومت عراق اور حکومت ایران دونوں کی کوشش ہوا کرتی تھی کہ امام خمینیؒ کے پیروکاروں میں اضافہ نہ ہونے پائے اور آپ کے افکار کو پھیلنے کا موقع نہ ملے۔ لہذا حکومت عراق آپ اور آپ کے ساتھ اٹھنے بیٹھنے اور چلنے پھرنے والوں پر کڑی نظر رکھتی تھی اور اسی ضمن میں آپ کے رفقاء کو آپ سے جدا کرنے کا ہر طریقہ اختیار کیا جاتا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ علماء اور اکثر طلباء امام خمینیؒ کے ساتھ اٹھنے بیٹھنے اور چلنے پھرنے سے گریز کرتے تھے۔ مگر سید عارف حسین الحسینیؒ کے عشق کی یہ حد تھی کہ آپ امام خمینی کی جماعت کی پہلی صف میں بیٹھتے، ذہن کے دریچوں کو کھول کر امام خمینیؒ کا ہر فرمان سنتے اور امام خمینیؒ کے چہرے پر نظریں جما کر مہتاب انقلاب کی

شعاعوں سے آنکھوں کو منور اور دل کو تازگی بخشتے۔ جب کبھی وقت اور حالات کی نزاکتوں میں شدت آتی تو آپ اپنے رفقاء سے التجا کرتے کہ امام خمینیؒ کی درازی عمر کی دعا کریں اور خود روضہ حضرت علی علیہ السلام پر حاضری دیتے اور گڑگڑا کر امام خمینیؒ کے لئے دعائیں مانگتے۔

ایک بار کسی دوست نے آپ سے کہا کہ ہم پاکستانی طلباء یہاں اپنی تعلیم حاصل کرنے کے لئے آئے ہیں لہذا ہمیں ایران عراق اور یہاں کی سیاسی متنازعہ شخصیات سے کوئی سروکار نہیں ہونا چاہیے۔ ایک تو یہ غیر ملکی معاملات ہیں اور دوسرا یہاں کے امور میں مداخلت سے ہمارے لئے مشکلات پیدا ہونے کا اندیشہ ہے۔ یہ سنتے ہی آپ کا چہرہ جلال سے سرخ ہو گیا اور دیگر احباب کے سامنے اسی دوست سے فرمایا ''اے دوست آپ کا مذہبِ شیعہ پاکستان سے تخلیق نہیں ہوا۔ یہ چشمہ ہدایت بھی عراق سے رواں ہوا تھا اور نواسہ رسول پاکستانی نہیں تھے۔ ہم حق کے متلاشی اور ہر فرزند زہراؑ کی صدائے ھل من ناصر پر لبیک کہنے والے ہیں لہذا ہم حق کی خاطر اٹھنے والی ہر صدا، چاہے وہ دنیا کے کسی بھی کونے سے کیوں نہ اٹھے اس کا ساتھ دینا اور حق کے راستے میں صعوبتیں برداشت کرنا بھی ہماری ذمہ داریوں میں شامل ہے۔ دعا کرو کہ فرزند زہراء خمینی دشمنوں کی نظر بد سے محفوظ رہیں اور کوشش کرو کہ آپ کے افکار کا چرچا عام ہو۔ یاد رکھو کہ اگر خدانخواستہ اس رہبر کو کچھ ہو گیا تو پھر کئی برس تک کوئی عالم دین صدائے حق بلند نہیں کر سکے گا اور اگر بفضل خدا انہیں کامیابی حاصل ہو گئی تو پھر اسلام سرخرو اور علماء سربلند ہوں گے لہذا توبہ کرو اور اپنے دل سے ان وسوسوں کو نکال دو''۔

آپ کے جذبات اور خلوص سے تمام طلباء بے حد متاثر ہوئے اور ان میں سے بعض امام خمینیؒ کی اقتداء میں نماز مغربین میں شرکت کرنے لگے۔ کربلا کی زمین پر سید الشہداء کے مجاہد فرزند امام خمینیؒ کی محبت بھی پروان چڑھتی رہی۔ یہاں تک کہ آپ احباب کی محفل کے درمیان امام خمینیؒ کا ایک جملہ نقل فرماتے ہی اشکبار ہو گئے کہ آج امام خمینیؒ نے شاہ کو مخاطب کر کے فرمایا ہے کہ ''میرا دل تیرے نیزوں سے چھلنی ہونے کے لئے حاضر ہے لیکن تیرے ظلم و ستم کو تسلیم کرنے کے لئے نہیں''۔

اس وقت جب امام خمینیؒ کے ساتھ اٹھنا بیٹھنا بھی خطرناک ہوا کرتا تھا۔ آپ امام خمینیؒ

کے پیچھے ایسے چلتے جیسا ان کے ذاتی محافظ ہوں۔ آپ کی یہ حالت دیکھ کر آپ کے کسی دوست نے بھری محفل میں کہہ دیا تھا کہ سید عارف حسین الحسینی نے انگیٹھی کو سینے سے لگایا ہوا ہے'' آپ صرف امام خمینیؒ سے عقیدت تک محدود نہ رہے بلکہ امام خمینیؒ سے عقیدت رکھنے والے افراد بھی آپ کی محبوب شخصیات بن گئے جن میں آقا علی نائینی، آقا سید رضا برقعی، آقا دعائی اور آقا سید حسین یزدی سرفہرست ہیں۔

زمانہ طالب علمی میں آپ اپنے استاد آیت اللہ شہید مدنی سے بے حد متاثر تھے کیونکہ شہید مدنی بلند پایہ عالم دین ہونے کے علاوہ امام خمینیؒ کے عاشق بھی تھے۔ آپ مدرسہ دارالحکمت میں آیت اللہ مدنی سے شرح لمعہ پڑھتے تھے اور درس ختم ہونے کے بعد انہی کے ساتھ سیدھا مدرسہ بروجردی جا کر امام خمینیؒ کے پیچھے نماز مغربین ادا کرتے اور نماز ظہرین بھی اکثر اوقات مسجد شیخ انصاری میں امام خمینیؒ کی اقتداء میں ادا کرنے کی کوشش فرماتے تھے۔

امام خمینیؒ سے آپ کی عشق کی مثال کچھ یوں بھی سامنے آئی ہے کہ ۱۹۷۱ء میں جب ایران میں ڈھائی ہزار سالہ جشن شہنشاہی منایا جا رہا تھا تو امام خمینیؒ نے نجف اشرف میں اس کے خلاف تقریر کی۔ یہ شاہ ایران کے آباواجداد کا جشن شہنشاہی تھا جس پر اربوں روپے خرچ کئے گئے تھے جس کی مثال دنیا میں کم ہی ملتی ہے۔

اس بارے میں امام خمینیؒ نے فرمایا تھا کہ ''اے شہنشاہ ایران یہ ملک تمہارے باپ کی جاگیر نہیں ہے بلکہ امام زمانہؑ کا ملک ہے۔ اس کے اربوں روپے تمہارے خاندانی جشن کے لیے نہیں بلکہ غریب و مظلوم عوام کے لئے ہیں'' امام خمینیؒ کی اس پر جوش تقریر کے بعد امام کے طرفدار طلباء اور علماء نے شاہ کو مذمتی ٹیلی گرام بھیجے۔ پاکستانی طلاّب میں صرف سید عارف حسین الحسینیؒ ہی تھے جنہوں نے شاہ کو پاکستانی طلباء کی جانب سے ٹیلی گرام بھیجا تھا۔ جب اس بات کا علم پاکستانی طلباء کو ہوا تو وہ ایک گروپ کی صورت میں نماز مغربین کے بعد صحن مطہر حضرت علی علیہ السلام میں آپ سے ملے اور اعتراض کیا'' آپکو کیا حق پہنچتا ہے کہ آپ تمام پاکستانی طلباء کی طرف سے شاہ کو مذمتی ٹیلی گرام ارسال کریں، ہمارا ان باتوں سے کیا تعلق ہے، ہم پاکستانی ہیں۔ ہم کسی ایرانی

شخصیت کی حمایت اور ایرانی حکومت کی مذمت کیوں کریں؟ ہمیں تو ایران کے راستے پاکستان آنا جانا ہوتا ہے، اس طرح حکومت ایران ہمیں تنگ کرے گی''۔

پاکستانی احباب کی یہ باتیں سن کر آپ نے کافی دلائل دیئے مگر وہ بضد رہے۔ جب بات دلائل سے نہ بنی تو پھر متحمل مزاج عارف کے چہرے پر جلال نمودار ہوا اور آپ نے انتہائی سخت الفاظ میں انہیں باز رہنے کی تاکید کی۔ نوجوانی کے عالم میں غصہ پر قابو پانا آپ کی صفات کا ایک حصہ تھا لیکن امام خمینیؒ یا مقتدر علمی شخصیات کی توہین برداشت کرنا آپ کے لئے مشکل ہوتا تھا۔''

ایک اہم واقعہ جو ۱۹۷۳ء میں نجف اشرف کی سرزمین پر پیش آیا وہ یوں تھا کہ حسن بکر کی بعثی عراقی حکومت نے آقا محسن الحکیم کی انقلابی سرگرمیوں سے خائف ہو کر انہیں کوفہ میں نظر بند کر دیا اور ان کی ملاقات پر پابندی عائد کر دی۔ وفد آقا محسن الحکیم سے ملاقات کرنے کوفہ پہنچا جہاں طلباء کے جلوس اور پولیس کے درمیان تصادم ہوا۔ اس جلوس میں سید عارف حسین الحسینی اور سید شبر حسن آف پاراچنار بھی موجود تھے۔ ان دونوں جوانوں نے پولیس سے خوب ہاتھا پائی کی اور چند پولیس والوں کو زخمی کر دیا۔ اس تصادم میں سید عارف حسین کی عباء بھی پھٹ گئی۔ پھر آپ مسجد کوفہ پہنچے مگر پولیس نے مسجد میں گھس کر آپ کو گرفتار کر لیا۔

اس زمانہ میں امام خمینیؒ کی حقیقی معرفت بہت کم افراد کو تھی اور بعض اوقات طلباء آپ سے اختلاف بھی کر لیتے تھے مگر سید عارف حسین الحسینیؒ کے سامنے کسی کو امام خمینیؒ کی شان کے منافی ایک حرف کہنے کی جرات نہ ہوتی تھی۔ دل کو دل سے راہ ہونے کے مصداق شہید حسینیؒ نے اگر امام خمینیؒ جیسے گوہر یکتا کو اپنی باطنی بصیرت سے کشف کر لیا تھا تو امام خمینیؒ کی روحانیت نے بھی آپ کا انتخاب فرما لیا تھا۔ لہذا جب آپ ۱۹۷۳ء میں نجف اشرف سے پاکستان بغرض ترویج انقلاب آنے لگے تو امام خمینیؒ نے آپ کو اپنا وکالت نامہ دیا جو ایران کی سرحد پر دوران تلاشی چھین لیا گیا۔

☆☆☆☆☆

زمانہ قم المقدسہ ایران

آپ ۱۹۷۳ء میں پہلی بار نجف اشرف سے ساڑھے چھ سالہ قیام کے بعد پاکستان آئے۔اسی سال آپ کی اپنے ہی خاندان میں مولانا سید امیر حسین جان لکھنوی کی بھتیجی اور سید یونس جان خطیب عالم شیر کی صاحبزادی سے شادی انجام پائی۔

خداوند کریم نے آپ کو پانچ فرزند اور دو دختر عطا فرمائیں۔ جن کے نام یوں ہیں۔سید محمد، سید علی، سید حسن، سید حسین، سید سجاد، سیدہ فاطمہ، اور سیدہ زینب۔

شادی کے بعد ۱۹۷۴ء میں جب آپ نے نجف اشرف دوبارہ جانا چاہا تو آپ کے داخلہ پر پابندی عائد کر دی گئی کیونکہ عراقی حکومت آپ کی سرگرمیوں، قائدانہ صلاحیتوں اور امام خمینیؒ سے عقیدت سے آشنا ہو چکی تھی۔علمی تشنگی اور امام خمینیؒ کے ہجر نے آپ کو پاکستان میں چین سے نہ بیٹھنے دیا۔آپ ۸ ماہ بعد قم تشریف لے گئے جہاں آپ نے آیت اللہ شہید مرتضٰی مطہری، آیت اللہ ناصر مکارم شیرازی، آیت اللہ وحید خراسانی، آیت اللہ تبریزی اور آیۃ اللہ حرم پناہی سے تاریخ، اصول، فلسفہ، فقہ اور علم کلام کا درس لیا۔

یہ وہ زمانہ تھا جب ایران میں امام خمینیؒ کی تحریک خوب پروان چڑھ رہی تھی۔ایران کے ملعون شاہ کی جانب سے علماء کے خلاف زہریلا پروپیگنڈہ زوروں پر تھا۔مدارس دینیہ کا تقدس پامال کرنے کی ہر ممکن کوشش کی جارہی تھی، عوام اور طلباء کے مظاہرے شباب پر تھے۔ایسے میں سید عارف حسین الحسینی بڑے بڑے مظاہروں میں خود شرکت کرتے، اپنے ساتھیوں کو شرکت کی ترغیب دیتے اور امام خمینیؒ کے پیغامات کو دیگر احباب تک پہنچانے میں سرگرم عمل رہتے تھے۔

چونکہ اسلامی انقلاب کی تحریک کا اصل مرکز حوزہ علمیہ قم تھا اس لئے قائدین انقلاب کی سرگرمیوں کا محور ہونے کے ناطے یہ حوزہ شاہ کے غیض وغضب کا نشانہ بنتا رہا۔ آیت اللہ سید علی خامنہ ای، حجۃ الاسلام واعظ طبسی، حجۃ الاسلام شہید ہاشمی نژاد اور دیگر اہم شخصیات امام خمینیؒ کی تحریک کے روح رواں تھیں۔ امام خمینیؒ سے عشق کی بدولت سید عارف حسین الحسینی کو امام کے جانثاروں سے عقیدت ہوگئی۔ آپ حضرت آیت اللہ سید علی خامنہ ای کے خطبات میں جوش وجذبہ سے شرکت فرماتے اور انکے خطبات کے اقتباسات اپنے دیگر دوستوں تک پہنچاتے۔ آپ حضرت آیت اللہ سید علی خامنہ ای کے جذبہ اور ان کی امام خمینیؒ سے والہانہ محبت کو دیکھ کر اکثر فرمایا کرتے تھے کہ ''اگر یہ عبد ذی وقار (آیت اللہ خامنہ ای) زندہ رہے تو اپنی صلاحیتوں کا دنیا سے لوہا منوائیں گے''۔

ایران کی بدنام زمانہ جاسوسی تنظیم ''ساواک'' انقلاب کے لئے سرگرم افراد کے لمحہ بہ لمحہ جاسوسی کر رہی تھی بالخصوص یہ تنظیم غیر ملکی طلباء جو ایرانیوں کے شانہ بشانہ محرک تھے پر کڑی نظر رکھے ہوئی تھی۔ چونکہ پاکستانی طلباء میں سید عارف حسین الحسینی تحریک امام خمینیؒ کے سرگرم رکن تھے۔ اس لئے ''ساواک'' نے آپ کو گرفتار کر کے وہاں ضلعی انتظامیہ کے سپرد کر دیا۔ آپ سے چند روز تفتیش ہوتی رہی۔ آپ کو صعوبتوں کا خوف دلایا گیا، ایران بدر کرنے کی دھمکیاں دی گئیں مگر ان کی کوشش بھی آپ کو متزلزل نہ کر سکی۔ آخر کار انہوں نے آپ سے ایک حلف نامہ پر دستخط کرانے کی کوشش کی جس پر تحریر تھا کہ آپ

۱۔ قم کے قیام کے دوران کسی مظاہرے اور جلسے میں شرکت نہیں کریں گے۔

۲۔ کسی سطح پر ہونے والے جلسے پر تقریر نہیں کریں گے۔

۳۔ شاہ ایران کے خلاف کسی مقام پر نشر واشاعت نہیں کریں گے۔

۴۔ ایران میں انقلاب کی تحریک کے کسی رہنما سے ملاقات نہیں کریں گے۔

۵۔ حکومت ایران کے خلاف کسی بھی سرگرمی میں شریک نہیں ہوں گے۔

جونہی آپ کی نظر ان شرائط پر پڑی تو نہ صرف آپ نے دستخط کرنے سے انکار کر دیا بلکہ

بڑی جرأت سے جواب دیا'' میں اس قسم کی شرط کو قبول نہیں کرتا اور نہ ہی میں نے اپنے آباؤاجداد سے مشروط زندگی کا درس پڑھا ہے''۔

قم میں بھی انقلابی جلسوں کے علاوہ عزاداری کے جلوسوں میں شرکت کرنا آپ کا پسندیدہ فعل تھا۔ آپ ان جلوسوں میں نوحہ خوانی اور سینہ زنی کرتے۔ نجف وقم میں مقامات مقدسہ کی زیارتیں اور عزاداری کے عظیم جلوسوں سے آپ اس قدر متاثر تھے کہ زندگی بھر احباب کی محفل میں انکا تذکرہ فرماتے رہے۔ آپ کے نزدیک نجف وقم کے مزارات کی زیارت، وہاں مانگی گئی دعائیں اور عزاداری کے پروگرامات میں شرکت زندگی کا عظیم سرمایہ تھے۔

حج بیت اللہ آپ کی تسکین کا ذریعہ تھا آپ ۱۹۷۵ء میں پہلی بار قم سے حج کی عظیم سعادت حاصل کرنے کے لئے گئے۔ دوران حج آپ کا تقویٰ، عبادت اور کم گوئی ایسے افعال تھے جو ہر اہل نظر کو متاثر کر گئے۔ اس موقع پر پاکستان اور دیگر اسلامی ممالک کے علماء اور صاحب تقویٰ افراد آپ کے انداز حج سے بے حد متاثر ہوئے اور کافی افراد نے مناسک حج بھی آپ کے ساتھ ادا کئے۔ دعاؤں کے مجموعہ کی بہترین کتاب ''مفاتیح الجنان'' ہر وقت آپ کے ہاتھ میں ہوتی تھی۔ آپ مختلف مقامات پر وہاں کی مناسبت سے دعائیں پڑھتے اور گریہ کرتے۔ ایک مرتبہ آپ اس کتاب کے ساتھ حرم میں داخل ہوئے تو سعودیہ پولیس نے کتاب اندر لے جانے سے منع کیا۔ آپ نے دلائل دیئے مگر انہوں نے واضح کہا کہ اس کتاب میں چند جملے ایسے ہیں جن سے سعودیہ مسلک کو اختلاف ہے۔ غالباً یہ جملے حضرت فاطمہ الزہراءؑ اور مزارات اہل بیت کی مظلومیت کے بارے میں تھے۔

آپ حج کے عرصہ میں بہت کم سوتے، زیارات اور قرآن مجید کی بکثرت تلاوت فرماتے، رات کو اٹھ کر خانہ خدا اور روضہ رسولؐ کا کثرت سے طواف کرتے اور مسجد نبوی و دیگر مساجد میں کثرت سے نمازیں اور نوافل ادا کرتے تھے۔ یاد خدا میں آپ کی آنکھیں مسلسل اشکبار رہتی تھیں۔ آپ اس دوران کھانا بھی انتہائی کم کھاتے تا کہ عبادت میں خلل نہ آسکے۔ آپ سعودیہ میں گوشت کھانے سے مکمل پرہیز کرتے ایسے میں آپ خشک میوہ جات، انڈوں اور خشک روٹی پر

گزارہ کرتے۔

ایک مرتبہ آپ منیٰ آرہے تھے کہ ایک مصری آپ کا ہمسفر ہو گیا اور اس نے شیعیت کے خلاف انتہائی غلیظ زبان استعمال کی۔ آپ نے نہایت حوصلہ سے عربی میں اسے مذہب شیعہ کا تعارف کرایا اور وہ بے حد متاثر ہوا۔ یہ شخص آپ کو منیٰ میں خیمہ تک چھوڑنے آیا اور یہ کہہ کر کہ ''وہ مزید تحقیق کیلئے حاضر ہوگا'' رخصت طلب کی۔

آپ دوسری بار ۱۹۷۷ء میں قم سے حج پر تشریف لے گئے جہاں آپ کی ملاقات پاراچنار کے قریبی رفقاء آقا سید محمد جواد ہادی، حاجی کمال حسین، سید حسین سے ہوئی۔ آپ نے اس گروپ کی رہنمائی کی۔ احباب کے بقول آپ کے حج کا انداز بھی منفرد ہوتا تھا۔ آپ ساری ساری رات جاگتے، زیارات و قرآن مجید بکثرت پڑھتے۔ خصوصاً عرفات کے دن، دعائے امام حسینؑ ایسے پڑھتے جیسے امام حسینؑ روبرو آپ کا خطبہ سن رہے ہوں۔ زیارت امام حسینؑ پر بے حد گریہ کرتے، اعمال حج کے دوران دعاؤں میں اپنی شہادت کی دعا اس انداز سے مانگتے جیسے خداوند کریم نے پوچھ لیا ہو عارف کیا چاہتے ہو؟ آپ رات کو مجالس پڑھتے اور احباب کو بار بار نصیحت فرماتے کہ آپ لوگ خدا کے مہمان ہیں لہذا میزبان کی عظمت کو مدنظر رکھ کر اپنے اطوار میں مزید بہتری پیدا کریں۔ ایک دفعہ حاجی کمال حسین آپ کے اعمال کی دعائیں ریکارڈ کر رہے تھے تو آپ نے فرمایا کہ ''ریکارڈنگ وغیرہ چھوڑیں اس سے آپ کے اعمال میں خلل پڑے گا آپ اعمال کریں واجبات کو ترجیح دیں''

ایک رات جدہ میں آپ احباب کے ہمراہ دعائے کمیل پڑھ رہے تھے کہ چند مصری آگئے انہوں نے آپ سے پوچھا کہ کہاں سے آئے ہیں؟ آپ نے بتایا کہ ''ہم پاکستانی ہیں'' انہوں نے تعجب سے پوچھا پاکستان میں شیعہ رہتے ہیں؟ انکے اس استفسار پر آپ نے شیعیت کا بھرپور تعارف کروایا اور انہیں بتایا کہ پاکستان میں ۳ کروڑ شیعہ آباد ہیں جو پاکستان کی کل آبادی کا چوتھا حصہ ہیں۔

آپ عرصہ حج کے دوران زیادہ وقت عبادات میں صرف کرتے، معمولی سا آرام کرنے

کیلئے معمولی سی چٹائی پر نیچے سو جاتے اور اپنی عبا اوپر لے لیتے۔ یوں تو زیارات کے دوران آپ اشکبار ہی رہتے مگر شعب ابی طالب اور جنت البقیع میں اس قدر گریہ کرتے کہ آپ کی حالت غیر ہو جاتی اور اس دوران زیارات اور دعاؤں کی کتاب زمین پر رکھتے اور بے اختیار ماتم کرتے۔

آپ اکثر فرمایا کرتے تھے ''دستور زمانہ ہے کہ ہر ملک اپنے تاریخی مقامات کو چن چن کر محفوظ کرتا ہے جبکہ سعودی فرمانرواؤں نے ایسے مقامات (مزارات اہل بیتؑ و اصحابؓ) کو مسمار کر دیا ہے'' چونکہ آپ حقیقی عبد کریم اور رسول اکرمؐ کے پروانے تھے اس لئے اپنے احباب کو مجالس اور دروس میں حقیقت توحید اور عظمت رسولؐ سے آشنا کرتے۔ یہی وجہ تھی کہ آپ کی مجالس میں شیعہ سنی برادران کا ہجوم رہتا تھا۔ آپ حج کی ادائیگی کے بعد واپس قم چلے جاتے اور اپنی تعلیم میں مصروف ہو جاتے تھے۔

قم میں قیام کے دوران جہاں آپ امام خمینیؒ کی تحریک کے سپاہی تھے وہاں آپ پاکستانی امور پر بھی گہری نظر رکھتے۔ جب بھی کوئی پاکستانی طالب علم قم آتا تو آپ اس سے پاکستان کے مکمل حالات اور بالخصوص ملت جعفریہ کی صورتحال کا ضرور استفسار کرتے۔

آپ قم میں رہتے ہوئے بھی کرّم ایجنسی کے حالات کے بارے میں کافی مضطرب رہتے۔ ان ایام میں جن احباب سے بھی آپ کا سلسلہ خط کتابت تھا آپ انہیں ہر خط میں کرّم ایجنسی کے حالات کے بارے میں پوچھتے اور مکمل تفصیلات طلب کرتے تھے۔ اگر ملت جعفریہ پاکستان کسی سانحہ کا شکار ہو جاتی تو آپ مسلسل کئی روز تک رنجیدہ رہتے۔ کبھی پاکستان میں فرقہ واریت کی مسموم ہوا کا کوئی جھونکا چلتا تو آپ بے حد غمزدہ ہو جاتے اور مقامات مقدسہ پر مسلمانوں کے اتحاد اور پاکستان کے استحکام کی دعائیں مانگتے تھے۔

آپ امام خمینیؒ کی تحریک کا رخ دیکھ کر اس خواہش کا اظہار فرمایا کرتے تھے کہ انشاءاللہ پاکستان میں بھی کوئی خمینیؒ اٹھے گا جو وہاں مسلمان عوام کی تقدیر بدل ڈالے گا۔

☆☆☆☆☆

پاراچنار میں آمد اور مجاہدانہ کردار

آپ قم المقدسہ میں اعلیٰ دینی تعلیم کے حصول میں مصروف تھے کہ پاراچنار کے ''مدرسہ جعفریہ'' اور کرّم ایجنسی کے حالات کے تحت آپ کی اشد ضرورت پڑی۔ چنانچہ علامہ سید عابد حسین الحسینی اور آپ کو مدرسہ کے مسئول آقا شیخ رجب علی نے کرم ایجنسی میں خدمات کے لئے یاد فرمایا۔ آپ مزید تعلیم اور امام خمینیؒ سے محبت کی بنا پر قم المقدسہ کو چھوڑنے کے لئے ہرگز رضامند نہ تھے مگر جب آپ کو ضرورت کا احساس دلایا گیا تو آپ اپنے محترم و شفیق استاد آقای حرم پناہی کے پاس گئے اور انہیں استخارہ کرنے کی استدعا کی۔ آقا حرم پناہی استخارہ دیکھنے کیلئے معروف تھے۔ انہوں نے استخارہ کیا تو مسکرانے لگے۔ آپ کی طرف دیکھا اور فرمایا'' آپ کے لئے وطن واپس جانے میں بہتری ہے''۔ انہوں نے آپ کے حق میں دعا کی اور پاکستان میں انقلاب اسلامی کی ترویج کرنے کی تاکید فرمائی۔

آپ استاد کے حکم کی تعمیل اور کرّم ایجنسی کی ضرورتوں کو مدنظر رکھ کر ۱۹۷۷ء میں قم سے پاراچنار تشریف لے آئے اور سلسلہ درس و تدریس میں مصروف ہو گئے۔ یہاں آپ نے اپنی ذمہ داریوں کو دو حصوں میں تقسیم کیا۔ اوّل مدرسہ کی ترقی اور دوّم کرّم ایجنسی کے حالات کی بہتری۔

بطور مدرس آپ نے طلباء کی فکر کو جدید اسلامی نہج پر لانے اور طلباء میں تقویٰ کو فروغ دینے کی بھرپور کوشش کی جہاں آپ نے طلباء کی ضرورتوں اور علم دین کی افادیت کو اہمیت دی وہاں مدرسہ کی تعمیر، نوجوانوں کو مدارس دینیہ کی طرف راغب کرنے اور مدرسے کے نظام اور تعلیم کو بہتر بنانے کی کوشش بھی کی۔ جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ نہ صرف مدرسہ کا نظام بہتر ہوا بلکہ طلباء کی تعداد

میں خاطر خواہ اضافہ ہوا۔ مدرسہ جعفریہ پاراچنار، تعلیمی معیار کے حوالے سے پاکستان کا عظیم مدرسہ بنا۔

آپ کو انسان شناسی کا ملکہ تو خدا نے عطا کیا ہوا ہی تھا۔ آپ کُرّم ایجنسی کے دینی پروگراموں، مجالس اور تقریبات میں شرکت فرماتے تو وہاں آپ کی خصوصی نظر دینی نوجوانوں پر ہوتی۔ آپ نوجوانوں کی تقاریر سماعت فرماتے ان کے کردار کو معیار کے ترازو میں تولتے۔ اگر کسی نوجوان طالب علم کی صلاحیتوں سے متاثر ہوتے تو شفقت فرمانے کے بعد اسے عالم دین بننے کی تاکید فرماتے۔

جہاں آپ شفیق اور مہربان استاد کی حیثیت رکھتے تھے وہاں طلباء سے آپ کا رویہ ہمیشہ دوستانہ تھا۔ آپ فرماتے تھے کہ بہترین استاد بہترین دوست ہوا کرتا ہے۔

اور ہمیشہ دوست ہی راز دان ہوتے ہیں۔ یہی وجہ تھی کہ طلباء بے دھڑک اور بلا تکلف آپ کے سامنے اپنی تکالیف کا اظہار کرتے اور مدرسہ و معاشرہ کے قابل تنقید پہلو زیر بحث لاتے جس کے پیش نظر آپ تمام مشکلات کا ازالہ فرماتے۔ آپ اپنے مدرس احباب کو اکثر تاکید کرتے کہ "پاکستان کے مدارس اور علم دین کے حصول سے لوگ متنفر ہیں لہذا ہمیں مدارس کے ماحول اور علم دین میں جاذبیت پیدا کرنی چاہئے۔ ہمیں اپنے مدارس کا ماحول قم اور نجف جیسا بنانا چاہیے تاکہ ہم ان کی تکالیف کا بروقت ازالہ کر کے انہیں احساس محرومی سے نجات دلا سکیں، ہمیں معاشرے میں علماء کے کردار کو اجاگر کرنا چاہیے تاکہ معاشرہ میں علماء کا حترام نئی نسل کے لئے جاذب بنے، ہمیں اپنے طلباء سے وہی سلوک کرنا چاہئے جیسا ہم گھر میں اپنے بچوں سے کرتے ہیں تاکہ روحانی فرزند و پدر کا مقدس رشتہ قائم رہے"۔

آپ فرش پر بیٹھ کر درس پڑھاتے۔ طلباء میں مساوات کو بے حد ترجیح دیتے۔ ایک دفعہ آپ کرسی پر بیٹھے درس دینے میں مصروف تھے اور آپ کے سامنے چند طلباء کرسیوں پر بیٹھے انہماک سے درس سن رہے تھے کہ چند مزید طلباء کمرے میں آئے اور کرسیوں کی کمی کی بدولت نیچے بیٹھ گئے تو آپ نے کرسیوں پر بیٹھے طلباء سے فرمایا کہ اپنے احباب کے ساتھ نیچے بیٹھ جائیں۔ آپ خود

بھی نیچے بیٹھ گئے اور انہیں درس دیا۔

آپ دن بھر طلباء کو درس دیتے اور رات کو طلباء کے کمرے میں جا کر ان کی خیریت دریافت کرتے۔ ایک دفعہ ایسا ہوا کہ آپ رات کو کسی طالب علم کے کمرے میں گئے تو وہ چارپائی پر سویا بخار سے کراہ رہا تھا اور اس کے پاس کوئی ساتھی موجود نہیں تھا۔ آپ اس کے سرہانے بیٹھ گئے۔ اس کا سر دبایا، جب دوسرے طلباء اس کمرے میں آئے اور دیکھا کہ ایک مشفق استاد سید عارف حسین الحسینیؒ بیمار طالب علم کا سر دبا رہے تھے۔ آپ نے تاکید فرمائی کہ اگر کسی طالب علم کو کوئی تکلیف ہو تو آپ کے گھر سے کھانا وغیرہ تیار کروائے۔

آپ شاگردوں سے اکثر اس خواہش کا اظہار فرماتے کہ ''میرے بیٹو! اپنے اوپر اسلام نافذ کرو کیونکہ ایک عالم کا کردار پورے صنف اور معاشرے کا ترجمان ہوا کرتا ہے۔ تقویٰ اختیار کرو کیونکہ تقوی سے سکون قلب نصیب ہوتا ہے''۔ آپ کبھی کبھار حسرت بھرے لہجے میں فرماتے ''محنت کرو اور امام خمینیؒ جیسے مرجع عالم دین بنو''۔ ایک دفعہ شاگردوں کے ساتھ محفل سجی ہوئی تھی۔ ماحول روحانیت سے معمور تھا تو ایک طالب علم نے اُٹھ کر عرض کی کہ آپ کی کوئی ایسی خواہش جس کی ہم تکمیل کر کے آپ کو خوش کر سکیں تو آپ نے فرمایا ''تمام معاملات میں خدا کی ذات کو خوش رکھنے کی کوشش کریں''، میں آپ تمام برادران سے نماز شب پڑھنے کی گزارش کرتا ہوں کیونکہ نماز شب ہی قربت خداوندی کا واحد راستہ ہے۔ مزید فرمایا خدا نماز شب پڑھنے والے شخص کی محبت دریاؤں میں ڈال دیتا ہے جو ان دریاؤں کا پانی پیتا ہے وہ اس کا گرویدہ ہو جاتا ہے''۔ آپ کی بات کا اتنا اثر ہوا کہ اکثر طلباء نماز شب باقاعدگی سے پڑھنے لگے۔

طلباء سے محبت کا یہ عالم تھا کہ آپ کو مدرسے سے بطور مدرس بارہ سو روپے تنخواہ ملتی تھی۔ آپ اس معمولی تنخواہ کا تقریباً نصف حصہ اپنے لائق اور مستحق طلباء میں باقاعدگی سے تقسیم کر دیتے اور نصف تنخواہ میں خود گزارا کرتے۔

آپ باقاعدگی سے شب جمعہ مدرسہ کے طلباء کے ساتھ ''دعائے کمیل'' پڑھتے اور آپ نے دعائے کمیل کی اہمیت کو اجاگر کرنے کے لئے طلباء کی ایک جماعت تیار کی۔ آپ نے انہیں حکم

دیا تھا کہ وہ باقاعدگی سے ہر شب جمعہ حرکت اسلامی افغانستان کے محازوں پر جا کر مجاہدین کے ساتھ دعائے کمیل پڑھیں جیسا کہ ایران کے محاذوں پر ہوتا ہے۔ آپ کے شاگرد آپ کے حکم کی تعمیل کرتے ہوئے افغان مجاہدین کے مورچوں میں جاتے اور دعائے کمیل پڑھتے۔ یہ سلسلہ تقریباً چھ سات ہفتوں تک برقرار رہا جو بعد میں حالات کی سنگینی کی وجہ سے منقطع ہو گیا۔ اسی کے ساتھ آپ نے اپنے طلباء کو یہ بھی ہدایت کی تھی کہ وہ اپنے گاؤں جا کر انقلاب اسلامی ایران اور امام خمینیؒ کو متعارف کروائیں۔

آپ کی خواہش تھی کہ مدارس دینیہ کا وقار معاشرے میں بلند ہو۔ آپ اپنے احباب مدرسین سے اکثر فرمایا کرتے تھے کہ ''آپ اپنے طلباء کی اس طرح تربیت کریں کہ آپ کا طالب علم فقط پیش نماز کی حد تک محدود نہ رہے بلکہ وہ اپنے اندر ملک کی اعلیٰ عدالتوں میں جج بننے اور اسلامی حکومت کے قیام کیلئے میر کارواں ہونے کا جذبہ اور اعتماد بھی محسوس کرے''۔

ایک طرف آپ نے مدرسہ جعفریہ پاراچنار کے معیار کو بامِ عروج تک پہنچایا اور انقلابی روح پھونکی جبکہ دوسری جانب کرّم ایجنسی کے حالات اور گردوپیش کی تبدیلیوں پر کڑی نظر رکھی۔ آپ اکثر فرمایا کرتے تھے کہ ''عالم دین اپنے اردگرد کے حالات کا نگران ہوا کرتا ہے۔ لہذا معاشرہ کی اصلاح علماء کی ذمہ داری میں سے ہے''۔ مزید فرماتے تھے ''اگر آپ کہیں فاسد معاشرہ دیکھیں تو یقین کر لیں کہ یہاں کے علماء فاسد ہیں''۔

پاراچنار کے مدرسہ جعفریہ میں آپ کی ذات چار دیواری تک محدود نہ رہی بلکہ آپ نے اپنی ذمہ داریوں کا احساس کرتے ہوئے اپنے آپ کو گردوپیش کے حالات اور تقاضوں سے مربوط رکھا۔ جن تقاضوں کی تکمیل کی تشنگی آپ قم اور نجف میں محسوس کرتے تھے اب انہیں عملی جامہ پہنانے کی ضرورت تھی اور آپ نے ان تقاضوں کو پورا کرنے کیلئے عملی میدان میں قدم رکھ لیا تھا۔ کرّم ایجنسی کی تقدیر بدلنے کے لئے آپ نے وہی طریقہ اختیار فرمایا تھا جو امام خمینیؒ کی قربت سے حاصل کیا تھا۔ آپ نے سب سے پہلے ذاتی کردار سے عوام کو قائل کیا۔ جب آپ کا کردار قابل تقلید اور ہر بات دلیل اور حوالہ بننے لگی تو آپ نے عوام کو ظلم کے خلاف قیام کرنے اور مظلوموں کے حقوق کی

بازیابی کے لئے سینہ سپر ہونے کا نظریہ دیا۔ آپ نے بیک وقت تبلیغ، تربیت، تنظیم، فلاحی امور، تحفظ تشیع اور اسلامی انقلاب کی حمایت کا بیڑا اٹھایا۔

آپ نے کُرّم ایجنسی سے نکل کر صوبہ سرحد کے دارالخلافہ پشاور میں بھی اپنی سرگرمیوں کا آغاز کیا۔ وہی مشن اور وہی نظریہ پشاور میں شروع کیا۔ آپ نے ۱۹۷۷ء میں امام بارگاہ اخوند آباد میں پشتو زبان میں محرم الحرم کیمجالس پڑھنے کا آغاز کر دیا۔ یہاں بھی آپ نے پہلے اپنی عظمت و کردار کا لوہا منوایا اور پھر خلوص اور علم سے نہ صرف ملت شیعہ کی زندگی میں انقلاب برپا کیا بلکہ سینکڑوں اہلسنت برداران کو مجالس امام حسین علیہ السلام میں شرکت کرنے اور شیعیت کی طرف مائل ہونے پر آمادہ کیا۔

آپ محرم کی مجالس کے دوران اخوندزادگان (بانیان مجالس) کے گھر میں نہیں رہتے تھے بلکہ ریلوے اسٹیشن کے ایک معمولی سے کوارٹر میں اپنے چچازاد بھائی کے ہاں رہائش پذیر رہتے۔ آپ گاڑی استعمال کرنے کے سخت مخالف تھے۔ آپ روزانہ مجلس پڑھنے کے لئے عام بس یا رکشہ پر آتے اور کرایہ وغیرہ جیب سے خود ادا کرتے۔ بسا اوقات بانی مجالس درخواست کرتے کہ آقا صاحب ہمارے پاس گاڑیاں موجود ہیں۔ آپ بس اور رکشہ میں سفر کیوں کرتے ہیں۔ تو آپ نے جواباً فرمایا ''مجالس سید الشہداءؑ میں شرکت کے لئے تکالیف سہنا افضل عبادت ہے اور اس سے روح کو سکون پہنچتا ہے''۔ اگر کوئی شخص آپ کو گاڑی میں لے جانے کی پیش کش کرتا تو آپ معذرت فرماتے۔ آپ عزاداری سید الشہداءؑ میں بے حد گریہ کرتے۔ ایک دفعہ فرمائش پر مختار علی نیّر صاحب سے نوحہ سنا اور کافی دیر گریہ کرتے رہے۔

آپ مجالس میں مستورات کے پردے کی سخت پابندی کرواتے۔ آپ نے مجالس کا آغاز کرتے ہی بانی مجالس سے فرمایا کہ خواتین کے لئے علیحدہ پردہ کا اہتمام کریں۔ کیونکہ ذِکر سید الشہداءؑ بہت بڑی عبادت ہے اور دوران عبادت خواتین پر کسی نامحرم کی نظر نہیں پڑنی چاہئے۔ جب آپ کی اس خواہش کا احترام نہ کیا گیا تو آپ نے مزید مجالس پڑھنے سے انکار کر دیا۔ جس سے بانی مجالس اور سامعین سخت پریشان ہوئے۔ آخر مکمل طور پر خواتین کے پردے کا اہتمام ہو جانے کے

بعد آپ نے دوبارہ مجلس پڑھنے پر رضامندی ظاہر کی۔

اسی دوران پشاور ریڈیو اسٹیشن سے پشتو زبان میں آپکی شام غریباں کی مجالس نشر ہونے لگیں۔ آپ کی مجالس کا انداز روایتی ذاکری سے ہٹ کر تھا۔ آپ توحید، رسالت، فلسفہ شہادت امام حسین علیہ السلام کے علاوہ امام خمینیؒ کی شخصیت، اسلامی معاشرہ کی تشکیل اور سامراجی نظام کی تبدیلی کا تذکرہ فرماتے تھے۔ آپ مجالس میں بار بار خواتین سے استدعا کرتے تھے کہ وہ اپنی گود کو حضرت فاطمہؑ وحضرت زینبؑ وحضرت رُبابؑ کی گود بنائیں تا کہ ان کی تربیت یافتہ نسل سے اسلامی معاشرے کا قیام عمل میں آئے۔

انہی ایام میں آپ کی ملاقات امامیہ اسٹوڈنٹس آرگنائزیشن پاکستان کے ایک سابق مرکزی صدر سے ہوئی۔ آپ آئی ایس او پاکستان کی تشکیل اور سرگرمیوں سے متعارف ہوئے۔ آپ کی خواہش تھی کہ ان تعلیم یافتہ صالح نوجوانوں کو اسلامی انقلاب کے لئے منظّم کام کرنا چاہئے۔

جب کبھی تنظیمی نوجوان آپ سے ملتے تو آپ ان سے آئی ایس او کے دستور، منشور، پالیسیوں، اہداف اور سرگرمیوں کے بارے میں سوالات کرتے۔ چونکہ آئی ایس او اس وقت صوبہ پنجاب اور کسی حد تک پشاور میں بھی متعارف ہو چکی تھی اس لئے یہ عوام میں تیزی سے مقبول ہو رہی تھی۔ اسی دوران عارف حسین الحسینی کی عمیق نظریں آئی ایس او کے مستقبل پر تھیں۔

آپ نے قیادت سنبھالنے سے قبل پشاور سات محرم پڑھے جہاں آپ نے عوام میں مقبولیت حاصل کی۔ وہاں آپ نے اپنی ذمہ داری کو مزید وسعت دے کر پشاور کے گردنواح کے علاقوں میں شیعیت اور ترویج دین کا کام شروع کر دیا۔ ایک دفعہ آپ چند احباب کے ہمراہ چارسدہ میں شیعیت کی تبلیغ کیلئے تشریف لے گئے تو وہ لوگ شیعہ افراد کو اپنے برتن تک دینے کیلئے تیار نہ تھے کیونکہ شیعیت کے بارے میں ان کے نظریات انتہائی غلط تھے۔ مگر ایسے حالات میں بھی آپ نے کام کیا اور مثبت نتائج حاصل کئے۔

ایک دفعہ چند احباب کے ہمراہ تبلیغ کیلئے ضلع دیر پہنچے۔ دیر کے علاقہ میں ابھی داخل ہو رہے تھے کہ مغرب کی اذان ہوگئی۔ آپ نے احباب کو روکا اور نماز ادا کرنے کو کہا اور خود اذان

کیلئے پہاڑی پر چڑھ گئے۔ اردگرد کے لوگ بھی جمع ہونے لگے احباب نے عرض کی کہ آقا صاحب شہر کی مسجد میں نماز پڑھ لیں یہاں لوگ تماشا کی غرض سے ہمارے گرد جمع ہو رہے ہیں۔ تو آپ نے فرمایا ''میری خواہش ہے کہ یہ لوگ ہمارے گرد جمع ہوں اور ہم سے دین کے بارے میں سوال کریں''۔ آپ نے نماز پڑھائی وہاں کچھ لوگ آپ سے ملے آپ نے انہیں تبلیغ کی پھر شہر گئے وہاں ایک ڈیرے پر جمع لوگوں تک اپنا پیغام پہنچایا اور انکے شکوک وشبہات کو ختم کیا۔

ایک مرتبہ آپ ایک قبائلی علاقہ میں تبلیغ دین کے سلسلے میں گئے تو وہاں کے چند لوگوں نے آپ سے پوچھا ''کیا آپ یہاں لوگوں کو شیعہ کرنے آتے ہیں''؟ تو آپ نے نہایت اطمینان سے جواب دیا ''اگر کوئی شخص تحقیق کر کے مذہب اہل بیتؑ اختیار کرتا ہے تو اسے حق حاصل ہے کیونکہ دین میں سمجھ بوجھ حاصل کرنے کا حکم موجود ہے۔ ہمارا اصلی ہدف مسلمانوں کے درمیان غلط فہمیوں کا ازالہ ہے جو دشمنان دین اسلام کی طرف سے ہمارے درمیان پھیلائی گئی ہیں۔ کیونکہ ہماری ان غلط فہمیوں سے اختلافات جنم لیتے ہیں جس سے اسلام کو نقصان پہنچتا ہے''۔

آپ نے پشاور میں مجالس محرم کے دوران تشیع اور اسلام کی خوب ترویج کی اور فارغ اوقات میں اپنے ساتھیوں کے ساتھ پشاور کے مضافات میں تبلیغ کا پروگرام ترتیب دیا۔ مجالس محرم کے بعد آپ واپس پاراچنار مدرسہ چلے جاتے۔ مگر پشاور کے احباب سے آپ کا رابطہ قائم رہتا۔ آپ نے اسی دوران اپنی زندگی کے لمحات کو تین حصوں میں تقسیم فرمایا۔ ایک حصہ مدرسہ کو دیا، دوسرا حصہ کرّم ایجنسی کے حالات کو سنبھالنے، فاسق نظام کی تبدیلی اور انقلاب اسلامی کی تحریک کے تعارف کیلئے مختص فرمایا جبکہ تیسرا حصہ پشاور کے مقدر میں آیا۔ آپ نے ان لمحات سے کما حقہ انصاف برتا۔ بحیثیت مدرس آپ نے مدرسہ کے نظام اور تعلیمی معیار کو بام عروج تک پہنچایا۔ اور دوسری جانب آپ نے پاراچنار کے عوام کی تربیت اور نوجوانوں کی تنظیم سازی پر توجہ دی اور امام خمینیؒ کی تحریک اسلامی کو گاؤں گاؤں متعارف کرایا سب سے پہلے آپ نے ایران کے ملعون شاہ کے مظالم کے خلاف تحریک کا آغاز کیا۔ پھر آپ نے صوبائی سطح پر ایک مظاہرہ کا اہتمام کیا جس میں کرّم ایجنسی کے ہزاروں افراد کو پشاور لایا گیا۔ پروگرام کے تحت آپ نے ایران کے کونصلیٹ

کے سامنے مظاہرہ کرنا تھا۔ مگر حکومت نے آپ کو پشاور کے باہر روک کر مظاہرہ نہ کرنے کی اپیل کی اور پرامن جلسہ کی منظوری دے دی۔ آپ نے اخوند آباد پشاور میں بھرپور جلسہ کیا اور شاہ ملعون کے مظالم کا پردہ چاک کر کے امام خمینیؒ کی تحریک کی بھرپور حمایت کی۔

آپ کے ترتیب شدہ پروگراموں اور مظاہروں میں نوجوانوں نے بھرپور حصہ لیا اور اس لئے آپ نے نوجوانوں کی تربیت پر خصوصی توجہ کا عزم کیا جسے عملی جامہ پہنانے کیلئے آپ ہر شب جمعہ پاراچنار سے بذریعہ بس پشاور یونیورسٹی کے علاقے میں تشریف لاتے اور وہاں پشاور کے نوجوانوں کو درس اخلاق دیتے تھے۔ آپ کا یہ سلسلہ ایک طویل عرصہ تک جاری رہا، جس کے نتیجہ میں آپ کے گرد سینکڑوں نوجوانوں کا حلقہ بن گیا جنہیں آپ نے امام خمینیؒ کی شخصیت کا گرویدہ بنا دیا۔

ایران میں امام خمینیؒ کی تحریک کے سپاہیوں پر وحشیانہ مظالم ڈھانے والے ایک حساس ادارے کا ڈائریکٹر جب ایران سے پشاور سفارتی خدمات سرانجام دینے آیا تو آپ کے نوجوان احباب نے اسے سزا دینے کا پروگرام بنایا مگر حکومت کو خبر ہوگئی اور نوجوان گرفتار کر لئے گئے۔ امام خمینیؒ کے جانثاروں کے جذبات واحساسات سے باخبر ہوتے ہی وہ ڈائریکٹر بھاگ کر کابل چلا گیا۔

انقلاب ایران کی کامیابی سے قبل آپ کے احباب نے پشاور سے ''طلوع اسلامی انقلاب مبارک'' کا ایک اشتہار شائع کروایا جس پر امام خمینیؒ کی تصویر نمایاں تھی۔ جب یہ پوسٹر آپ کو دکھایا گیا تو آپ نے امام خمینیؒ کی تصویر کو بوسہ دیا اور احباب سے کہا ''اگر آپ کے پاس دیواروں پر پوسٹر لگانے والے افراد کی کمی ہے تو میں حاضر ہوں''۔ کسی دوست نے کہا ''آقا صاحب لوگ اعتراض کریں گے ابھی انقلاب اسلامی کا اعلان ہی نہیں ہوا اور آپ مبارک باد کے پوسٹر چسپاں کر رہے ہیں''۔ آپ نے پراعتماد لہجے میں جواباً فرمایا ''آج کی شب آپ مبارکبادی کے پوسٹر چسپاں کر دیں کل ہمارے قائد حضرت امام خمینی حکومت اسلامی کا اعلان کر دیں گے''۔ آخر وہی ہوا کہ دوسری صبح سرزمین ایران پر انقلاب اسلامی کا سورج طلوع ہوا جس نے عالم اسلام کو منور کر دیا۔

☆☆☆☆☆

کُرّم ایجنسی کے نامساعد حالات میں
آپ کا تاریخ ساز کردار

انقلاب اسلامی ایران کی عظیم کامیابی کے بعد انقلاب اسلامی کی شعاعیں پاکستان پر اثر انداز ہونے لگیں اور امام خمینیؒ کا پیغام دن بدن عوام میں مقبول ہونے لگا جسے آغاز میں پاکستان کے تمام دینی حلقوں بالخصوص جماعت اسلامی کے بانی مولانا ابواعلیٰ مودودی نے خوب سراہا اور امام خمینیؒ سے روابط مستحکم کئے۔ اس کے ساتھ ہی انقلاب اسلامی ایران کے اثرات کا خدشہ امریکہ کو لاحق ہوا تو اس نے پاکستان میں شیعہ اکثریتی علاقوں کا زور توڑنے کی ٹھان لی۔

یوں تو کچھ عرصہ افغان مہاجرین کی ایک خاصی تعداد پہاڑوں میں آباد ہو چکی تھی اور پاراچنار کے عوام ان کی دل کھول کر امداد کر رہے تھے۔ یہاں تک بسا اوقات سید عارف حسین الحسینی انکے کیمپس (خیموں) تک جاتے اور ان سے مشکلات اور ضروریات کے بارے پوچھتے اور اپنے عوام سے ہر جلسہ میں اپیل کرتے کہ ''وہ ان مہاجر بھائیوں کے ساتھ وہی سلوک کریں جو رسول اکرمؐ کے دور میں انصار نے کیا تھا''۔ یہی وجہ تھی کہ پاراچنار کے عوام اور تنظیمیں مہاجر بھائیوں کی خدمت میں مصروف رہیں۔ انقلاب اسلامی ایران کی کامیابی کے بعد پاراچنار میں امریکی ٹیموں نے دورے کئے اور پھر افغان مہاجرین کو آبادکاری کے لئے ایک خاکہ بنا کر دیا جس کے بعد ان مہاجرین میں سے صرف شر پسند عناصر نے خاص منصوبہ کے ساتھ شیعہ علاقوں کے گرد بڑے بڑے کیمپ لگانا شروع کر دیئے۔ امریکی ٹیموں کی ایماء پر ان شر پسند عناصر کی منظّم آبادکاری کو علامہ سید عارف حسین الحسینی نے درک کر لیا۔ اور آپ نے اس منصوبہ کو مقامی آبادی کے لئے ایک خطرہ قرار دیا۔

آخر وہی ہوا جس کا اندیشہ تھا کہ ۱۰ محرم ۱۹۸۰ء کے روز ان فتنہ پرور افراد نے سید عارف حسین الحسینی کے آبائی گاؤں ''پیواڑ'' پر حملہ کر دیا۔ شیعہ چونکہ عزاداری میں مصروف تھے اس لئے پہلے مرحلے میں وہ اس حملے کا جواب نہ دے سکے مگر فوراً ہی مورچہ بند ہو کر ان کا خوب مقابلہ کیا۔ آپ اس وقت پشاور میں محرم پڑھ رہے تھے۔ فوراً مجالس سے فارغ ہو کر پاراچنار پہنچے اور وہاں کے حالات کا جائزہ لے کر جنگ میں عملی طور پر حصہ لینے کی ٹھان لی۔ آپ نے چند نوجوانوں کو اکٹھا کیا اور حکم دیا کہ وہ اگلے مورچوں پر بیٹھے ہوئے مومنین تک کمک پہنچائیں۔ اس طرح آپ کی قیادت میں ۲۴ گھنٹوں کے دوران ۲۶ ہزار کارتوس بطور کمک پہنچائے گئے جس کے بعد شیعوں کے حوصلے بلند ہو گئے اور شیعہ مورچوں میں مستحکم اور پرسکون نظر آنے لگے۔

آپ شر پسند مہاجرین کے اس بھیانک کردار سے کافی پریشان ہوئے کہ یہ لوگ کس قدر احسان فراموش ہیں کہ تعاون کرنے والوں کے گھر پر بھی حملے کرتے ہیں۔ کرم ایجنسی کے عوام بھی چند مفسد مہاجرین کے ان اقدام کے بعد آپے سے باہر تھے مگر آپ نے عوام کو صبر کی تلقین کی کہ یہ کاروائی صرف ان عناصر کی ہے جو استعمار کے آلہ کار ہیں اور بیرونی اشارے پر ہماری طاقت کا شیرازہ بکھیرنے کے درپے ہیں جبکہ ہم ان چند افراد کے بدلے دیگر تمام مہاجرین کو اپنے غضب کا نشانہ نہیں بنا سکتے بلکہ ہمارا مہاجرین بھائیوں سے سلسلہ تعاون جاری رہے گا۔ البتہ ہمارے عوام کو چاہئے کہ وہ حکومت اور امریکہ کے نمک خوار گروہوں پر کڑی نظریں رکھیں۔ اور انہیں اپنے گرد ڈیرے نہ ڈالنے دیں تا کہ یہ لوگ کسی وقت ہمیں حصار میں نہ لے سکیں۔

ایک اجتماع میں قوم کے صاحب ثروت افراد سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا'' ہمیں موجودہ فسادات میں دو تجربے ہوئے ہیں، ایک بین الاقوامی دشمن کی سازشیں اور ان کے آلہ کاروں کی کارستانیاں، دوسرا اپنی دفاعی کمزوری کا احساس۔ لہذا صاحب ثروت افراد پر لازم ہے کہ وہ علاقہ کی صورت حال اور وقت کی نزاکتوں کو مدنظر رکھتے ہوئے نوجوانوں کی دفاعی قوت کو مضبوط کریں کیونکہ اسلام دفاع کا مکمل حق دیتا ہے اور جارحیت کی بھرپور مذمت کرتا ہے۔

آخر کار ان آلہ کاروں کی وجہ سے خونی فسادات پھوٹ پڑے۔ بحالف عناصر کی جارحیت

کے مقابلے میں علامہ عارف حسین الحسینی نے نوجوانوں کی بروقت رہنمائی اور قوم کو احساس تحفظ بخشا۔ آپ کے ان پروقار اور شجاعانہ اقدامات کی وجہ سے کُرّم ایجنسی کے عوام آپ کو اپنا قائد تسلیم کرنے لگے۔ حالات کے تقاضوں کے پیش نظر آپ نے دفاعی ضروریات کی تکمیل اور قوم کو منظّم کرنے کے لئے نوجوانوں کی ایک تنظیم ''علمدار فاونڈیشن'' کی بنیاد رکھی اور اس کی قیادت کی ذمہ داری قبول کرنے کی حامی بھر لی۔

آپ نے علمدار فاونڈیشن کے پہلے اجلاس میں نوجوانوں سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا'' آپ لوگ قوم کا سرمایہ ہیں اور آپ نے ہی قوم کا دفاع کرنا ہے لہذا علمدار فیڈریشن میں ۱۲۰۰ نوجوان ایسے ہونے چاہئیں جو صالح اور معاشرتی برائیوں سے پاک ہوں اور وہ اپنی قوم کا دفاع کرنے میں مہارت رکھتے ہوں''۔ آپ نے نوجوانوں سے مزید فرمایا ''دشمن کے حملے کا دفاع کرنے سے قبل آپ کو اپنے کردار سے اپنی قوم کو اعتماد میں لینا ہوگا تا کہ دشمن آپ پر حملہ آور ہو تو آپ کی قوم آپ کا ساتھ دے۔ آپ نوجوان اپنے علاقے میں فلاحی کاموں کا آغاز کردیں مجھ سے جس حد تک مدد ہو سکے گی میں بھر پور ساتھ دوں گا۔ آپ نوجوان پہلے اپنے آپ سے برائیوں کا خاتمہ کریں اور پھر معاشرے میں برائیوں کے ناسور کا علاج کریں''۔

آپ کی پرخلوص دعوت اور وقت کے تقاضوں کے باعث نوجوانوں نے بہت جلد اپنے آپ کو منظّم کرلیا۔ انہوں نے فلاحی کام شروع کردیئے آپ نے ہر مرحلہ پر ان کی بھر پور مدد فرمائی اور انکی تربیت کے لئے باقاعدگی سے درس کا سلسلہ جاری کردیا جس کے نتیجے میں ان نوجوانوں نے بہت کم عرصہ میں قومی توقعات پر پورا اترنے کی اہلیت پیدا کرلی۔

آپ نے علمدار فیڈریشن کے نوجوانوں پر واضح کیا کہ پاراچنار کا مستقبل شدید خطرات میں ہے کیونکہ امریکہ کا مقصد شیعہ مراکز کو انقلاب اسلامی سے منقطع کرنا ہے تا کہ ان علاقوں میں انقلاب اسلامی کا نفوذ نہ ہو سکے، لہذا استعمار کے مقابلے کے لئے اپنے آپ کو ابھی سے تیار کریں''۔

آپ نے اپنے نوجوانوں پر واضح کیا کہ'' ہم جہاد افغانستان کی مخالفت کا سوچ بھی

نہیں سکتے کیونکہ یہ کفر کے خلاف اسلام کی جنگ ہے اور افغان مہاجرین کی دامے، درمے، سخنے امداد کرنا ہمارا دینی اور شرعی فریضہ ہے البتہ مہاجرین میں سے اسلام دشمن قوتوں کے بعض آلہ کار گروہ جو مقامی لوگوں سے بلا جواز الجھ رہے ہیں، ان کی کارستانیوں کا ہمیں افسوس ہے اور ہمیں ان پر کڑی نظر رکھنی چاہئے۔ ان کی ان فتنہ انگیز کاروائیوں سے نہ صرف ہم پر مصیبتوں کے پہاڑ ٹوٹ رہے ہیں بلکہ یہ لوگ دیگر افغان بھائیوں کے لئے بدنامی کا باعث ہیں اور دیدہ و دانستہ جہاد افغانستان کو زک پہنچا رہے ہیں۔ ہم جانتے ہیں کہ انکی غیرت مردہ ہو چکی ہے۔ انہیں تو یہاں امریکی امداد پر پلنے اور ہم سے لڑنے کی بجائے محاذ جنگ پر اپنے مجاہدین بھائیوں کے ساتھ جہاد میں حصہ لینا چاہیے تھا''۔

چند شر پسند اور استعماری آلہ کار افغان مہاجرین نے پاراچنار کی آبادی پر حملہ کیا تو علامہ سید عارف حسین الحسینی اپنی قوم کے دفاع میں دشمن کے خلاف بانفس نفیس مورچہ بند بھی ہوئے اور ایک شیر دل مجاہد کی طرح دشمن پر پے در پے حملے بھی کئے جس کے نتیجہ میں دشمن کا بھاری جانی نقصان ہوا اور ان کے حملے پسپا ہوئے۔ اسی دوران جنگ میں ایک موقع پر آپ کے بازو پر مارٹر کے گولے کا ٹکڑا لگا جس سے آپ شدید زخمی ہو گئے اور آپ کے ساتھیوں میں بیسیوں افراد نے جام شہادت نوش کیا۔

اپنی صحت یابی کے فوراً بعد آپ ایک ایک شہید کے گھر خود تعزیت کے لئے تشریف لے گئے اور شہداء کے بچوں کے سروں پر اپنا دست شفقت رکھا اور ان کی پرورش اور کفالت کی ذمہ داری کی ادائیگی کیلئے ''شہید فاونڈیشن'' کی بنیاد رکھی۔ آپ نے علمدار فیڈریشن کے اراکین کو سخت تاکید فرمائی کہ وہ اس فریضہ کی انجام دہی میں کوئی کوتاہی نہ برتیں۔ اس ضمن میں ۱۹ ماہ رمضان کو ''شہید فاونڈیشن'' کے زیر اہتمام یوم شہداء منایا گیا جس میں آپ نے امام اوّل حضرت علی علیہ السلام کی مظلومانہ شہادت کو پر جوش انداز میں بیان فرمایا اور اس کے ساتھ ساتھ واضح کیا کہ ''ہمیں آج مظلوم امام سے عزم کرنا ہوگا کہ ہم اپنے ان شہداء کے خون کو کبھی فراموش نہیں کریں گے۔ شہداء اپنی قوم کے محسن ہوتے ہیں اگر یہ محسنین قوم امیر المومنینؑ کی سنت میں اپنے خون کی قربانی نہ دیتے تو آج ہم

یہاں اس طرح عزاداری نہ کر رہے ہوتے''۔

اس موقع پر آپ نے ان شہداء کے یتیم بچوں کو خصوصیت کے ساتھ مدعو کیا ہوا تھا۔ دوران خطاب مجلس میں شہداء کی آویزاں تصاویر اور ان کے نیچے بیٹھے ہوئے ان کے یتیم بچوں کو دیکھ کر آپ بے اختیار اشکبار ہو گئے اور اسی عالم میں فرمایا کہ ''ہمیں چاہئے کہ ہم ان شہداء کی یاد کو تازہ رکھیں، ان کے جذبوں کو سراہیں اور ان کے پسماندگان اور یتیم بچوں کی خلوص دل سے خدمت کریں۔ بالخصوص بچوں کی تعلیم و تربیت میں پوری پوری دلچسپی لیں''۔ آپ نے یتیموں کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا کہ ''اے محسن شہداء کے فرزندوں! یہ نہ سمجھنا کہ آپ بے وارث ہو گئے ہیں۔ انشا اللہ ہم آپ کے احساسات و جذبات اور ضرورتوں پر پورا اتریں گے''۔ آپ کی آنکھوں میں اشک اور لبوں پر سسکیاں تھیں۔ انکا یہ اثر ہوا کہ جونہی آپ سٹیج سے نیچے اترے تو تمام یتیم بچے آپ کے گرد جمع ہو گئے اور آپ کی عبا کو تھام کر اور ہاتھوں کو پکڑ کر چند قدم ساتھ چلتے رہے اور آپ باری باری بچوں کے سر پر ہاتھ رکھتے اور انہیں دلاسہ دیتے رہے۔ چھوٹے یتیموں کا آپ کی عبا کو تھام کر چلنے کا منظر اس قدر رقت انگیز تھا کہ آپ خود بھی روئے اور کچھ رونے والے یتیموں کے اشک بھی صاف کئے اور یوں مجلس میں موجود افراد دھاڑیں مار مار کر رونے لگے۔

آپ نے اپنے اعلیٰ کردار، تقوی اور یتیموں کی نگہبانی کی بناء پر کُرّم ایجنسی میں اپنی قائدانہ صلاحیتوں کا لوہا منوایا۔ جب عوامی حلقے آپ کے حکم پر سر تسلیم خم کرنے لگے تو آپ نے اپنی توجہ وہاں کے ان رسم و رواج پر دی جو شرعی طور پر قطعاً درست نہ تھے۔ اسی کے ساتھ ہی آپ نے معاشرہ میں زہر گھولنے والی برائیوں کے خاتمے کے لئے عملی جدوجہد کا آغاز کیا۔ آپ کے خلوص و محبت اور اسلام سے والہانہ عقیدت کے اثرات عوام پر مرتب ہوئے۔ لوگ آپ کے قریب آ گئے اور پاراچنار میں مروجہ کئی غیر شرعی روایات میں کمی واقع ہوئی۔

☆☆☆☆☆

حکومت اور اس کے اہلکاروں سے مقابلہ

کُرم ایجنسی دیگر قبائلی علاقہ جات کی طرح پاکستان کے اندر ایک آزاد علاقہ ہے جہاں پر پاکستان کے قوانین کا نفاذ نہیں ہوتا بلکہ وہاں سیاسی نظام اور قانون ''مَلک صاحبان'' کا محتاج ہے البتہ مرکزی حکومت کی نمائندگی پولیٹیکل ایجنٹ کرتا ہے جس کے پاس امن وامام بحال رکھنے کے لئے ملیشیاء اور لیوی کے مسلح دستے ہوتے ہیں۔ پولیٹیکل ایجنٹ اس علاقہ کا مختار کل ہوتا ہے اسے حکومت کی طرف سے بے پناہ مراعات حاصل ہوتی ہیں وہ مرکزی حکومت کے فنڈز کو اپنی مرضی کے مطابق خرچ کرتا ہے۔ علاقہ کی ترقی وخوشحالی کی بجائے فنڈز امن وامان کی بحالی اور ''مَلک صاحبان'' کی خوشنودی پر خرچ ہوتے ہیں۔ یہی وجہ ہے وہاں کے ہر معزز شخص کی یہ خواہش ہوتی ہے کہ اس کا شمار بھی ''مَلکوں'' میں ہو اور ہر ''مَلک'' کی خواہش ہوتی ہے کہ وہ تاحیات ''مَلک'' رہے''۔

علامہ سید عارف حسین الحسینی کرم ایجنسی میں بحیثیت قائد ابھر رہے تھے اور آپ کی محبت عوام کے دلوں میں گھر کرتی جارہی تھی۔ اس وقت پولیٹیکل ایجنٹ کی گرفت انتہائی مضبوط اور ''مَلک صاحبان'' کا راج تھا۔

پولیٹیکل ایجنٹ کی سرپرستی میں ایک ''میجنگ کمیٹی'' تشکیل دی گئی تھی جس کے بظاہر مقاصد تو پاراچنار میں نظم نسق کی بہتری تھا مگر پس پردہ وہ ''ملک صاحبان'' کے ذاتی مفادات کے حصول کا گٹھ جوڑ تھا۔ یہ ''میجنگ کمیٹی'' چالیس ملک صاحبان پر مشتمل تھی جو عوام کی فلاح سے بے نیاز ہوکر اہم فیصلے کرتی تھی۔ یہاں تک کہ مذہبی امور بھی انہی کے توسط سے طے پاتے اور بعض اوقات

انتہائی شرمناک معاہدے بھی منظر عام پر آتے تھے۔پس ایسے حالات میں علامہ سید عارف حسین الحسینی اٹھے اور قومی استحصال کے خلاف علم جہاد بلند کیا۔

آپ نے محروم اور مظلوم کو احساس دلایا کہ'' کتنے دکھ کی بات ہے کہ ہمارے مذہبی امور کی سرپرستی بھی حکومت کا نمائندہ کرتا ہے۔کیا ہمیں ہمارا مسلک اس قدر بے حسی اور بے غیرتی کی اجازت دیتا ہے۔آپ کی اس دعوت کو عوام نے بے حد سراہا ہر شخص چاہتا تھا کہ پوری قوم حکومتی نمائندگان اور مخصوص لوگوں کے تسلط سے آزاد ہو مگر وہاں پھیلے ہوئے خوف اور سکوت کو توڑنا آسان نہ تھا۔یہ ذمہ داری سید عارف حسین الحسینی نے اپنے سر لی اور ۱۹۸۳ء میں استحصال کے خلاف تحریک کا اعلان کر دیا۔

آپ کی تحریک کے مقاصد دو قسم کے تھے ایک یہ کہ'' چالیس مَلَک صاحبان'' سے قوم کو چھٹکارہ اور دوسرا'' پولیٹکل ایجنٹ'' کے ظلم و استحصال سے آزادی حاصل کرنا تھا۔آپ نے علم جہاد بلند فرمایا تو لوگ بلا تردد آپ کے لشکر میں شامل ہو گئے۔آپ نے گاؤں گاؤں جلسے کئے عوام کو حکومت اور سامراج کی مذموم پالیسیوں سے آگاہ فرمایا تو آہستہ آہستہ ایک تحریک اٹھ کھڑی ہوئی اور کُرم ایجنسی میں ہل چل مچ گئی۔آپ کو اس تحریک سے دستبردار کرنے کیلئے پولیٹیکل ایجنٹ نے ہر حربہ استعمال کیا یہاں تک کہ ایک کثیر رقم کی بھی پیش کش کی گئی کہ آپ مدرسہ بنوالیں مگر آپ نے اس کی بات سن کر نماز پڑھنا شروع کر دی اور پھر مخصوص لہجے میں فرمایا کہ'' یہاں سے چلے جاؤ اگر تم مہمان نہ ہوتے تو میں تمہاری اس غلیظ سوچ اور حرکت کا جواب ضرور دیتا۔انشا اللہ بہت جلد تمہیں اور تمہارے پالتو'' مَلَک صاحبان'' کو بیدار عوام ہی جواب دیں گے''۔

جہاں ان مَلَک صاحبان پر زمین تنگ ہونے لگی وہاں کُرم ایجنسی کی انتظامیہ بھی آپ کے عزم سے لرز اٹھی۔انہوں نے آپ کی اس تحریک کو دبانے کے لئے وسیع پیمانے پر خوف و ہراس پھیلانے کا منصوبہ بنایا۔جگہ جگہ گرفتاریاں کیں اور مقدمات قائم کئے۔اس صورتحال کے پیش نظر آپ نے قوم کو حوصلہ دیا اور ان مسائل کی سنگینی کے پیش نظر ملکی سطح پر اس مسئلہ کو اٹھانے کا فیصلہ کیا۔ اس ضمن میں آپ پشاور تشریف لائے،وہاں احباب سے صلاح مشورہ کیا اور احباب کے ساتھ ایک

پر ہجوم پریس کانفرنس سے خطاب فرمایا جس میں کھل کر پاراچنار میں ہونے والے ظلم وستم کے خلاف آواز اٹھائی۔ آپ نے ذرائع ابلاغ کے ذریعے حکومت کو متنبہ کیا کہ وہ ان اوچھے ہتھکنڈوں سے باز آئے اور کرم ایجنسی کے عوام کے حقوق سلب کرنے کی کوشش ترک کردے۔ بصورت دیگر وہاں کے عوام مجبور ہوں گے کہ وہ حکومت کے خلاف اٹھ کھڑے ہوں۔

اس پریس کانفرنس کی تفصیل اسی شام بی بی سی سے نشر ہوئی اور اگلے روز بعض ملکی اخبارات میں بھی شائع ہوئی۔ ایک قومی روزنامہ نے اس پریس کانفرنس کی فوٹو شائع کی۔ جس کے نیچے تحریر تھا کہ کُرّم ایجنسی کے چند ملک صاحبان نے علامہ عارف حسین الحسینی کی تحریک کی حمایت کر دی ہے۔ کرم ایجنسی کی تاریخ میں حکومت کے خلاف چلائی جانے والی اس پہلی تحریک نے وہاں کی انتظامیہ کے قدموں تلے زمین نکال دی اور علامہ صاحب کی اس پریس کانفرنس نے نہ صرف مرکزی حکومت اور ملک بھر کے عوام کو حقیقی صورتحال سے آگاہ کیا بلکہ کُرّم ایجنسی کا مسئلہ بین الاقومی سطح پر ابھر کر آیا۔

جب آپ کی تحریک کو بین الاقوامی اہمیت حاصل ہوئی تو آپ اور عوام کے حوصلے مزید مستحکم اور بلند ہو گئے۔ دن گزرتے گئے، تحریک زور پکڑتی گئی۔ جب حکومت کی طرف سے مطالبات تسلیم نہ ہوئے تو آپ نے احتجاجی گرفتاریوں کا اعلان کر دیا اور یوں عوام سڑکوں پر نکل آئے۔ پھر آپ نے ۷۲۔۷۲ کے دستے تشکیل دیئے جس کے پہلے دستہ کا نام ''دستہ حق'' تجویز کیا گیا۔ آپ نے خود بھی اس دستے میں اپنی گرفتاری پیش کرنے کو ترجیح دی۔ آپ کے احباب نے آپ کو مشورہ دیا کہ آپ خود گرفتاری نہ دیں بلکہ تحریک کی پشت پناہی کریں انشا اللہ حکومت عوامی ریلے کے آگے کوئی بند نہ باندھ سکے گی اور گرفتاریوں سے جیلیں بھر جائیں گی۔ آپ نے اس بات کو تسلیم نہ کیا اور اپنی گرفتاری دے دی جس کے نتیجے میں عوامی جذبات کے شعلے بھڑک اٹھے اور وسیع پیمانے پر گرفتاریاں پیش کی گئیں۔ حکومت نے سینکڑوں افراد کو گرفتار کر کے ڈیرہ اسماعیل خان، ہری پور اور پشاور جیل بھیج دیا۔ جبکہ آپ اور آپ کے قریبی رفیق حاجی کمال حسین کو پاراچنار کے قلعہ میں نظر بند کیا گیا۔ آپ کو ایک ایسے تنگ و تاریک کمرہ میں رکھا گیا۔ جس میں ہوا کا گزر بھی مشکل تھا۔

حاجی کمال حسین نے بتایا کہ علامہ سید عارف حسین الحسینی نے انہیں یہاں یادگار درس دیا۔ جس کے الفاظ کچھ یوں تھے ''حاجی کمال حسین اٹھو نماز شکر ادا کریں کہ خدا نے ہمیں اپنے آئمہ کی سیرت پر چلنے کا موقع عطا فرمایا ہے''

زندان میں آپ شب و روز عبادت میں مصروف رہتے، گریہ کرتے اور روزہ سے رہتے۔ ایک دن حاجی کمال حسین کو نیند آ گئی تو آپ نے وہاں پر موجود گتے کے ٹکڑے سے انہیں ہوا پہچانا شروع کر دی۔ اس دوران آپ نے وہاں موجود دیگر قیدیوں کو بھی دروس دینا شروع کر دیئے اور انہیں زندان میں سیرت آئمہ سے روشناس فرمایا۔

ایک دن کسی مومن نے اپنے گھر سے جیل میں آپ کو کھانے کے ساتھ فرنی (کسٹرڈ) بھجوائی۔ حاجی کمال حسین نے فرنی کا ذائقہ چکھا تو بے حد لذیذ تھی انہوں نے تعریف کی تو آپ نے بھی ایک چمچ لیا۔ فرنی کی لذت محسوس ہوئی تو آپ نے حاجی کمال حسین سے فرمایا ''اگر اجازت ہو تو یہ فرنی ہم اپنے قیدی بھائیوں کو دے دیں اور یوں آپ نے پیالہ اٹھا کر قیدیوں کو دے دیا''۔

آپ کی نظر بندی کے باوجود احتجاجی تحریک روز بروز بڑھتی گئی۔ جیسا کہ آپ نے اپنی گرفتاری کے وقت اپنے احباب سے کہا تھا کہ ''ہماری تحریک اس قدر مضبوط ہو چکی ہے جس میں شگاف پڑنے کے امکانات ختم ہو چکے ہیں''۔ آخر کار حکومت آپ سے مذاکرات کرنے پر مجبور ہوئی۔ ان مذاکرات کے نتیجہ میں بہت سے مطالبات تسلیم کر لئے گئے۔ ''مینجنگ کمیٹی'' کو توڑ دیا گیا، چالیس ''ملک صاحبان کے اثر رسوخ کو ختم کر دیا گیا۔ تمام قومی اور مذہبی امور میں سرکاری مداخلت ختم کر دینے کا وعدہ کیا گیا اور انتظامی معاملات کو حقیقی عوامی نمائندوں کے مشورہ سے طے کرنے کا فیصلہ کیا گیا۔

مذاکرات کی کامیابی کے بعد جب آپ کی رہائی کا حکم آیا تو اس وقت اپنے برادر قیدیوں کو درس دینے میں مشغول تھے۔ رہائی کا حکم پڑھ کر آپ نے انتظامیہ سے کہا کہ ہمارے درس کا سلسلہ آج شام کو مکمل ہوگا۔ لہذا ہم ابھی رہا ہونے کی بجائے جیل سے شام کو رخصت ہوں گے۔ اسی سہ پہر رہائی سے قبل آپ نے جیل کی انتظامیہ کے افراد سے ایک پر تاثیر گفتگو کی اور ان کے دل موہ

لئے۔آپ نے انہیں تاکید فرمائی کہ ''قیدی مجبور اور محکوم ہوتے ہیں آپ کسی طور بھی ان کے لئے اذیت کا سبب نہ بنیں، بلکہ ہمیشہ ان سے ہمدردی اور خلوص سے پیش آئیں۔آپ اور وہ ایک قوم ہیں خدا نے آپ کو عزت دینے کے ساتھ ساتھ ذمہ داری بھی سونپی ہے لہذا آپ ہر ممکن کوشش کریں کہ آپ کے یہ بھائی آپ سے متاثر ہو کر معاشرہ کا مفید حصہ بن سکیں''۔

آپ کی رہائی کے وقت لوگوں کے جم غفیر نے آپ کا فقید المثال استقبال کیا۔اس تحریک کی کامیابی کے نتیجے میں آپ کی قیادت اُبھر کر سامنے آئی اور اس کی بازگشت حکومت کے ایوانوں میں سنی جانے لگی۔ایک عرصہ بعد کُرّم ایجنسی کے اسسٹنٹ پولیٹیکل ایجنٹ نے ایک محفل میں ذکر کیا کہ جب صوبہ سرحد کے گورنر کو علامہ سید عارف حسین الحسینی کے پختہ کردار، تقوی اور عوامی مقبولیت کے بارے میں رپورٹ پیش کی گئی تو انہوں نے پولیٹیکل ایجنٹ کو باقاعدہ ہدایت جاری کی کہ آئندہ اس شخصیت سے تصادم کرنے میں محتاط رہیں۔

☆☆☆☆☆

فلاحی امور میں دلچسپی

تحریک کی عظیم کامیابی کے بعد آپ نے اپنی ذمہ داریوں میں اضافہ کرتے ہوئے علمدار فیڈریشن کے نوجوانوں کو تلقین فرمائی کہ ''گرم ایجنسی بالخصوص پاراچنار میں فلاہی کاموں کا آغاز کریں۔نشہ جوایک لعنت ہےاور ہیروئن کا بڑھتا ہوا زہر جومعاشرے کا ناسور بنتا جارہا ہے اس کوحتماً ختم کریں۔اس مشن کی تکمیل کے لئے آپ نے گہری دلچسپی سے کام کیا۔فلاحی ہسپتال تعمیر کروایا اور مختلف دیہاتوں میں نشہ میں مبتلا نوجوانوں کے علاج معالجہ کے لئے ضروری سہولتوں کا اہتمام کیا۔

معاشرے کونشہ اور دیگر برائیوں سے آزاد کرنے کی جدوجہد کے ساتھ ساتھ آپ نے اپنے عوام کی غربت وافلاس کے خاتمے کے لئے ایک جامع پروگرام تشکیل دیا۔جس کے تحت مقامی ''بیت المال'' کا قیام کیااور وہاں مقامی اور غیر ممالک میں کام کرنے والے مخیّر حضرات سے عطیات کی اپیل کی۔جس کے نتیجے میں آپ پر اعتماد کرتے ہوئے لوگوں نے دل کھول کر مالی امداد کی۔ان وسائل کی دستیابی کے بعد آپ نے علاقہ میں بیواؤں،یتیموں اور دیگر مفلوک الحال افراد کی ماہانہ امداد کا ایک منظم پروگرام ترتیب دیا اوراس کے علاوہ غریب بچوں کے لئے وظائف اور مفلس خاندانوں کی بیٹیوں کے لئے شادی بیاہ کے سلسلے میں بھی خصوصی اہتمام کیا۔

دکھی انسانیت کے درد سے آشنائی اوران سے ہمدردی آپ کے دل میں کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔آپ کے قریبی شاگرد آج بھی بتاتے ہیں کہ علامہ سید عارف حسین الحسینیؒ رات کی تاریکی میں اپنے شاگرد کو ساتھ لے جاتے اور پاراچنار کے مستضعف اور فاقہ کش لوگوں کے دروازوں پر آٹا، چاول، گھی اور رقم پہنچاتے۔اکثر اپنے شاگرد کو تاکید کرتے کہ وہ اس بات کا کسی کے سامنے اظہار

نہ کرے۔ایک مرتبہ آپ کے معاون شاگرد نے آپ سے عرض کی ''آپ استفسار کے باوجود بھی اپنا تعارف نہیں کراتے صرف ضرورتمندوں کے دروازوں پر ضروریات زندگی چھوڑ آتے ہیں''۔ تو آپ نے واقعہ نقل فرمایا'' کہ حضرت علی علیہ السلام خلیفہ وقت ہونے کے باوجود کوفہ کے قریبی احاڑ میں ایک نابینے شخص کی چھونپڑی میں باقاعدگی سے جاتے۔ اسے کھانا کھلاتے، پانی پلاتے ،جھونپڑی کی صفائی کرتے اور واپس آجاتے تھے۔۲۲ رمضان المبارک کو جب ایک مسافر کا اُسی راہ سے گزر ہوا تو وہ نابینا بین کررہا تھا''اے میرے محسن میں تیسرے دن سے بھوکا و پیاسا ہوں تو کہاں گیا ہے؟ تجھے کچھ ہوتو نہیں گیا؟ آجا، آجا، آجا میں بھوکا ہوں میں پیاسا ہوں''اسے کیا خبر تھی کہ ۱۹ رمضان المبارک کی شب اُس کا محسن مسجد کوفہ میں زخمی ہوا اور ۲۱ رمضان المبارک کو اس دنیا کو الوداع کر کے ہمیشہ کے لئے چلا گیا۔آپ یہ واقعہ نقل کرتے ہی اشکبار ہو گئے اور فرمایا مجھے اپنے آباؤاجداد کی سنت ادا کرنے سے تسکین ہوتی ہے۔

آپ کے اجتماعی کردار، انقلابی فکر، فلاحی سوچ اور اپنی ملت سے حقیقی لگاؤ نے عوام کو آپ کا گرویدہ کردیا جس کے نتیجے میں کرّم ایجنسی کے عوام ہر انفرادی اور قبائلی مسئلہ کے حل کے لئے آپ کی طرف رجوع کرنے لگے۔ جہاں کرّم ایجنسی کے عوام کی تقدیر بدلنے لگی وہاں اہل پشاور بھی بیدار ہونے لگے۔ایک مرتبہ ایرانی وزیر خارجہ آقای ولایتی پشاور آئے تو سید عارف حسین الحسینی نے کُرّم ایجنسی کے ہزاروں عوام کے ساتھ ان کا فقید المثال استقبال کیا۔اس موقع پر اہل پشاور کے ایک اہم وفد نے آقای ولایتی سے مطالبہ کیا کہ وہ سید عارف حسین الحسینی کو امام خمینیؒ کا نمائندہ بنائیں اور انہیں مجبور رکریں کہ وہ پشاور میں تشریف لا کر یہاں کی ذمہ داریاں قبول کریں تا کہ صوبہ سرحد کے دارالخلافہ سے اسلامی انقلاب کی صحیح معنوں میں ترویج ہو سکے اور ملت اسلامیہ کو ایک جری لیڈر میسر ہو۔

آقای ولایتی نے جب سید عارف حسین الحسینی سے اہل پشاور کے مطالبے کا ذکر کیا تو آپ نے فرمایا۔''ابھی تک کرّم ایجنسی کے حالات انتہائی دگرگوں ہیں، ہماری حکومت اور غیر ملکی ادارے وہاں ہمارے خلاف سازشوں میں مصروف ہیں، ہماری سرحد افغانستان کی جنگ سے متاثر

ہے لہذا ایسے میں میرا پشاور رہنا انتہائی مشکل ہے۔ البتہ جب بھی میں فرصت محسوس کرتا ہوں پشاور آتا ہوں اور اپنی استطاعت کے مطابق یہاں خدمات سرانجام دیتا رہتا ہوں اور انشا اللہ دیتا رہوں گا''

آپ نے پاراچنار میں ایک معیاری ہسپتال اور تعلیمی ادارہ (پبلک اسکول) قائم کرنے کا منصوبہ تیار کیا۔ ہسپتال کے لئے ڈاکٹر عابد حسین نے گراں قدر خدمات سرانجام دیں اور پبلک اسکولوں کے لئے پاراچنار کی عوام نے وسیع اراضی خرید کر آپ کو پیش کی۔ آپ کے یہ منصوبے ابھی زیر تکمیل ہیں۔

☆☆☆☆☆

تحریک نفاذ فقہ جعفریہ پاکستان کا قیام

جولائی ۱۹۷۷ء میں ذوالفقار علی بھٹو کی اقتدار سے اچانک معزولی اور جنرل محمد ضیاء الحق کے مارشل لاء نے ملک میں عجیب کیفیت پیدا کردی۔ پاکستان قومی اتحاد کی جدوجہد کے باعث ملک میں موجود مذہبی احساسات کے پیش نظر ضیاء الحق نے اسلامی نظام کی حامی بھر لی۔ ابتدائی مرحلہ میں حکومت نے تمام مکاتب فکر کو اعتماد میں لینے کے لئے اسلامی نظریاتی کونسل تشکیل دی جس میں ملت جعفریہ پاکستان کے دو نمائندگان علامہ مفتی جعفر حسین مرحوم اور علامہ رضی صاحب اس کونسل کے ارکان منتخب ہوئے۔

ملک میں تیزی سے بدلتے ہوئے حالات اور تقاضوں کو مدنظر رکھتے ہوے ملت جعفریہ کے زعماء نے قوم کو اعتماد میں لینے اور اپنی جد جہد کے آغاز کے لئے ۱۲ اپریل ۱۹۷۸ء کو ضلع بھکر میں ایک ملک گیر قومی کنونشن منعقد کیا جس میں ملک کے کونہ کونہ، کشمیر اور شمالی علاقہ جات سے لاکھوں افراد نے شرکت کی، دور دراز علاقوں سے بھکر کے ریگستانوں میں آنے والے افراد اس بات کی ترجمانی کر رہے تھے کہ ملک کے موجودہ حالات اور حکمرانوں کے ارادوں کو وہ برداشت نہیں کر سکتے تاوقتیکہ انہیں اپنے حقوق کا تحفظ حاصل نہ ہو۔

اس موقع پر شیعہ اکابرین نے فیصلہ کیا کہ ضیاء الحق کے مجوزہ نظام اور عزائم کے خلاف ایک تحریک چلائی جائے جو ملک و ملت کے تقاضوں کا احترام کرتے ہوئے ملت جعفریہ کے حقوق کے تحفظ کے لئے کام کرے، نیز بکھری ہوئی اس قوم کو ایک نظریاتی پلیٹ فارم عطا کیا جائے جو انہیں ایک لڑی میں پرو کر ان کے تشخص کا ضامن بنے۔ یہ احساس ایک نظریہ بنا اور ''تحریک نفاذ فقہ جعفریہ پاکستان کو وجود عطا کر

گیا۔

تحریک نفاذ فقہ جعفریہ پاکستان کے قیام کا اعلان سنتے ہی جنرل محمد ضیاء الحق نے اپنے ایک قریبی رفیق سے کہا کہ "یہ اچھا نہیں ہوا ہمارے چند احباب کے رویہ اور دباؤ کے رد عمل نے ایک بکھری قوم کو پلیٹ فارم عطا کر دیا ہے جو مستقبل قریب میں ہماری مشکلات میں اضافہ کا باعث بنے گا"۔

☆☆☆☆☆

۶ جولائی ۱۹۸۰ کا تاریخ ساز شیعہ کنونشن

اور معاہدہ اسلام آباد

علامہ مفتی جعفر حسین اور انکے رفقاء تحریک کے استحکام اور درپیش مسائل کے متعلق لائحہ عمل تیار کرنے میں مصروف تھے کہ ۲۰ جون ۱۹۸۰ء کو ضیاء الحق نے زکوۃ اور عشر آرڈیننس جاری کر دیا۔

یہاں اس بات کا تذکرہ بھی بے حد ضروری ہے کہ ۹ اپریل ۱۹۸۰ء کو عراق کی صدامی حکومت نے عالم اسلام کے بلند پایہ مفکر آیت اللہ العظمیٰ سید باقر الصدر اور ان کی ہمشیرہ معظّمہ سیدہ آمنہ بنت الہدی کو انتہائی بے دردی سے شہید کر دیا تھا۔ جس کے ردعمل میں پورے عالم اسلام میں غم وغصہ کی ایک لہر پھیل گئی تھی۔ اسی سلسلہ میں پاکستان میں بھی ہیئت علماء امامیہ راولپنڈی اسلام آباد اور علامہ صفدر حسین نجفی مرحوم نے ایک اہم نشست میں صدام کے سفاکانہ اقدامات کے خلاف ۴ جولائی کو اسلام آباد میں ایک احتجاجی اجتماع کا پروگرام تشکیل دیا۔ اس پروگرام کی تیاریاں شروع تھیں کہ اچانک ضیاء الحق کی حکومت نے زکوٰۃ وعشر آرڈیننس کا نفاذ کر دیا۔ جس کے بعد علامہ مفتی جعفر حسین مرحوم نے پہلے سے طے شدہ پروگرم کی ہیئت بدل کر ۴ جولائی کو اسلام آباد میں ایک شیعہ قومی کنونشن کا اعلان کر دیا۔

ملک بھر میں علاّمہ مفتی جعفر حسین مرحوم کے اس فیصلہ کا خیر مقدم کیا گیا۔ جہاں ملک کے تمام صوبہ جات میں اس کنونشن میں شرکت کے لئے ایک عوامی لہر اٹھی وہاں کرّم ایجنسی پاراچنار میں بھی کنونشن کو کامیاب بنانے کے لئے نوجوان عالم دین علامہ سید عارف حسین الحسینی نے بے پناہ کام

کیااور قائد کے پیغام کوقریہ قریہ تک پہنچایا۔

علامہ مفتی جعفر حسین مرحوم کے اس اعلان اور ملک میں اٹھنے والی شیعہ تحریک نے ضیاء الحق کوازحد پریشان کردیا جس کے ازالہ کے لئے اس نے ۲ جولائی کے روز چند روایتی شیعہ رہنماؤں (جن کا تحریک کے ساتھ دور کا تعلق بھی نہیں تھا) سے ملاقات کی اور تمام شیعہ مطالبات تسلیم کر لینے کا اعلان کیا۔ دراصل یہ سب کچھ قومی کنونشن کے سبوتاژ کرنے کی سازش تھی جسے قائدین تحریک نے قبول نہ کیا بلکہ اسے حکومت کی روایتی مکاری قرار دیا۔

۴ جولائی ۱۹۸۰ء کو سورج طلوع ہوا تو اس نے ملک بھر سے اسلام آباد کی طرف رواں دواں قافلوں کا منظر دیکھا لاکھوں کی تعداد میں شیعہ حضرات نے اسلام آباد کی سرزمین پر اکٹھے ہوکر قائد سے وابستگی کا اظہار کردیا۔

حکومت نے آخر وقت تک یہ کوشش کی کہ یہ اجتماع اسلام آباد میں منعقد نہ ہونے پائے بلکہ انہوں نے ایک مرحلہ پر کنونشن کو لیاقت باغ راولپنڈی میں منتقل کرنے کی استدعا کی اور ساتھ ہی ایسے نہ کرنے پر لاء اینڈ آرڈر کے بہانے کے تحت شدید مزاحمت اور جانی نقصان ہونے کا عندیہ دیا۔

۴ جولائی اور ۵ جولائی کی درمیانی شب مرکزی امام بارگاہ اسلام آباد میں قائدین تحریک کا ایک اجلاس ہوا جس میں مزید لائحہ عمل کی تشکیل پر طویل بحث ہوئی۔ یہاں بعض احباب نے اس اندیشہ کا اظہار بھی کیا کہ اگر جانی نقصان ہوا تو کون ذمہ دار ہوگا''۔ اجلاس کی اس سراسیمگی میں بزرگ عالم دین علامہ سید گلاب علی شاہ ملتان اٹھے اور انہوں نے گرجدار آواز میں فرمایا کہ ''اسلام میں اگر کوئی شخص اپنی جان و مال یا ناموس کا تحفظ کرتے ہوئے مارا جائے تو وہ شہید شمار ہوتا ہے لہذا مذہب حق کا تحفظ کرتے ہوئے قربان ہوجانا بھی اعلیٰ درجے کی شہادت ہے''۔

انہی خیالات کی تائید مولانا شیخ غلام حسین بلتستانی نے بھی کی۔ اسی دوران میں علامہ عارف حسین الحسینیؒ نے نہ صرف تائید کی بلکہ اس موقف کو ایسے منفرد انداز میں پیش کیا کہ شرکاء اجلاس کے لئے مزید بحث کی گنجائش نہ رہی۔ آخر کار یہ فیصلہ ہوا کہ اس کنونشن کو کسی طور اسلام آباد

سے باہر منتقل نہیں کیا جائے گا اور مطالبات کے تسلیم ہونے تک یہ احتجاج جاری رہے گا۔

اس نازک مرحلہ پر ڈاکٹر محمد علی نقوی ؒ شہید نے ولولہ انگیز کردار ادا کیا۔ مرکزی امام بارگاہ میں موجود مومنین سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا ''اے علم عباس اٹھانے والو....! اُٹھو کہ اس پنڈال کی حفاظت آپ کے ذمہ ہے۔ ایک ایک بانس پرچم عباس کی عظمت کا مظہر ہے۔ اٹھو کہ جان چلی جائے مگر حکومت کے کارندے بانس نہ اکھیڑ سکیں''

اگلی صبح ہا کی گراونڈ اسلام آباد میں ایک عظیم الشان احتجاجی جلسہ ہوا جس میں علمائے کرام نے شہید باقر الصدر اور انکی ہمشیرہ کی مظلومانہ شہادت پر روشنی ڈالی اور صدامی حکومت کے ظلم و بربریت کے خلاف صدائے احتجاج بلند کی اور ساتھ ہی ضیاء الحق کی حکومت کو بھی اپنے مطالبات کی روشنی میں للکارا۔

احتجاجی سلسلہ کو طول دیتے ہوئے علامہ مفتی جعفر حسین مرحوم کی قیادت میں اسلام آباد کی شاہراہوں پر ایک بہت بڑا جلوس نکالا گیا جس میں دیگر علماء کے علاوہ علامہ سید عارف حسین الحسینی کی کیفیت دیدنی تھی۔ آپ بیک وقت جلوس میں شامل بھی تھے اور جلوس کا نظام سنبھالنے والے نوجوانوں کے ساتھ شریک کار بھی۔ ایک شاہراہ پر جب احتجاجی کارواں کے ایک نوجوان نے ڈنڈے سے شاہراہ پر نصب بلب کو نقصان پہنچایا تو آپ نے اس کا بازو پکڑتے ہوئے فرمایا ''عزیز بھائی اس بلب کا کیا قصور تھا یہ تو ہمارے فائدے کے لئے ہے ہمارا احتجاج ان کے خلاف ہے جو ہمارے مفادات کے مخالف ہیں آپ مہذب قوم کے نوجوان ہیں لہذا ہر قدم پر اپنی قوم کا تقدس مدنظر رکھیں''۔

احتجاج کا سلسلہ جاری تھا کہ تین بجے سہ پہر علامہ مفتی جعفر حسین کو وفاقی وزیر مذہبی امور محمود ہارون کی مذاکراتی دعوت پہنچائی گئی جس کے بعد آپ علماء وفد سمیت مذاکرات کیلئے تشریف لے گئے مگر مذاکرات بے سود رہے، جس کے بعد علماء کا یہ وفد اپنے قائد کے ساتھ واپس عوام کے پاس آیا جہاں علامہ مفتی جعفر حسین نے ایک مختصر خطاب کے دوران شرکاء کو سیکرٹریٹ کی جانب مارچ کرنے اور مطالبات کی منظوری تک اپنے حصار میں رکھنے کا حکم دیا۔ قائد کے حکم کی تعمیل کرتے

ہوئے شیعہ حضرات نے مرکزی سیکریٹریٹ کو مکمل قبضہ میں لے لیا جو تاریخ میں اپنی نوعیت کا ایک اہم واقعہ تھا۔

جلسہ گاہ سے سیکریٹریٹ کی طرف مارچ کے دوران علامہ سید عارف حسین الحسینی نوجوانوں کی ایک بڑی تعداد لے کر عراقی سفارتخانہ کے سامنے پہنچے اور وہاں شہید سید باقر الصدر اور انکی ہمشیرہ معظّمہ کی مظلومانہ شہادت پر صدامی مظالم کے خلاف شدید احتجاجی ماتم کیا۔

سکریٹریٹ اور عراقی سفارتخانے کی طرف مزید نوجوانوں کی پیش قدمی کو روکتے ہوئے پولیس نے آنسو گیس کا بے پناہ استعمال اور فائرنگ کی جس کے نتیجے میں تحصیل شورکوٹ سے تعلق رکھنے والے ایک نوجوان محمد حسین شاد شہید ہو گئے اور یوں انہیں تحریک نفاذ فقہ جعفریہ کا پہلا شہید ہونے کا شرف حاصل ہوا۔ اور ان کے خون سے ان کے کفن سے بچے ہوئے ایک کپڑے پر تحریر کیا گیا۔ ''شہید کی جو موت ہے وہ قوم کی حیات ہے''۔

تمام تر رکاوٹوں اور مسائل کے باوجود شیعہ حضرات نے شام کے وقت سیکریٹریٹ کے گرد اپنا حصار مضبوط کر لیا تو علامہ عارف حسین الحسینی نے پاراچنار کے نوجوانوں کو حکم دیا کہ وہ سیکریٹریٹ پر اپنی گرفت مضبوط رکھیں اور اپنے قائد مفتی جعفر حسین کے فیصلوں کی تعمیل کرتے رہیں۔ آپ خود بھی قائدین اور نوجوانوں سے مربوط رہے اور صورتحال سے آگاہ کرتے رہے۔

۵ اور ۶ جولائی کی رات ایک طرف فوج نے احتجاجی شرکاء کے گرد دائرے تنگ کرنا شروع کر دیئے، مصدقہ اطلاعات کے مطابق اسلام آباد کے سرکاری ہسپتالوں میں کئی وارڈ خالی کروا لئے گئے اور ایمبولینس کو الرٹ کر دیا گیا جبکہ دوسری جانب طوفانی بارش نے لاکھوں افراد کو بے حال کر دیا۔ ان نامساعدہ حالات میں بھی کسی فرد کے پایہ استقلال میں لغزش نہ آئی نہ کسی مرحلہ پر محاصرہ کمزور ہوا۔

خفیہ اداروں کی شیعہ اجتماع کے جذبہ کے متعلق موصولہ اطلاعات اور وزیر مذہبی امور سے بات چیت کے بعد ضیاء الحق پر صورتحال واضح ہوئی تو اس نے چھ جولائی کے روز تحریک کے قائدین کو مذاکرات کی دعوت دی۔ صدر سے مذاکرات کے لئے علامہ سید صفدر حسین نجفی، علامہ سید گلاب

علی شاہ صاحب اور کرنل فدا حسین پر مشتمل ایک وفد علامہ مفتی جعفر حسین کے زیر قیادت ''پریزیڈنٹ ہاوس'' گیا جہاں مذاکرات کے بعد صدر ضیاء الحق کی جانب سے کسی قوم کے ساتھ یہ پہلا تحریری معاہدہ تھا جو ''معاہدہ اسلام آباد'' کے نام سے معروف ہوا۔

معاہدہ کے بعد اس اعلیٰ وفد نے اپنی قوم کو مبارکباد دی اور علامہ مفتی جعفر حسین نے مختصر خطاب میں قوم کے حوصلوں اور اعتماد کو سراہا اور انہیں مذاکرات کی صورتحال سے آگاہ فرمایا۔ اسی کے ساتھ ہی پرامن طور پر منتشر ہونے کا حکم بھی دیا۔ جس کے بعد لاکھوں افراد ''شہید فقہ جعفریہ خون تیرا رنگ لایا ہے'' کا نعرہ لگاتے ہوئے سیکریٹریٹ سے واپس چل پڑے۔

اس حقیقت کا اظہار اور اعتراف لازم ہے کہ اس عظیم الشان قومی کنونشن کے دوران امامیہ اسٹوڈنٹس آرگنائزیشن پاکستان کے اراکین کی کارکردگی پوری ملت کے لئے باعث افتخار تھی۔ انہوں نے جس لگن اور متانت سے ساتھ کنونشن کے انتظامات، علماء کا تحفظ اور قائد سے وابستگی کے فرائض کو ادا کیا وہ ملت جعفریہ کی تاریخ کا ایک روشن باب ہے۔

یہ وہ لمحات تھے جب عوام شناس علامہ عارف حسین الحسینی کے دل میں آئی۔ایس۔او کی محبت نے جنم لیا اور کنونشن کے بعد انہوں نے آئی۔ایس۔او کے نوجوانوں کو گلے لگا کر پیار کیا اور دعائیں دیتے ہوئے فرمایا'' آپ لوگ پاراچنار کا دورہ کریں اور ہمیں شرف میزبانی بخشیں۔ آپ نوجوانوں کی زحمات اور مجاہدانہ انداز نے مجھے اس قدر متاثر کیا ہے کہ آپ لوگوں کی خدمت اور مہمان نوازی میرے لئے باعث افتخار ہوگی''۔

وقت کے تقاضوں کو مدنظر رکھتے ہوئے علامہ عارف حسین الحسینی نے اپنے آپ کو تحریک نفاذ فقہ جعفریہ سے مربوط کرلیا اور سپریم کونسل کے رکن نامزد کئے گئے۔ آپ نے علامہ مفتی جعفر حسین مرحوم کا کرّم ایجنسی میں فقید المثال استقبال کروایا، جو کرّم ایجنسی کی تاریخ کا بہت بڑا استقبال تھا۔ آپ نے علامہ مفتی جعفر حسین کا استقبال کر کے کرّم ایجنسی میں تحریک کو مزید مضبوط کر لیا اور تحریک کے امور میں خصوصی دلچسپی لینا شروع کردی۔ آپ تحریک کے ہر اجلاس میں باقاعدگی سے شریک ہوئے اور ہر موقع پر اپنی رائے کا بے باک اظہار فرمایا۔

علامہ مفتی جعفر حسین کی وفات

اور مسئلہ قیادت

علامہ مفتی جعفر حسین اعلی اللہ مقامہ نے اپنی ضعیفی کے باوجود نہ صرف ملک بھر کے دورہ جات کیئے بلکہ تحریک کی ترقی ،اس کے اداروں کے استحکام اور ملت کے مستقبل کیلئے اس تندی سے کام کیا کہ آپ کی صحت متاثر ہونے لگی اور خراب سے خراب تر ہوتی چلی گئی۔

یہ کہنا بجا ہوگا کہ پاکستان میں دو قائدین نے اپنی قوم کے لئے دن رات کام کر کے اپنی صحت کو یہاں تک گنوایا کہ موت کی گود میں چلے گئے ایک بانی پاکستان حضرت قائداعظم محمد علی جناح اور دوسرے بانی تحریک نفاذ فقہ جعفریہ پاکستان حضرت علامہ مفتی جعفر حسینؒ تھے۔

آپ زندگی کے آخری ایام میں شدید بیمار ہو گئے ۔آپ کا گوجرانولہ اور میو ہسپتال لاہور میں ابتدائی علاج کروایا گیا مگر ماہر ڈاکٹروں نے لندن جانے کا مشورہ دیا۔ اسی دوران حکومت پاکستان نے لندن بھیجنے اور تمام تر اخراجات برداشت کرنے کی پیش کش کی جسے آپ نے شکریئے کے ساتھ لوٹا دیا۔لندن میں ''ایملڈن'' اور ''کرام ویل'' ہسپتال میں آپ کا علاج کرایا گیا مگر کوئی تدبیر راس نہ آئی۔ آپ چنداں وجوہات کی بنا پر واپس میو ہسپتال لاہور آئے تو بریگیڈیئر منظور ملک عیادت کے لئے آئے اور پھولوں کا گلدستہ پیش کیا تو مفتی صاحب نے فرمایا ''گورنر صاحب کے ذریعہ سے میرا یہ پیغام صدر مملکت تک پہنچا دیں کہ وہ کراچی اور پاراچنار کے حالات کو درست کریں اور ہمارے ساتھ جو معاہدہ کیا ہے اس پر عمل پیرا ہوں''۔

قومی درد بڑھنے لگا تو مرض کی شدت میں بھی اضافہ ہوا۔شمع حیات کی لو تھرتھرانے لگی اور قوم کی تدبیریں ،تقدیر کے آگے سرنگوں ہونے لگیں ۔قوم کی دعائیں مستجاب نہ ہوئیں تو چار سو اندھیرا محسوس ہونے

لگااور ایسے میں ۲۹ اگست ۱۹۸۳ء کو ساڑھے پانچ بجے شام قائد ملت جعفریہ پاکستان انتقال فرما گئے۔

اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ

قائد کی جدائی کی خبر چشم زدن میں جنگل کی آگ کی طرح ملک بھر میں پھیل گئی اور انہیں ہزاروں سوگواران کی آہوں اور سسکیوں کے روح فرسا مناظر میں کربلا گامے شاہ لاہور میں دفن کر دیا گیا۔

مفتی جعفر حسین مرحوم کی وفات کے بعد ان کے جانشین کے انتخاب کے لئے تحریک کی مرکزی کونسل کا قیام ضروری تھا لیکن اس قومی سانحہ کا جلدی سنبھل جانا آسان نہ تھا اور نہ جلد بازی کا کوئی فیصلہ قوم کیلئے سودمند ہوسکتا تھا، نزاکتوں کا احترام کرتے کرتے اکابرین ملت کو کافی دن لگ گئے چنانچہ اسی وقفہ ماتم میں دشمنوں کو اپنی دیرینہ سازشوں کی تکمیل کا موقع مل گیا اور اس فرصت سے استفادہ کرتے ہوئے راولپنڈی کے معززین کی ایک میٹنگ بلائی گئی جس میں طے ہوا کہ اس خطے کے مومنین مولانا سید حامد علی شاہ موسوی صاحب کا نام قیادت کیلئے پیش کریں گے اور ایک سازش کے تحت ان کو قائد ملت جعفریہ کا عنوان دے دیا گیا، اس سازش کا مقصد ملت جعفریہ پاکستان کے اتحاد کو پارہ پارہ کرنا اور اسلام آباد کنونشن ۱۹۸۰ء میں شیعیوں کو ملنے والی کامیابی کا بدلہ لینا تھا۔ اس جعلی قیادت کو متعارف کرانے میں اور سارا پلان تیار کرنے میں مخصوص اداروں کے افراد اور اعلیٰ فوجی افسران کا اہم کردار تھا جبکہ ذاکرین اور ملت تشیع کے بعض مخلص افراد کی آنکھوں میں دھول جھونکی گئی۔

آخر کار مولانا سید حامد علی شاہ موسوی کی قیادت کو دستوری رنگ دینے کیلئے ۱۰ فروری ۱۹۸۴ء کو (دینہ) میں عوامی کنونشن بلایا گیا، اس کنونشن میں عوام کو لانے کیلئے خصوصی ٹرین چلائی گئی اور موسوی صاحب کی قیادت کا ریڈیو اور ٹیلی ویژن پر بھی اعلان کیا گیا۔

دوسری طرف مفتی صاحب کی وفات کے بعد مسئلہ اصولی قیادت اور ان کے دستوری جانشین کا تھا، اس کیلئے جو اقدامات اٹھائے گئے وہ یہ ہیں:

☆ ۱۱۸ اکتوبر ۱۹۸۳ کو سرگودھا میں مجلس عاملہ کا اجلاس ہوا۔

☆ مرکزی کونسل کے قیام کیلئے مجلس عاملہ کے پانچ اراکین کو منتخب کیا گیا۔

☆ آغاز ہی میں دو معزز اراکین علامہ حسین جاڑا اور سید امداد حسین شاہ ایڈوکیٹ نے دورہ جات سے معذوری ظاہر کردی۔

☆ علامہ محمد حسین ڈھکو، علامہ حافظ سید ریاض حسین نجفی اور سید وزارت حسین نقوی نے صوبہ بلوچستان اور سندھ کا دورہ کر کے مرکزی کونسل کا انتخاب کیا۔

☆ صوبہ سرحد اور پنجاب کے دورہ جات میں علامہ ریاض حسین نجفی صاحب کے معذرت کر لینے کے بعد علامہ محمد حسین ڈھکو اور سید وزارت حسین نقوی کو مذکورہ صوبوں میں اپنی ذمہ داریاں ادا کرنی پڑیں۔

☆ ۱۹ جنوری ۱۹۸۴ء کو اکابرین قوم اور علماء کا جامعۃ المنتظر لاہور میں اجلاس ہوا جس کا مرکزی کونسل کے اجلاس میں فیصلہ کیا گیا لہذا اس دن سید وزارت حسین نقوی نے ہوٹل (الارڈ) میں پریس کانفرنس میں اعلان کیا کہ تحریک نفاذ فقہ جعفریہ کی مرکزی کونسل کا قیام عمل میں آچکا ہے، جس کا ۱۰ فروری ۱۹۸۴ کو بھکر میں اہم اجلاس ہوگا اور وہاں پر ملت جعفریہ کے قائد کا انتخاب کیا جائیگا۔

☆ ۹ فروری ۱۹۸۴ء کی شام تحریک کی سپریم کا باقاعدہ اجلاس مدرسہ باقر العلوم کوٹلہ جام ضلع بھکر میں ہوا جس میں قیادت کیلئے مفتی سید عنایت علی شاہ صاحب ملتان کا نام تجویز کیا گے

☆ ۱۰ فروری کو قصر زینب میں تحریک کی سپریم کونسل کے ۱۴۰ ارکان میں سے ۱۳۲ اور مرکزی کونسل کے ۱۲۵ سے ۱۱۵، ارکان کا یہ اہم ترین اجلاس باقاعدہ دستور کے تحت منعقدہ ہوا۔

☆ سپریم کونسل کے فیصلہ کے مطابق آقا یعقوب علی توسلی کوئٹہ نے مفتی عنایت علی شاہ کا نام قیادت کیلئے پیش کیا جس پر تحریک کے اس وقت کے جنرل سیکریٹری شائق انبالوی مرحوم نے کچھ اعتراضات کئے۔

☆ اس کے بعد لاہور کے خلیفہ نذیر حسین مرحوم نے قیادت کیلئے سید صفدر حسین نجفی صاحب کا نام پیش کیا جس پر علامہ موصوف نے اپنی تدریسی، علمی اور پاکستان میں حوزہ علمیہ کے قیام جیسی مصروفیات کے پیش نظر بلا تامل معذرت کر لی۔

بھکر میں انتخابِ عارف حسینیؒ کا مرحلہ

علامہ سید صفدر حسین نجفی کے اظہار معذوری کے بعد سکوت کو توڑتے ہوئے سید وزارت حسین نقوی نے قیادت کے لیے علامہ عارف حسین الحسینی کا نام پیش کر دیا۔ سید وزارت حسین نقوی کی اس تجویز پر پورے اجلاس میں ایک سناٹا چھا گیا اور سرگوشیاں ہونے لگیں، تھوڑی سی بحث کے بعد باہمی صلاح مشورہ کے لیے اجلاس ایک گھنٹہ کے لیے ملتوی کر دیا گیا۔ یہ بات قصر زینب کی چار دیواری سے باہر جا پہنچی۔ ایک عجیب سی کیفیت تھی کہ سید عارف حسین کو نہ جاننے کے باوجود وہ بھی ہر شخص خوش و خرم لگ رہا تھا۔

آخر ایک ڈیڑھ گھنٹہ بعد اجلاس پھر شروع ہوا۔ علامہ سید عارف حسین الحسینی نے یہ کہتے ہوئے معذرت کی کہ وہ جس علاقے سے تعلق رکھتے ہیں، وہاں کے مسائل اسقدر سنگین ہیں کہ سنبھالے نہیں جاتے۔ وہ پاکستان کی قیادت کیسے کریں سنبھالیں گے؟

علامہ سید عارف حسین الحسینی نے کئی طرح کے عذر پیش کئے اور پاراچنار سے آئے ہوئے اراکین مولانا شیخ علی مدد اور مولانا بشیر حسین کے حوالے سے فرمایا کہ یہ حضرات آپ کو بہتر انداز میں پاراچنار کے حالات سے آگاہ فرما سکتے ہیں۔ مولانا شیخ علی مدد اور مولانا بشیر حسین نے بھی بزرگ علماء کے اصرار کا احترام کرتے ہوئے اپنی رائے کا اظہار یوں فرمایا: ''پاراچنار اور اس کی سرحدوں کے حالات یقیناً خطرات سے پر ہیں اور وہاں علامہ عارف حسین الحسینی جیسے نوجوان عالم دین کی سخت ضرورت ہے لیکن یہاں محسوس ہوتا ہے کہ ملک اور قوم کو بھی علامہ سید عارف حسین الحسینی جیسے قائد کی ضرورت ہے۔''

آخر میں علامہ سید صفدر حسین نجفی اور کچھ دوسرے بزرگ علماء آپ کو وہیں پر موجود حضرت زینب سلام اللہ علیہا کی ضریح پر لے گئے اور آپ سے مطالبہ کیا کہ اس نازک موقع پر قوم کی قیادت کی ذمہ داری قبول فرمائیں۔ آپ کو یقین دلایا گیا کہ آپ علم جہاد بلند کریں گے تو تمام علماء آپ کا بھرپور ساتھ دیں گے۔

علماء سے تعاون کا وعدہ لے کر آپ قیادت قبول کرنے پر رضامند ہو گئے اور یوں سپریم کونسل اور مرکزی کونسل کی مکمل حمایت اور اعتماد کے بعد آپ تحریک کے دستور العمل کے تحت کثرت رائے سے مفتی صاحب کے جانشین مقرر ہوئے۔

آپ نے منتخب ہونے کے فوراً بعد بھکر میں پریس کانفرنس سے مختصراً خطاب فرمایا؛

''میرے کمزور کندھوں پر اتنا بڑا بوجھ رکھ دیا گیا ہے کہ میں اس کے قابل نہیں تھا مگر اب ہر ممکن کوشش کروں گا کہ قوم کے جذبات اور توقعات پر پورا اتروں اور اپنے مرحوم قائد حضرت علامہ مفتی جعفر حسین کے سلسلہ کو جاری رکھوں۔''

پریس کانفرنس کے اختتام پر آپ سید وزارت حسین نقوی کی رہائشگاہ پر تشریف لے گئے جہاں آپ سے ملنے والوں کا تانتا بندھا رہا۔ آپ قوم کے ہر فرد کو اٹھ اٹھ کر ملتے۔ پرمسرت ہجوم کا یہ عالم تھا کہ لوگ دیوانہ وار آپ سے مل رہے تھے اور آپ کو بیٹھنے کا موقع نہیں مل رہا تھا۔ آخر کسی نے ہجوم سے آکر درخواست کی کہ قائد سے مصافحہ کا سلسلہ روک دیں کیونکہ آپ کو کئی گھنٹوں سے بیٹھنے کا موقع ہی نہیں مل رہا۔ پھر آپ کی علماء، زعماءِ قوم، آئی۔ایس۔او پاکستان اور قوم کے دیگر نوجوانوں کے ساتھ علیحدہ علیحدہ نشستیں ہوئیں۔

۱۰ فروری ۱۹۸۴ء کا سورج ایک بہت بڑا منظر دیکھنے کے بعد رات کی چادر اوڑھ کر سو گیا۔ تاریخ نے اپنے دامن میں بہت سے حقائق اور مناظر سمیٹ لئے۔ لوگ تھکاوٹ سے چور چور بدن کے ساتھ سو گئے۔ علامہ سید عارف حسین الحسینیؒ بھی قوم کی قیادت کی ذمہ داری سنبھالنے کے بعد مضطرب سوچوں میں گم مگر بظاہر پرسکون استراحت کرنے لگے۔ اسی کمرہ میں آپ کے قریبی عزیز حاجی کمال حسین آف پاراچنار بھی سوئے ہوئے تھے۔ رات ڈھل گئی تو سید عارف حسین الحسینی

اپنے معمول کے مطابق اپنے بستر سے اُٹھے اور نماز شب میں مصروف ہوگئے نہ جانے کتنی بار سجدہِ ریز ہوئے اور کتنی بار روئے؟ مگر ایک لمحہ ایسا آیا کہ آپ کا ضبط ٹوٹ گیا، لبوں کی گرفت ختم ہوئی تو سسکیاں بے ربط ہونے لگیں۔ ایسے میں حاجی کمال حسین گریہ کی صدائیں سن کر بیدار ہوئے۔۔۔ دیکھا کہ پوری قوم کا قائد سجدہ میں بے ربط آواز میں گلوگیر لہجے میں یوں مناجات کر رہا ہے ''اے خدا! تیرے اس عبد ذلیل وحقیر پر اتنی بڑی ذمہ داری عائد کر دی گئی ہے۔ اے میرے رب میری مدد فرما، مجھے ہمت عطا فرما کہ تیرے دین کی خدمت کی ذمہ داری نبھا سکوں، اے امام زمانہ! اس مشن کی تکمیل اور ترویج میں میری نصرت فرمائیے''۔

حاجی کمال حسین گریہ کا یہ عالم دیکھ کر اٹھے، آپ کو بازو سے پکڑ کر کہنے لگے سید عارف حسین آپکو کیا ہو گیا ہے آپ کو تو خوش ہونا چاہیے تھا کہ پوری قوم نے آپ پر اعتماد کیا ہے مگر آپ۔۔۔۔

آپ سجدہ سے اٹھے اور کہنے لگے'' حاجی کمال حسین آپ تو میرے حالات اور مالی حیثیت سے واقف ہیں آپ کو یہ بھی معلوم ہے کہ میں پاراچنار کے مدرسہ سے بطور مدرس ۱۲۰۰ روپے تنخواہ لیتا ہوں میں نے اپنی محدود آمدن سے آج تک ہفتہ میں دو دفعہ اپنے بچوں کو کبھی گوشت نہیں کھلایا اور انصاف کے تقاضوں سے قاصر رہا۔ جب میں اپنے آپ کو ایک معمولی سے کنبہ کی کفالت کرنے سے بھی قاصر محسوس کرتا ہوں تو میں پوری قوم کی کفالت اور رہنمائی کیسے کروں گا؟ مجھ پر بہت بڑی ذمہ داری ڈال دی گئی ہے اگر میں خدا کے دین، اپنے نبیؐ کی شریعت، اپنے ائمہؑ کے مشن اور اپنی قوم کے تقاضوں پر پورا نہ اترا تو میں دنیا میں قوم اور آخرت میں خدا، رسولؐ اور آئمہ طاہرین علیہم السلام کو کیا منہ دکھاؤں گا''؟

۱۱ فروری کے روز ملک بھر کے اخبارات میں علامہ سید عارف حسین الحسینی کے انتخاب کی خبر شائع ہوئی تو پوری قوم کے اندر ایک تجسس کی کیفیت پیدا ہوئی۔ آپ کی صلاحیتوں اور ماضی کے کردار سے آشنا افراد نے آپ کے انتخاب کو پوری ملت کے لئے ایک نعمت خداوندی سے تعبیر کیا۔ جبکہ گھات میں بیٹھے ہوئے سازشی عناصر نے طے شدہ منصوبے کے تحت آپ پر الزامات کی بوچھاڑ کر دی۔ آپ

کا غیر متوقع انتخاب مخالفین کے لئے ایک دھچکا تھا کیونکہ مفتی صاحب کے مخالف کسی فرد کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ تحریک کے دستوری ادارے کسی نوجوان عالم دین کو ملت جعفریہ پاکستان کا قائد منتخب کرلیں گے۔ انہیں جن بزرگ علماء سے خطرہ تھا وہ انہیں پہلے ہی مختلف حوالوں سے بدنام کر چکے تھے۔

مفتی صاحب کے حقیقی جانشین کے اعلان کے بعد مفتی صاحب اور تحریک کے دستور کے مخالف حضرات نیام سے نکل کر میدان میں آ گئے اور دستوری قائد کو ناکام کرنے کی ٹھان لی۔ انہوں نے آپ کو مجالس، محافل اور تحریروں میں بدنام کرنا شروع کر دیا۔ اعتراض کیا تھا؟ ڈھکو گروپ نے ایک پٹھان شخص کو قوم کی قیادت سونپ دی گئی ہے، جو یا علیؑ مدد اور عزاداری کا منکر ہے جبکہ اس کے برعکس موسوی صاحب ذوالجناح کی باگ پکڑتے ہیں اور ماتمی حلقوں میں ماتم کرتے ہیں۔

یہ عقائد اور ذاتی جملے تو محض ایک بہانہ تھے دراصل موسوی صاحب کی قیادت اسلام آباد کے ایوانوں سے تیار شدہ اور بڑے بڑے فوجی افسران کی محنت کا نتیجہ تھی جو قوم کی روایتی قائدین اقتدار کے طالب اور حکمرانوں کے حواری افراد کی ذہنی پستی اور فکری زوال کی بدولت پایہ تکمیل تک پہنچی تھی۔

یہی لوگ تھے جو بظاہر علامہ سید عارف حسین الحسینیؒ کے ساتھ اتحاد بین القائدین کی باتیں کرتے اور پس پردہ اختلافات کی جلتی پر تیل کا کام کرتے تھے، انہی افراد کی سازشوں کا نتیجہ تھا کہ انہوں نے ملت جعفریہ کی دو قیادتوں کو دریا کے دو کناروں کی طرح برقرار رکھا، یہ وہ بات ہے کہ علامہ سید عارف حسین الحسینیؒ کی قیادت نے ان کے عزائم خاک میں ملا دیئے اور موسوی صاحب کو سرف مسجد تک محدود کر دیا۔ یہ قوم کی خوش بختی ہے کہ موسوی صاحب کے اندر قیادت کے جوہر موجود نہیں تھے وگرنہ جتنی حمایت اور محنت ایجنسیوں اور غیر ملکی عناصر نے ان کیلئے کی تھی وہ قوم کو تباہی کے دہانے پر لا کھڑا کرتی اور ملت جعفریہ کو ناقابل تلافی نقصان پہنچا جاتے۔

☆☆☆☆☆

قائد ملت جعفریہ بھکر سے پاراچنار تک

علامہ سید عارف حسین الحسینی قوم کی قیادت کی ذمہ داری قبول کر کے ۱۱ فروری کو اپنے احباب کے ہمراہ بھکر سے سیدھے لاہور تشریف لائے اور آپ نے جامعۃ المنتظر لاہور میں دو دن قیام کیا۔

علامہ سید عارف حسین الحسینی راولپنڈی سے پشاور پہنچے تو ہزاروں افراد نے جی۔ٹی روڈ پر آپ کا والہانہ استقبال کیا کیونکہ اہل پشاور تو آپ کی عظمتوں کے پہلے ہی مداح تھے۔ آپ سیدھے امام بارگاہ اخوند آباد تشریف لے گئے جہاں آپ ۱۹۷۷ء سے محرم کی مجالس عزا سے خطاب کرتے چلے آرہے تھے۔ آپ نے حاضرین سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا ''پاکستان کے بزرگ علماء وزعماء نے میرے اوپر بہت بڑی ذمہ داری عائد کر دی ہے۔ جس کے لئے میں اپنے آپکو زیادہ موزوں نہیں سمجھتا۔ آپ اہل پشاور مجھے بخوبی جانتے ہیں کہ مجھ جیسا حقیر انسان اتنی بڑی ذمہ داری کے قابل نہیں ہے اب جبکہ مجھے ذمہ داری سونپ دی گئی ہے سب سے پہلے آپ سے اپیل کروں گا کیونکہ آپ میرے گھر والے ہیں کہ تحریک سے بھرپور تعاون کریں چونکہ مجھے اپنے ہر دورے کا آغاز آپ کے شہر سے کرنا ہے تو آپ کا تعاون مجھے حوصلہ بخشے گا۔ انشاء اللہ ہم بہت جلد اپنے مقاصد میں کامیاب ہو جائیں گے''۔

دوسرے روز آپ پشاور سے پاراچنار روانہ ہوئے تو آپ کے ساتھ بیسیوں احباب شامل کارواں ہو گئے۔ کوہاٹ سے آگے بڑھے تو ہنگو کے مومنین نے سڑک پر آپ کا استقبال کیا اور آپ کو مرکزی امام بارگاہ میں لے گئے جہاں آپ نے خطاب فرمایا اور تحریک سے تعاون کی اپیل کی۔

آپ کے پاراچنار آنے کی اطلاع پا کر یہاں گردنواح کی شیعہ آبادی نے سڑک پر خیمے

لگا لئے آور آپ کی جھلک دیکھنے کے لئے بے چینی سے انتظار کرنے لگے۔ پشاور اور ہنگو سے روانگی کے وقت آپ کے ساتھ شامل ہونے والے افراد ایک قافلہ بن گئے اور یہ کارواں جہاں سے بھی گزرا اپنی رونقوں میں اضافہ کرتا گیا۔

پاراچنار والوں کی بے چینی کا یہ عالم تھا کہ وہ استقبال کے لئے بڑھتے بڑھتے پاراچنار سے ۲۰ میل آگے پہنچ گئے جبکہ کچھ افراد ۵۶ میل دور ''ٹل'' کے مقام پر پہنچے ہر شخص کی خواہش تھی کہ سید عارف حسین الحسینی کے چہرے کی پہلی زیارت اُسے نصیب ہو۔ آپ کا یہ استقبالی کارواں بڑھتے بڑھتے سولہ میل تک پھیل گیا۔ آپ سیدھے مرکزی امام بارگاہ میں تشریف لائے۔ آپ خطاب کے لئے جونہی سٹیج پر تشریف لائے سرحدی جوانوں نے اپنی روایت کے مطابق استقبالی فائرنگ شروع کردی۔ آدھ گھنٹہ فائرنگ جاری رہی، بڑی مشکل سے نوجوانوں کے جذبات اور گولیاں اگلتی کلاشنکوفوں کو کنٹرول کیا گیا۔ کلاشنکوفیں چپ ہوئیں تو آپ نے لب کشائی فرمائی اور اظہار تشکر یوں کیا'' آپ کے جذبات اور احساسات کو دیکھ کر مجھے بخوبی اندازہ ہوگیا ہے کہ آپ کو تحریک نفاذ فقہ جعفریہ پاکستان سے بے حد محبت ہے۔ آپ نے تحریک کے ادنیٰ کارکن کا استقبال کر کے اس کی ہمت میں بے پناہ اضافہ کیا ہے۔ آپ کی یہ محبت، آپ کے یہ احساسات اور آپ کی بے پناہ عقیدتوں نے مجھے افتخار بخشا ہے۔ میں اس قابل نہیں ہوں مگر آپ کی بیکراں محبت تحریک سے وابستگی کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ مجھے توقع ہے کہ آپ ہر موقع پر تحریک کے ہر کارکن کا ایسے ہی خیر مقدم کریں گے۔ میں ہرگز اس قابل نہیں تھا کہ مجھے اتنی بڑی ذمہ داری سونپ دی جاتی بزرگ علماء اور اکابرین قوم نے مجھے مجبور کیا۔ میں نے خدا کے سہارے آئمہ طاہرین کے سائے اور آپ برادران سے توقعات کی بدولت اتنی بڑی ذمہ داری قبول کر لی۔ میں آپ سے درخواست کروں گا کہ مجھے تنہا نہ چھوڑیئے گا اور تحریک کے بھرپور کام کیجئے گا''

آپ کی یہ تقریر پشتو میں ہے۔ جہاں آپ کی درخواست تعاون کے جملے محفوظ ہیں وہاں آپ خود سے عہد کرتے ہیں کہ انشاء اللہ ہم اپنے مذہب، ملک وملت کی خدمت پوری جانفشانی سے کریں گے اور اسی خدمت کی بجا آوری میں سرزمین پاراچنار کی اعلیٰ روایات کو قائم ودائم رکھیں گے۔

قیادت کے ابتدائی ایام

کُرّم ایجنسی پاراچنار کا ایک دور افتادہ علاقہ اور بنیادی سہولتوں کے میسر نہ ہونے کے سبب وہاں ایک ملک گیر تنظیم کا مرکزی دفتر قائم کرنا قرین قیاس نہ تھا۔اس مجبوری کے پیش نظر علامہ عارف حسین الحسینی نے اپنے احباب سے ضروری صلاح و مشورے کے بعد تحریک کا مرکزی دفتر پشاور میں قائم کرنے کا فیصلہ کیا۔

ابتدائی مرحلہ میں سید وزارت حسین نقوی، ڈاکٹر محمد علی نقوی، سید اختر محسن نقوی اور سید قمر عباس کو بالترتیب جنرل سیکرٹری، جوائینٹ سیکرٹری، سیکرٹری مالیات اور سیکرٹری نشر و اشاعت کی ذمہ داری سونپی گئی جبکہ علامہ سید صفدر حسین نجفی نے بے پناہ مصروفیات کے باعث نائب صدارت کی ذمہ داری سے معذوری کا اظہار فرمایا اور نائب صدر کو آئندہ کے اجلاس میں طے کرنے کا فیصلہ کیا گیا۔

اس اہم اجلاس میں تحریک کے پروگرامات کی تشکیل اور مستقبل کے لائحہ عمل کی ترتیب کے ساتھ ساتھ یہ بھی طے پایا کہ قائد ملت جعفریہ پاکستان ۱۰ اپریل ۱۹۸۴ء سے ملک گیر دورہ جات کا آغاز کریں گے جبکہ علماء کرام اور نوجوانان ملت کو ان دورہ جات کی کامیابی کے لئے تمام توانائی صرف کرنا ہو گی۔

فیصلہ کے مطابق آپ کے پروگرامات کی تفاصیل سے عوام کو آگاہ کر دیا گیا اور آپ نے ۱۰ اپریل ۱۹۸۴ء کو سرزمین سرگودھا سے اپنے پہلے تنظیمی دورہ کا آغاز فرمایا۔عوام کے جم غفیر نے آپ کا فقید المثال استقبال کیا۔ملت کے افراد سے باقاعدہ پہلی ملاقات نے ہی آپ کی کرشمہ ساز شخصیت

کا سحر طاری کر دیا عوام آپ کی روحانی قوت کے گرویدہ ہو گئے۔

سرگودھا کے کامیاب دورہ کے بعد آپ نے اپنے دورہ جات کے سلسلے کو آگے بڑھایا یہاں تک کہ ڈیڑھ ماہ کے عرصہ میں ملک کے تمام اہم شہروں میں جا کر عوامی رابطہ استوار کیا اور ان سے مسائل دریافت کئے۔

آپ کا ملت کی دہلیز پر پہنچنا، ان کی مشکلات سے آگاہ ہونا، انہیں احساس تحفظ دینا، ہر طبقہ کے افراد سے بلاتفریق ملنا اور اتحاد بین المسلمین کی فضا کو رواج دینے کے لئے اہلسنت علماء سے ملاقاتیں کرنا مسلمانان پاکستان کو مسخر کرتا چلا گیا۔ آپ جس شہر میں بھی گئے محبتوں کے سفیر بن گئے اور جس شہر سے بھی چلے عقیدتوں اور روحانیت کی داستانیں چھوڑ آئے۔

قوم کی جانب سے آپ کے فقید المثال استقبال اور قومی جذبہ وعقیدت جہاں مثالی تھے وہاں قوم کے بعض افراد کا آپ سے عقائد سے متعلق وضاحتیں طلب کرنا، ڈھکو گروپ کے حوالے دینا اور عزاداری کے بارے میں آپ کا عقیدہ پوچھنا بھی قابل افسوس تھا۔ درحقیقت بعض جذباتی افراد کا ایسے سوالات کرنا بھی سازشی عناصر کی کارستانیوں کا ایک سلسلہ تھا کیونکہ آپ کی قیادت سے قبل شیعہ قوم کے درمیان عقائد کی ایک جنگ کا آغاز ہوا تھا جس کا اثر ابھی تک باقی تھا۔ جو بعد میں آپ کے کردار، استدلال اور تدبیر کی بدولت زائل ہوا۔ البتہ ابتدائی دورہ جات میں قوم کے درمیان عقائد کی پھیلی ہوئی مسموم فضا نے آپ کو بے حد مایوس کیا۔

عزاداری کے متعلق اختلافی سوالات کے جوابات میں آپ نے ہر موقع پر واضح فرمایا کہ ''عزاداری سید الشہداءؑ ہماری شہ رگ حیات ہے جس کی بقا ہم پر واجب ہے۔ تحریک کا پہلا ہدف عزاداری سید الشہداء کا تحفظ ہے۔ کیونکہ ہم جانتے ہیں کہ عزاداری ہی ظالم کے خلاف احتجاج اور مظلوم کی حمایت کا بہترین درس ہے اور یہی ہدف ''ظالم سے نفرت اور مظلوم سے محبت'' ہماری تحریک کی اساس ہے۔ جو شیعہ عزاداری کا تحفظ نہیں کرتا وہ بے غیرت ہے۔ (ڈی آئی خان میں خطاب سے اقتباس)

غلط پروپیگنڈہ اور سازشوں سے متاثر افراد جب آپ سے مطمئن ہو جاتے تو بسا اوقات

تقاضہ کرتے کہ آپ فلاں فلاں عالم دین سے اعلان لاتعلقی کریں مگر آپ نہایت صبر و استقامت سے جواب دیتے۔'' ہماری تحریک کا مقصد نفرتیں بانٹنا نہیں بلکہ محبتیں تقسیم کرنا ہے۔ ہمارا ہدف صرف غلط فہمیوں کی بنا پر تقسیم ہونے والے چند شیعوں تک ہی محدود نہیں بلکہ ہماری منزل اتحاد بین المسلمین ہے۔ آج ضرورت اس امر کی نہیں کہ اپنی قطاروں سے علماء کو نکالا جائے بلکہ یہ وقت شیعہ سنی قطاروں کو باہم جوڑنے کا ہے کیونکہ اس وقت ہمارا مقابلہ مسلمانوں کے مشترکہ دشمن اور عالمی استکباری قوتوں سے ہے۔ اگر ہم سطحی باتوں میں الجھ گئے تو پھر ہم عالمی سطح پر دشمن کا مقابلہ کرنے میں کامیاب نہیں ہوں گے''۔

آپ کے ابتدائی دورہ جات میں ملت کا درد رکھنے والے افراد اکثر آپ سے ''موسوی'' ''حسینی'' اتحاد کی خواہش کا اظہار کرتے تو آپ جواباً فرماتے کہ ''میں مسئلہ قیادت کو قطعاً اہمیت نہیں دیتا میرے نزدیک اصل اہمیت مقصد کی ہے اور ہمارا مقصد ملت جعفریہ کے حقوق کا تحفظ کرنا ہے۔ قیادت مقصد کے حصول کا ایک وسیلہ ہے۔ میری نظر میں مقدم مقصد ہے، وسیلہ نہیں۔

آپ نے ہر شہر میں کارکنان اور قوم کے تمام افراد پر واضح کیا'' کہ موسوی صاحب سے اتحاد کے لئے وہ جہاں بھی بلائیں گے میں حاضر ہو جاؤں گا، میری طرف سے ملت کا ہر فرد میرا نمائندہ ہے'' اس ضمن میں آپ کو جہاں بھی اتحاد کے لئے یاد کیا گیا آپ اپنی تمام تر مصروفیات کو بالائے طاق رکھ کر پہنچے

قوم کی مایوسی کو کافور کرنے، اپنے خلوص کی تسکین اور دشمنوں کی سازشوں کو ملیامیٹ کرنے کی خاطر علامہ سید عارف حسین الحسینی نے اتحاد کی بیسیوں کوششیں کیں مگر مفاد پرست اور سازشی عناصر آپ کے ہر مرحلہ پر آڑے آئے۔

آپ کی قیادت کا ڈیڑھ سال اپنے افکار پھیلانے، قائدانہ صلاحیتوں سے قوم کو مستفید کرنے، ملکی صورت حال اور آمریت کے خلاف کام کرنے، بین الاقوامی سطح پر قوم کی حیثیت تسلیم کرانے کی بجائے قومی عقائد کی الجھنوں، مخالفین کے زہریلے پروپیگنڈے اور قوم کے انتشار کو ختم کرنے میں بیت گیا۔ آپ اکثر فرمایا کرتے تھے کہ میرا ڈیڑھ سال تو اپنی ملت کو یہ باور کرانے میں

گزر گیا کہ میں شیعہ بھی ہوں اور عزاداری کا قائل بھی۔

آپ ایک ایسی وادی کے مسافر تھے جس کا راستہ بے پناہ مشکلات سے اٹا پڑا تھا۔ آپ کی راہ میں مشکلات نے سر اٹھائے اور ہر قدم پر سازشوں نے پاؤں کی زنجیر بننے کی کوشش کی مگر بظاہر گوشت پوست کا یہ نازک مزاج انسان حوصلوں کی چٹان ثابت ہوا جس نے ایک وقت قوم کی مایوسی کا ازالہ کیا، محبتوں کو رواج بخشا، قوم کو احساس تحفظ دیا اور ملت کے خلاف ہر زہریلی سازش کا ڈٹ کر مقابلہ کیا۔ مصائب کی ان گنت دیواروں کو گرایا اور روایتی بتوں کو پاش پاش کر کے حضرت علامہ اقبالؒ کی اس فکر کی تفسیر بن کر دکھایا جس کے بارے میں انہوں نے فرمایا:

یہ غازی یہ تیرے پر اسرار بندے
جنہیں تو نے بخشا ہے ذوق خدائی
دونیم ان کی ٹھوکر سے صحرا و دریا
سمٹ کر پہاڑ ان کی ہیبت سے رائی

☆☆☆☆☆

امام خمینیؒ کی تائیدی سند

قیادت کے ابتدائی ایام میں علامہ سید عارف حسین الحسینی کو جس چیز نے تقویت بخشی وہ امام خمینیؒ کی تائیدی سند تھی۔ حضرت امام خمینی رضوان اللہ تعالیٰ علیہ کو ''ولی فقیہ'' کی حیثیت حاصل تھی۔ آپ نے ملت تشیع کی خواہش پر علامہ سید عارف حسین الحسینی کو تحریراً اپنا نمائندہ نامزد فرمایا۔ اس سے قبل ایران عراق کے مراجع عظام ہر ملک میں قابل اعتماد علماء کو خمس کی وصولی اور مصرف کا اجازہ مرحمت فرماتے تھے جبکہ اس سند میں اجازہ خمس کے ساتھ حضرت امام خمینیؒ نے فرمایا'' جناب سید الاعلام حجۃ الاسلام سید عارف حسین دامت برکاتہ میری طرف سے ایسے امور حسبیہ کی انجام دہی کے لئے مجاز ہیں جو ولی فقیہ جامع الشرائط کی اجازت پر موقوف ہیں''۔ جس کے بعد آپ کو پاکستان میں نمائندہ ولی فقیہ کی حیثیت حاصل ہوگئی۔ جس سے آپ کی قیادت کو ایک نئی تقویت نصیب ہوئی۔

حضرت امام خمینی رضوان اللہ تعالیٰ علیہ کی تائیدی سند کے بعد دنیا بھر کے اہم علماء و نمائندگان ولی فقیہ نے آپ کی قیادت پر اعتماد کرتے ہوئے تعاون کا یقین دلایا اور ساتھ ہی ایران میں مقیم سینکڑوں پاکستانی علماء وطلباء نے آپ کی قیادت پر اعتماد کا متفقہ اعلان کیا۔ بین الاقوامی تائید نے آپ کو بین الاقوامی رہنما بنا دیا جبکہ موسوی صاحب اور ان کے رفقاء فکری جمود، غیر آئینی انتخاب، امام خمینیؒ کی پس پردہ مخالفت اور حکومت کی حمایت کی بنا پر بالآخر جھاگ کی طرح بیٹھ گئے۔

نمائندہ ولی فقیہ کی حیثیت سے آپ نے اپنی ذمہ داریوں میں وسعت دی اور نئے عزم وولولہ کے ساتھ آزاد کشمیر، شمالی علاقہ جات اور ملک بھر کے چاروں صوبوں میں عوامی رابطہ مہم اور

اپنے جامع پروگرم کی ترویج کیلئے دورہ جات شروع کر دیئے۔ اب ملک بھر کے عوام آپ سے متعارف ہو چکے تھے۔ آپ جہاں بھی گئے پہلے سے کئی گنا زیادہ افراد نے آپ کو سر آنکھوں پر لیا۔ اب اختلافی عقائد کے مہیب بادل چھٹ چکے تھے۔ ملت جعفریہ مکمل طور پر آپ کی قیادت کو تسلیم کر چکی تھی اور ہر طرف یہ نعرے فضا میں گردش کر رہے تھے۔

پوری قوم کے دل کا چین　　عارف حسین، عارف حسین

پوری قوم کا نعرہ ہے　　عارف قائد ہمارا ہے

آپ نے ان دورہ جات میں پاکستان بھر کے مسلمانوں کے حقوق کے تحفظ کی بات کی اور ملک میں نظام کی تبدیلی کا مطالبہ کیا۔ استعمار کے خاتمے اور اسلامی انقلاب کے قیام کے لئے آپ نے تمام مسلمانوں کو اعتماد میں لینے کی جدوجہد کا آغاز کیا تو آپ کے خلوص کی بدولت آپ کے کارواں میں اضافہ ہوتا چلا گیا۔ یوں آپ کو قائد ملت اسلامیہ کی حیثیت حاصل ہوگئی۔

☆☆☆☆☆

عارف سا قائد ہوا ہے نصیب

نصر من اللہ فتح قریب

آمریت کے خلاف جہد مسلسل

علامہ سید عارف حسین الحسینی کی جدو جہد جیسے جیسے ملک کے مذہبی اور سیاسی افق پر ابھرتی گئی استعماری قوتوں اور ملک کے مطلق العنان آمر جنرل محمد ضیاء الحق کی آنکھ میں آپ کانٹا بنتے گئے آپ کی یہ ٹکر ذاتی نہ تھی بلکہ یہ اسی جنگ کا ایک تسلسل تھا جس کا آغاز علامہ مفتی جعفر حسین مرحوم نے اپنے حقوق کی بازیابی کیلیے کیا تھا علامہ سید عارف حسین الحسینی نے یہ جنگ بھی اسی مورچہ میں بیٹھ کر لڑی جو مفتی صاحب کے انتقال کی وجہ سے خالی ہو گیا تھا البتہ وقت کی نزاکتوں اور حالات کے تقاضوں کی بناء پر سابق اور موجودہ سپہ سالار کے انداز سپہ گری میں فرق ضرور تھا۔

علامہ مفتی جعفر حسین مرحوم نے تحریک نفاذ فقہ جعفریہ پاکستان کے پلیٹ فارم سے ملت جعفریہ کے حقوق کی جنگ لڑی جو خالصتاً مذہبی اور قومی تقاضوں کا مطالبہ تھی۔ انہوں نے وقت کے آمر سے اہل تشیع کے لئے فقہ جعفریہ کے نفاذ کا مطالبہ کیا اور اسلام کے نام پر جاری کردہ منافی قوانین اور آرڈیننس کے خلاف آواز بلند کی۔ ان کی اس کوشش نے ملت جعفریہ کو تشخص اور احساس ذمہ داری بخشا اور پہلی بار شیعہ قوم نے ایک پلیٹ فارم سے اپنے حقوق کے تحفظ کی جنگ لڑ کر اپنی طاقت کا لوہا منوایا۔

جب مفتی صاحب وقت کے آمر سے جنگ لڑ رہے تھے تو اس وقت پوری ملت ان کے ساتھ تھی البتہ ملت میں کچھ لوگوں کو مفتی صاحب کی قیادت سے شخصی یا نظریاتی اختلاف بھی تھا تو یہ مخالفین اس پوزیشن میں نہیں تھے کہ وہ اپنی نئی قطاریں ترتیب دے کر مورچہ بندی کر پاتے۔ یہی وجہ تھی کہ حکومت کو لمحہ بھر بھی چین نصیب نہیں ہو رہا تھا۔

مفتی صاحب حقوق کی بازیابی کی جنگ کامیابی سے لڑتے لڑتے اپنی طویل علالت کے باعث آخر قوم کو داغ مفارقت دے گئے جس کی وجہ سے ملت جعفریہ کی اس جنگ کا یہ مورچہ کچھ عرصہ خالی ہو گیا اور حکومت کو اپنی دفاعی پوزیشن اور منصوبہ بندی کا بہترین موقع میسر آ گیا جس سے اس نے خوب فائدہ اٹھایا۔

مفتی صاحب مرحوم کے جانشین کا انتخاب دراصل حقوق کے لئے لڑی جانے والی جنگ کا تسلسل تھا۔ مفتی صاحب کے حقیقی جانشین علامہ سید عارف حسین الحسینی جب مورچہ بند ہوئے تو حالات کے تیور دونوں طرف سے بدل چکے تھے۔ ایک طرف مدمقابل حکمران اپنی دفاعی پوزیشن مضبوط کر چکا تھا دوسری طرف ملت جعفریہ میں استعماری قوتیں انتشار پیدا کر چکی تھیں۔ ملت کیلئے یہ انتشار انتہائی مضر اور مہلک تھا۔ جس کی بناء پر علامہ سید عارف حسین الحسینی کو نہ صرف اپنی صلاحیتوں کو بروئے کار لانے میں رکاوٹ محسوس ہوئی بلکہ آپ حکومت کی سازشوں کا مقابلہ کرنے کے ساتھ ساتھ اپنوں کے حملوں سے دفاع کرتے رہے۔ آپ ایک لمحہ بھی حکومت وقت کی زیادتیوں سے نہیں گھبرائے بلکہ مخالف کے ستم میں اپنی صلاحیتوں کے جوہر نکھارے۔

۹ مارچ ۱۹۸۴ء کو پریس کلب پشاور کی پہلی کانفرنس اس حقیقت کی تصدیق ہے کہ آپ نے پہلا مطالبہ پاکستان کے نظام کی تبدیلی کا کیا کیونکہ آپ کی نظر میں نظام کی تبدیلی ہی پاکستانی قوم کے مسائل کا حل تھی۔

ضیاء الحق کے لیے فقہ جعفریہ کے نفاذ کا مطالبہ اپنی جگہ پریشان کن مسئلہ تھا مگر اس کے لئے علامہ سید عارف حسین الحسینی کی طرف سے ملک میں نظام میں تبدیلی کا مطالبہ اس سے کہیں پریشان کن ثابت ہوا۔ نظام کی تبدیلی کا مطلب ضیاء الحق کے اقتدار کا خاتمہ تھا جسے وہ ہرگز برداشت نہیں کر سکتا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ جب علامہ سید عارف حسین الحسینی نے دیگر جماعتوں کے ساتھ مل کر نظام کی تبدیلی کی بات کی تو یہ ضیاء الحق کے لئے قیامت بن کر ٹوٹی کیونکہ ضیاء الحق ملت جعفریہ کی قوت اور تحریک کی فعالیت سے بخوبی آگاہ ہو چکا تھا۔ اسے پیپلز پارٹی یا کسی دوسری سیاسی قوت سے اس قدر خطرہ نہیں تھا۔ اسے معلوم تھا کہ اس کے آگے دیگر تمام جماعتیں بے بس تھیں۔

علامہ سید عارف حسین الحسینی کو نظام کی تبدیلی کے مطالبہ سے دستبردار کرنے یا ان کی توجہ منتشر کرنے کے لئے حکومت نے ملت جعفریہ کے خلاف پر تشدد منصوبہ بندی ترتیب دی۔ ضیاء الحق نے سب سے پہلا قدم عزاداری کے خلاف اٹھایا اور علامہ سید عارف حسین الحسینی کی قیادت کے پہلے سال میں ہی حکومت کے ایماء پر پاکستان کے مختلف شہروں میں عزاداری پر فائرنگ ہوئی، امام بارگاہ نذر آتش کئے گئے۔

حکومت کی اس مکروہ سازش کے خلاف سید عارف حسین الحسینی نے یوم سیاہ کا اعلان کیا اور ۲ نومبر ۱۹۸۴ء کے روز سیٹلائٹ ٹاون راولپنڈی کے مرکزی امام بارگاہ میں احتجاج کیا گیا اور آپ نے وہاں پر خطاب فرمایا۔

جب یہ سازش بھی کامیاب نہ ہوسکی تو علامہ سید عارف حسین الحسینی کی جدوجہد کو سبوتاژ کرنے کیلئے حکومت نے نئے قوانین کا نفاذ کر کے اہل تشیع کے حقوق کو دیدہ دانستہ سلب کرنے کی کوشش کی۔ شیعہ کاشتکاروں کے لئے مالیہ کی شرح میں بلا جواز اضافہ کیا گیا۔ پولیس ایکٹ کی دفعہ ۳۰ میں ایسی ترامیم کی گئیں جن میں عزاداری کے جلوسوں پر پولیس کو پابندی کے اختیارات تفویض کئے گئے جو رائج الوقت قوانین، روایات اور ملک کے آئین کے سراسر منافی تھے۔

آپ نے حکومت کی اس شاطرانہ چال کے خلاف لاہور میں پریس کانفرنس سے خطاب فرمایا۔

☆☆☆☆☆

ضیاء ریفرنڈم کا بائیکاٹ

علامہ سید عارف حسین الحسینی کی جانب سے ضیاء الحق کے اقتدار کے خلاف سب سے پہلی اور طاقتور کوشش نام نہاد صدارتی ریفرنڈم کا بائیکاٹ تھا۔ جب ریفرنڈم کی حتمی تاریخ ۱۹ دسمبر ۱۹۸۴ء کا اعلان ہوا آپ نے یہ خبر سفر کے دوران ریڈیو پر سنی تو ہمسفر احباب سے فرمایا ''یہ شخص پھر نیا ڈھونگ رچانے پر تل گیا ہے۔ دوسرے روز آپ نے تحریک کے ذمہ دار افراد کی میٹنگ بلائی جس میں باہمی آراء کے بعد ریفرنڈم کا بائیکاٹ کا فیصلہ کیا۔ آپ نے اپنے اعلان میں اس ریفرنڈم کے طریقہ کار کو خلاف اسلام اور جمہوریت کی روح کے منافی قرار دیا کیونکہ ریفرنڈم میں عوام سے صرف ایک سوال کیا گیا تھا ''وہ پاکستان میں قرآن اور اسلام کا نفاذ چاہتے ہیں؟ اگر چاہتے ہیں تو پھر ضیاء الحق پانچ سال کے لئے صدر مملکت ہوں گے''۔

تمام جماعتوں سے پہلے تحریک نفاذ فقہ جعفریہ نے وزنی دلائل کے ساتھ ریفرنڈم کے بائیکاٹ کا اعلان کیا اور نشر و اشاعت کے ذریعے ریفرنڈم کو رد کرنے کے لئے قوم سے اپیل کی۔ اس اپیل کو ملک بھر کے دانشور حضرات، دینی حلقے اور ارباب سیاست و صاحب الرائے افراد نے سراہا۔ پشاور کے جسٹس علی حسین قزلباش نے ایک محفل میں برملا اعتراف کیا کہ'' آج سے میں علامہ سید عارف حسین الحسینی کی صلاحیتوں کا معترف ہو گیا ہوں کیونکہ انہوں نے جس تدبر اور بصیرت کے ساتھ ریفرنڈم کو رد کیا ہے اس سے محسوس ہوتا ہے کہ یہ شخص پاکستان کے مسلمانوں کے لئے کچھ کر کے جائے گا''۔

علامہ سید عارف حسین الحسینی کے ریفرنڈم کے اس بائیکاٹ کا صدر ضیاء الحق کو سخت دھچکا

پہنچا۔ حکومتی ایجنسیوں نے ایک عجیب کھیل کھیلا۔ انہوں نے تمام قومی اخبارات میں علامہ سید عارف حسین الحسینی کی جانب سے ریفرنڈم کی حمایت کا جعلی بیان شائع کروادیا۔ جس دن آپ کی طرف سے یہ جعلی بیان اخبارات میں شائع ہوا آپ سندھ کے دورہ پر تھے۔ آپ نے ملک بھر میں اپنے دفاتر سے رابطہ فرمایا اور اس بیان کی تردید کا حکم دیا۔ آپ نے اس جعلی بیان کو اپنے اور تحریک کے خلاف ایک سازش قرار دیا اور پی پی آئی (خبر رساں ایجنسی) پر ۱۰ لاکھ ہرجانے کا دعویٰ دائر کر دیا۔

اس کے ساتھ ہی آپ نے ریفرنڈم کے خلاف اپنی تحریک کو تیز تر کر دیا اور ہر مقام پر فرمایا۔ ''یہ شخص قرآن اور اسلام کے مقدس لبادے کی اوٹ میں اپنا چہرہ چھپا کر پاکستانی مظلوم قوم پر مسلط ہونا چاہتا ہے۔ اس کا یہ فعل جمہوریت کے خلاف سازش ہے کیونکہ کسی قوم سے اس کا حق خود ارادیت چھین لینا ایک ظلم ہے اور ہم کسی بھی ظلم کو برداشت نہیں کر سکتے۔ اگر ہم نے ریفرنڈم کو تسلیم کر لیا تو پھر ہمیں اس سے قائم ہونے والی حکومت کو بھی تسلیم کرنا پڑے گا لیکن ہم ایسا ہرگز نہیں کر سکتے کیونکہ ہم اس حکومت کو سرے سے آئین کے منافی سمجھتے ہیں''۔

☆☆☆☆☆

سانحہ کوئٹہ

حکومت سے معاہدہ اسلام آباد پر عمل درآمد کرنے کا مطالبہ آپ کی تحریک کی مضبوط اساس ثابت ہوااور یوں تحریک نفاذ فقہ جعفریہ پاکستان سے حکومت کا معروف معاہدہ حکمرانوں کے لئے دردسر بن گیا۔حکمران مسلسل اس سے تو گردانی کررہے تھے جبکہ تحریک نے ۶ جولائی کو اپنا قومی دن قرار دے کر حکومت کے لئے ایک اور مشکل پیدا کردی۔

حکومت نے ہر لمحہ کوشش کی کہ اس معاہدہ کی روح ختم ہو جائے اس سلسلہ میں حکمرانوں نے کئی نام نہاد شیعہ لیڈروں سے معاہدے کئے اور آئین میں مبہم سی ترمیم کر کے اس معاہدے کی حقیقت کو ختم کرنے کی کوشش بھی کی۔مگر جب حکومت سے کچھ نہ بن پڑا تو پھر اس نے ۶ جولائی ۱۹۸۵ء فقہ جعفریہ کے اس معاہدہ اور جذبہ پر کاری ضرب لگانے کا منصوبہ تیار کیا جسے کوئٹہ میں عملی جامہ پہنایا گیا۔

درحقیقت اس دلخراش سانحہ کا مقصد معاہدہ اسلام آباد کی روح کو دفن کرنا اور علامہ سید عارف حسین الحسینی کی پروقار قیادت کو ضرب کاری لگا کر مشکلات سے دوچار کرنا تھا تاکہ ایک طرف علامہ سید عارف حسین الحسینی کی تحریک میں سستی اور مشکلات میں اضافہ ہو اور دوسری جانب ملت جعفریہ مارشل لاء کی متشدد پالیسیوں سے خوف زدہ ہو کر چپ سادھ لے۔

اس سانحہ کی حقیقت کچھ یوں ہے کہ تحریک جعفریہ کی جانب سے ملک بھر میں ۶ جولائی ۱۹۸۵ء کو معاہدہ اسلام آباد کی یاد میں ملک گیر احتجاجی جلسے ہوئے جس مین حکمرانوں سے وعدہ نبھانے کے مطالبے کئے گئے۔مرکز کی پالیسی کے تحت کوئٹہ صوبہ بلوچستان میں بھی ایک عظیم اجتماع ہوا۔

۶ جولائی ۱۹۸۵ء کو طے شدہ پروگرام کے مطابق پشاور، لاہور اور کوئٹہ میں صوبائی سطح پر احتجاجی اجتماع ہوئے سندھ کے حالات کے پیش نظر کراچی میں اجتماع نہ کرنے کا فیصلہ کیا گیا تھا۔ کوئٹہ میں احتجاجی اجتماع کے اختتام میں تحریک کے صوبائی صدر علامہ یعقوب توسلی نے اعلان کیا کہ یہ پرامن اجتماع حکومت بلوچستان کو معاہدہ اسلام آباد کی یادداشت پیش کرے گا۔ ابھی نہتے عوام امام بارگاہ قندھاری واقع علمدار روڈ سے باہر ہی نکلے تھے کہ وہاں پہلے سے تعینات پولیس نے اندھا دھند فائرنگ شروع کردی جس کے نتیجے میں سترہ (۱۷) افراد شہید اور بیسیوں زخمی ہوئے۔

صوبہ بلوچستان کے دارالخلافہ کوئٹہ میں حکومت کا شیعہ عوام کی خون سے ہولی کھیلنے کا منصوبہ ایک گہری سازش کا نتیجہ تھا جس کے پس پردہ کئی ایک عوامل پوشیدہ تھے۔ اس دلخراش سانحہ کی ابتدائی اطلاع جب علامہ سید عارف حسین الحسینی کو دی گئی تو آپ کی زبان سے بے ساختہ کئی بار لا الہ الا اللہ کے کلمات جاری ہوئے۔ اور آپ کے چہرے پر کرب کے آثار نمایاں تھے۔

اس خبر سے آگاہی کے بعد آپ پشاور میں ہونے والے ایسے ہی اجتماع میں تشریف لائے جہاں آپ نے جلسہ اور جلوس کی ذمہ داری حجۃ الاسلام علامہ غلام حسن جاڑا صاحب صدر تحریک نفاذ فقہ جعفریہ صوبہ سرحد کو سونپی اور خود فی الفور شام ۶ بجے کی فلائٹ سے لاہور پہنچے۔ آپ ظالم کے ظلم پر مضطرب ہوئے مگر قومی جمیت کے جذبے کے ساتھ لاہور پہنچے اور سیدھا کربلا گامے شاہ میں اپنی ملت کے احتجاجی اجتماع میں شریک ہوئے۔ قوم سے خطاب کرتے ہوئے آپ نے فرمایا ''اگر کوئی سمجھتا ہے کہ ہمارے حوصلوں کو تشدد کے ذریعے پست کیا جا سکتا ہے تو یہ اس کی بھول ہے۔ آج حکومت نے کوئٹہ میں جس بربریت کا مظاہرہ کیا ہے اس سے اس کے اسلامی ہونے کی قلعی مزید کھل گئی ہے۔ ہمیں اپنے مطالبات سے دستبردار کرانے کے لئے حکومت نے اگر ایسا ہی رویہ اختیار کیا تو پھر جان لینا چاہیے کہ اس کے دن گنے جا چکے ہیں۔ ہمارے دشمنوں کو جان لینا چاہیے کہ ہم شہادتوں سے گھبرانے والے نہیں بلکہ یہ شہادتیں ہماری تحریک اور ہمارے موقف کی اساس کو مضبوط کرتی ہیں۔ انشاء اللہ کوئٹہ کے شہداء کا بے گناہ خون رائیگاں نہیں جائے گا بلکہ یہ ظالم حکومت اور سامراج جس کے اشارے پر یہ سب کچھ ہوا ہے، کیلئے موت کا پیغام ہوگا۔

آپ نے شرکاء جلسہ کو پر امن طور پر منتشر ہونے کی ہدایت کی اور خود رفقاء کے ہمراہ جامعۃ المنتظر پہنچے جہاں شب بھر تحریک کے کارکنان وعلماء کرام سے اہم مشورے کئے۔

دوسرے دن عارف حسین الحسینی اپنے رفقاء کے ہمراہ کوئٹہ روانہ ہو گئے۔ چنانچہ آپ ان رفقا کے ہمراہ جونہی کوئٹہ کے ہوائی اڈے پر پہنچے تو وہاں اعلان ہوا کہ علامہ عارف حسین الحسینی اور ان کے رفقاء کو نیچے اترنے کی اجازت نہیں البتہ ممنوعہ افراد میں حافظ سید ریاض حسین نجفی کا نام نہیں لیا گیا تھا اس لئے قائد کے کہنے پر وہ جہاز سے اتر گئے۔

علامہ سید عارف حسین الحسینی کو رفقاء سمیت اسی طیارہ میں کراچی جانے پر مجبور کیا گیا۔ جہاں آپ نے چند دن قیام کیا اور کوئٹہ سے مربوط رہے۔ ادھر کوئٹہ میں حکومت نے غارت گری کی انتہا کر دی۔ کرفیو لگا کر گھر گھر تلاشی کے بہانے خواتین کو زدوکوب کیا گیا۔ قیمتی چیزیں بھی لوٹیں گئیں۔ مردوں کو اہل خانہ کے سامنے ذلیل کیا گیا اور وسیع پیمانے پر گرفتاریاں کی گئیں۔

علماے کو جن میں آقا حافظ سید ریاض حسین صاحب بھی شامل تھے گرفتار کر لیا گیا اور ان پر تشدد کیا گیا۔ قائد کراچی سے جامعۃ اہل بیت اسلام آباد تشریف لائے اور تحریک کی مرکزی کونسل کا اجلاس طلب کیا اور لائحہ عمل مرتب کرنے کے لئے اپنے رفقاء سے تبادلہ خیال کیا۔ اسی اثناء میں انتظامیہ اور پولیس کی بھاری جمعیت وہاں آ پہنچی اور انہوں نے تقاضا کیا کہ آپ پارا چنار چلے جائیں۔

شام تک انتظامیہ کے ساتھ یہ بحث تمحیص جاری رہی۔ مغربین کے وقت ڈپٹی کمشنر نے آپ کی اسلام آباد سے ضلع بدری کے احکام جاری کئے۔ آپ نے فیصلہ کیا کہ آپ اسلام آباد کے ضلع کی حدود چھوڑ کر راولپنڈی اور پھر پنجاب روانہ ہو جائیں گے مگر انتظامیہ اور پولیس کی بھاری جمعیت نے آپ کو ایسا نہ کرنے دیا۔ جب آپ اسلام آباد سے نکل کر فیض آباد کے مقام پر پہنچے تو وہاں اعلیٰ حکام کی ہدایت پر آپ کو روک کر باقاعدہ گرفتار کر لیا گیا اور وہاں سے سیدھے کوہاٹ لے جایا گیا جہاں آپکو ریسٹ ہاوس کوہاٹ میں رکھا گیا۔

اگلے روز آپ کو کوہاٹ ریسٹ ہاوس سے پارا چنار پہنچا کر نظر بند کر دیا گیا۔ حکومت

مطمئن ہوگئی کہ اس نے آپ کو قوم سے جدا کر دیا ہے ۔ مگر آپ نے عجب مجاہدانہ روش اختیار فرمائی ۔ پاراچنار سے چپکے چپکے ایک عام ویگن میں پردہ ڈال کر پشاور تشریف لے آئے ۔ آپ نے اگلے روز ہنگامی پریس کانفرنس کرنا چاہی تو خفیہ راستوں سے مخصوص صحافیوں کو اطلاع دی گئی اور انہیں مذکورہ مقام سے پشاور کے معروف عالم دین سید عالم موسوی صاحب کے گھر لایا گیا جہاں آپ نے پریس کانفرنس سے خطاب کیا۔

ادھر پشاور میں گرفتاری کی کوششیں ہو رہی تھیں تو اس وقت کوئٹہ کی سڑکیں خون سے غلطاں اور ملت جعفریہ ماتم کناں تھی مگر ایسے گھمبیر حالات میں بھی آپ کا رابطہ ملک بھر سے قائم رہا۔ آپ کی ہدایت پر ملک گیر مظاہرے شروع ہو گئے ۔ آپ نے اپنے رفیق علماء سے اپیل کی کہ وہ کوئٹہ پہنچیں اور متاثرین کی دلجوئی کریں۔ قائد کی ان ہدایات پر جو علماء کوئٹہ پہنچے ، انتظامیہ نے انہیں بھی تشدد کا نشانہ بنایا۔

کراچی کے ضعیف العمر عالم دین کو اس قدر زدوکوب کیا گیا کہ مارنے والے یہ سمجھے کہ وہ فوت ہو گئے ہیں اور انہیں سڑک کے کنارے فٹ پاتھ پر پھینک کر چلے گئے ۔

اسی طرح آقا محمد جمعہ اسدی اور آقا یعقوب توسلی صاحب کو زندان میں کئی دن تک سونے نہیں دیا گیا۔ تحریک کے جنرل سیکرٹری سید وزارت حسین نقوی ایڈووکیٹ جب کوئٹہ پہنچے تو تلاشی پر انکی کار سے تحریک کا لیٹر پیڈ برآمد ہونے پر انہیں شدید تشدد کا نشانہ بنایا گیا اور ان کے بیٹے کے دو دانت توڑ دیئے ۔ کوئٹہ میں کرفیو نافذ ہوا تو وہاں کی شیعہ آبادی کو سہولیات اور ضروریات زندگی سے محروم کر دیا گیا۔

حکومت نے اپنی مکروہ سازش کی پردہ پوشی کے لئے ہاتھ پاؤں مارے کبھی شیعہ حضرات کے خلاف مقدمات بنائے گئے اور کبھی وزیر داخلہ نے غیر ملکی سازش کا نام دے کر اپنے داغ چھپانے چاہے۔ جہاں دیگر سیاستدانوں نے اس سانحہ کی مذمت کی وہاں سابق وزیر اعلیٰ محمد اکبر خان بگٹی کا وزیر داخلہ کے جواب میں بیان بڑی اہمیت کا حامل تھا۔ انہوں نے کہا کہ ''حکومت کا یہ کہنا کہ سانحہ کوئٹہ میں غیر ملکی ہاتھ ہے، بجا ہے، البتہ غیر ملکی دشمن ہم سے دس ہزار میل کے فاصلے پر ہے۔ ایران کو

ملوث کرنے کی بات دراصل امام خمینیؒ کی ذات اور اسلامی انقلاب کو بدنام کرنے کی سازش ہے۔ ہمارے عوام باشعور ہیں انہوں نے حکومت کی اس سازش کو تقریباً ناکام بنا دیا ہے۔ وگرنہ کوئٹہ میں خوفناک تباہی ہوتی''؟

سابق وفاقی وزیر میر ظفر اللہ جمالی نے بھی اپنے ایک ایسے بیان میں کہا تھا۔ ''سانحہ کوئٹہ سے قبل غیر ملکی اہم شخص جو کوئٹہ آیا تھا وہ امریکی سفیر ''ڈیسن یلسٹن'' تھا۔ کے قیام کے دوران اس کی سرگرمیاں کافی مشکوک تھیں لہذا یہ سانحہ امریکی سازش کا نتیجہ ہے''۔ بلوچستان کی دو بڑی سیاسی شخصیات کے ان بیانات نے امریکہ کو بے نقاب کیا اور حکومت پاکستان کو مزید الجھن میں ڈال دیا۔ حکومت نے کوئٹہ میں نہ صرف خون کی ہولی کھیلی بلکہ ظلم و بربریت کی ایک وحشت ناک یاد تازہ کر دی۔ کرفیو، مستورات اور بچوں پر تشدد، گمراہ کن پراپیگنڈہ اور سینکڑوں افراد کی گرفتاریاں اور انہیں جھوٹے سنگین مقدمات میں ملوث کرنا ایسے اقدامات تھے جو مارشل لاء دور میں پہلی بار ملت جعفریہ کے خلاف کئے گئے۔

ان کٹھن حالات کے باوجود بھی آپ نے مرکزی کونسل کا اجلاس بلانے کی ہدایت جاری کی۔ جس میں ملک بھر سے مرکزی کونسل کے اراکین کی ایک کثیر تعداد نے پوری شد و مد کے ساتھ شرکت کی۔ چنانچہ ''رضویہ ہال صادق آباد'' میں یہ اجلاس کامیابی کے ساتھ منعقد ہوا اور حکومت کو مداخلت کی جرات نہ ہوسکی۔ اس بھرپور اجلاس میں سانحہ کوئٹہ کے ہر پہلو پر بحث ہوئی اور اسکی مکمل ذمہ داری حکومت وقت پر عائد کی گئی اور یہاں سے اس عزم کا اظہار کیا گیا کہ ملت جعفریہ اپنے حقوق کے حصول کیلئے ایسی قربانیاں دیتی رہے گی اور اپنے آئینی اور مذہبی حقوق سے روگردان نہیں ہوگی۔

اجلاس میں قائد عزیز پر حکومت کی طرف سے عائد پابندیوں پر شدید غم و غصہ کا اظہار کیا گیا اور مطالبہ کیا گیا کہ محبوب رہنما کو عوام سے دور نہ رکھا جائے۔ اس اجلاس میں شہداء اور متاثرین کوئٹہ کی امداد، اسیران کی رہائی اور مقدمات کی پیروی کے بارے میں ٹھوس لائحہ عمل کا اعلان کیا گیا۔ اس کے ساتھ ساتھ علماء اور دیگر اسیران کوئٹہ کی رہائی کے لئے علماء اور دینی مدارس کے طلبہ کا اسلام

آباد میں ایک احتجاجی مظاہرہ کرنے کا فیصلہ بھی کیا گیا۔

اس فیصلہ کے تحت علماء کرام کا مظاہرہ ترتیب دیا گیا۔ ۱۲ جولائی کو ہونے والے پاکستان کی تاریخ کے اس منفرد احتجاجی مظاہرے میں دو ہزار سے زائد علماء کرام و دینی مدارس کے طلباء نے شرکت کی۔ روحانی لباس میں ملبوس علماء کرام کا یہ پروقار جلوس تمام پابندیاں عبور کر کے مدرسہ آیت اللہ الحکیم راولپنڈی سے وزارت مذہبی امور کے دفتر کے سامنے پہنچ گیا اور ارجنٹائنز پارک میں کئی گھنٹوں تک احتجاج کا سلسلہ جاری رکھا۔

اسی اثناء میں حکومت سے مذاکرات بھی جاری رہے کوئی حتمی فیصلہ نہ ہونے کی صورت میں علماء کرام نے اسلام آباد میں دھرنا دینے کا فیصلہ کیا اور مرکزی امام بارگاہ میں کیمپ لگا لیا۔ آخر تین چار روز کے اس احتجاج کے بعد حکومت بعض مطالبات تسلیم کرنے پر رضامند ہوگئی۔

بیسیوں افراد سنگین مقدمات کے الزام میں جیل کے اندر تھے ایسے میں علامہ سید عارف حسین الحسینی نے حتمی فیصلہ کیا کہ قانونی جنگ کے ساتھ ساتھ اپنے ساتھیوں کی رہائی کے لئے بھرپور تحریک چلائی جائے۔ آپکے اس فیصلہ پر سب سے زیادہ منظّم کام آئی۔ایس۔او پاکستان نے کیا۔ان نوجوانوں نے مظاہرے اور نشر و اشاعت کے ذریعے پاکستان میں یادگار تحریک چلائی۔ مرکز کی پالیسی کے مطابق آئی۔ایس۔او کے نوجوانوں نے لاکھوں کی تعداد میں حکومت کو خطوط اور ٹیلی گرام ارسال کئے۔اسیران کوئٹہ کی رہائی کی تحریک کا یہ حال تھا کہ آئی۔ایس۔او کا ہر نوجوان ہر آئے دن اپنا شرعی فریضہ سمجھ کر اسیران کوئٹہ کو خط اور حکومت کو ٹیلی گرام بھیجتا تھا۔جنہیں وصول کرتے کرتے حکومت تنگ آ گئی تھی۔صدارتی ہاؤس میں کام کرنے والے ایک شخص کے بقول کہ حالت یہ تھی کہ صدر کے پی۔اے اور سیکرٹری کسی بھی ٹیلی گرام کو دیکھ کر بے اختیار کہہ دیتے تھے کہ آئی۔ایس۔او کی ٹیلی گرام ہوگی۔

شہدائے کوئٹہ کا چہلم:۔

شہدائے کوئٹہ کو خراج عقیدت پیش کرنے اور ان کے خون سے ایفائے عہد کا پہلا موقع

شہداء کا چہلم تھا حکومت کسی حد تک خواہاں تھی کہ اس ملک گیر چہلم کے موقع پر ملت جعفریہ کوئی جذباتی قدم اٹھائے جس سے اسے مزید سازشوں کی تکمیل کا موقع مل سکے۔ مگر علامہ عارف حسین الحسینی نے اپنی قائدانہ صلاحیتوں اور عمیق نگاہوں کی بدولت شہداء کے چہلم پر پوری قوم کو ایک لائحہ عمل دیا۔

۱۹ اگست کو شہداء کا چہلم علمدار روڈ پر عید گاہ میں منایا گیا چہلم کی مجالس میں ہزاروں افراد نے شرکت کی جن کا جوش و جذبہ دیدنی تھا۔ ہر زبان پر شہداء سے ایفائے عہد کے نعرے اور ہونٹوں پہ ان کے ہجر کی سسکیاں رواں تھیں۔ پورا اجتماع اشکبار اور پر ملال تھا۔ والدین اپنے بیٹوں اور بہنیں اپنے بھائیوں کو رو رہی تھیں۔ جبکہ باقی افراد شہداء کی مظلومیت پر آنسو بہا رہے تھے۔

اسی اثناء میں حکومت نے فوراً ہی اسیران کوئٹہ پر مقدمات قائم کر لئے۔ ۱۲۸ افراد کا مارشل لاء عدالت میں چالان بھیج دیا گیا جبکہ ۴۸ افراد گرفتار اور ۸۰ افراد مفرور قرار دے دیئے گئے۔ اسی دوران موچی دروازہ لاہور میں ایم۔آر۔ڈی کا جلسہ ہوا جس میں سانحہ کوئٹہ کی مذمت کی گئی اور اسے حکومت کی ایک سازش قرار دیا گیا۔

اگست میں ماہ محرم کا آغاز ہوا۔ ایام عزا میں سانحہ کوئٹہ کی حقیقت اور شہداء و اسیران کی مظلومیت کے پرچار کے لئے بہترین موقع تھا۔ تحریک نے اپنے مذہبی اجتماعات میں اپنی مظلومیت کا خوب پرچار کیا اور جذباتی ماحول کی بدولت مظلوموں سے محبت اور ظالم حکمرانوں سے نفرت کا لاوا پھٹ پڑا۔ مجالس کے اجتماعات میں ملک گیر سطح پر اسیران کوئٹہ کے پیغامات سنائے گئے جنہوں نے پوری قوم کے اندر ملی احساس کو تڑپ بخشی۔

تاریخی لانگ مارچ:۔

حکومت اسیران کوئٹہ کی رہائی اور دیگر مطالبات تسلیم کرنے میں مسلسل ٹال مٹول کرتی رہی جب پر امن مطالبات، مظاہرے اور دیگر اقدامات سے مسائل حل نہ ہوئے تو علامہ عارف حسین الحسینی نے آخری قدم اٹھانے کا فیصلہ کر لیا۔ ۱۰ اپریل ۱۹۸۶ء کو تحریک کے دوسرے سالانہ کنونشن منعقدہ ملیر کراچی میں تحریک کی مرکزی کونسل کے خصوصی اجلاس میں یہ

فیصلہ کیا گیا کہ اگر حکومت نے ۱۹ اپریل تک مطالبات تسلیم نہ کئے تو تحریک نفاذ فقہ جعفریہ پاکستان ۲۰ اپریل سے بھرپور تحریک چلائے گی اس پر بھی حکومت نے مثبت جواب نہ دیا تو یکم مئی ۱۹۸۶ء سے ملک کے کونہ کونہ سے کوئٹہ لانگ مارچ کیا جائے گا۔

ملک بھر میں آپ کی جراتمندانہ فیصلہ کا خیر مقدم کیا گیا۔ ملت جعفریہ کی تمام تنظیموں اور کارکنان نے شہر شہر، گاؤں گاؤں پہنچ کر قائد کا پیغام پہنچایا اور اس تاریخی اعلان کی بھرپور تشہیر کی۔ ملک بھر کے درودیوار حتی کہ ٹرینوں، بسوں اور ویگنوں وغیرہ پر ''چلو چلو کوئٹہ چلو'' تحریر کر دیا گیا۔

فیصلہ یہ ہوا کہ سب سے پہلے ۱۴ افراد پر مشتمل ایک اعلی وفد راولپنڈی سے کوئٹہ روانہ کیا جائیگا۔ شدید خدشہ تھا کہ حکومت مزاحمت کرے گی اور اس وفد کے اراکین کو کوئٹہ نہیں پہنچنے دیا جائے گا کسی بھی صورتحال کے رونما ہونے کے بعد ۷۲ افراد کا وفد راولپنڈی سے کوئٹہ روانہ ہوگا۔

خلاف توقع ۲۰ اپریل کو روانہ ہونے والا پہلا وفد بخیر و خوبی ۲۱ اپریل کو کوئٹہ پہنچ گیا جس کا بھرپور استقبال کیا گیا۔ حکومت نے کسی قسم کی مزاحمت کی جرأت نہ کی بلکہ بلوچستان کے گورنر ریٹائرڈ جنرل موسیٰ خان نے علامہ سید ساجد علی نقوی جو اس وفد کی قیادت کر رہے تھے، کو مذاکرات کی دعوت دی۔ ان مذاکرات کا سلسلہ دو روز تک جاری رہا۔ اسی دوران ملک بھر میں ایک حساس کیفیت برقرار رہی۔ آخر ۲۲ اپریل کی شام کو حکومت نے تحریک کے تمام مطالبات تسلیم کر لئے۔ اسیران کی فوری رہائی اور ان کے خلاف مقدمات واپس لے لینے کا وعدہ کیا جس کا ریڈیو، ٹیلی ویژن پر باقاعدہ اعلان کیا گیا۔

مطالبات تسلیم ہو جانے پر علامہ عارف حسین الحسینی نے پشاور سے قوم کے نام اپنا ایک پیغام جاری کیا جس میں لانگ مارچ منسوخ کرنے کا اعلان کر دیا۔ اس پیغام میں ان احباب کا شکریہ بھی ادا کیا گیا جنہوں نے اس پروگرام کی کامیابی کیلئے شب و روز زحمت اٹھائیں۔

۲۳ اپریل کو چند ذمہ دار رفقاء کے ساتھ آپ کی ایک خصوصی نشست ہوئی جس میں فیصلہ کیا گیا کہ آپ ۲۴ اپریل کو کوئٹہ ایکسپریس کے ذریعے راولپنڈی سے کوئٹہ روانہ ہوں تا کہ اسیران اور شہدا کے پسماندگان کی حوصلہ افزائی کے ساتھ انہیں خراج تحسین پیش کیا جا سکے۔ آپ نے اہم

افراد کو اپنے ساتھ چلنے کا پیغام بھیجا اور ۲۴ اپریل کو پروگرام کے مطابق آپ کوئٹہ ایکسپریس سے کوئٹہ روانہ ہوئے۔

راولپنڈی اسٹیشن پر ایک تاریخی ہجوم نے اپنے قائد کو الوداع کہا۔ ملت جعفریہ کے پیرو جوان ہر اسٹیشن پر جمع ہوئے۔ راستے میں جہلم، گجرات وزیر آباد اور گوجرانوالہ میں ہزاروں لوگ اپنے عظیم قائد کی جھلک دیکھنے کے منتظر نظر آئے یہ مسافر ٹرین تحریک کا ایک کارواں بن گئی۔

ٹرین لاہور پہنچی تو ایک عظیم اجتماع نے محبوب قائد کا فقید المثال استقبال کیا اور پورا اسٹیشن ''پوری قوم کے دل کا چین، عارف حسین، عارف حسین'' قائد کے فرمان پر جان بھی قربان ہے'' کے نعروں سے گونج اٹھا۔ اس پورے ماحول کو قائد کی موجودگی اور نوجوانوں کے دستوں نے پر عزم بنائے رکھا۔ یہ روح پرور منظر اس وقت مزید پر رونق ہوا جب علامہ سید عارف حسین الحسینی ریل کے ڈبے سے نیچے اترے اور اپنی قوم کے افراد میں گھل مل گئے۔ حفاظتی انتظامات کو بلائے طاق رکھتے ہوئے اپنے عقیدتمندوں کے اصرار پر اسٹیشن کے پل کے اوپر تشریف لے گئے اور وہاں کھڑے ہو کر بیس پچیس منٹ تک خطاب فرمایا۔ اس وقت اسٹیشن لاہور کے پلیٹ فارم نمبر ۲ اور ۴ کھچا کھچ بھرے ہوئے تھے۔

یہاں اس امر کا تذکرہ ضروری ہے کہ لاہور کے مخیّر حضرات نے اپنے محبوب قائد کی اپیل پر ان سنگین حالات میں دل کھول کر عطیات دیئے اور ٹرین میں آپ کے حضور نذرانے پیش کئے۔

اس سے آگے رات کا سفر شروع ہوا۔ رات بھر لوگ ہر اسٹیشن پر جہاں ٹرین رکتی استقبال کرتے۔ یہ لوگ اپنی گود میں معصوم بچوں کو لئے اسٹیشن پر اپنے قائد کے منتظر ہوتے۔ جب آپ روہڑی اسٹیشن پر پہنچے تو رات کے ڈیڑھ بج چکے تھے۔ تاہم ہزاروں لوگ اپنا آرام قربان کئے اپنے قائد کے منتظر تھے۔ آپ روہڑی اسٹیشن پر ہی تھے کہ آپ کو اطلاع دی گئی کہ حکومت بلوچستان نے تمام اسیران کوئٹہ کو جیل سے رہا کر دیا ہے۔ یہ سنتے ہی عوام نے فاتح قائد عارف حسین کے نعرے لگانے شروع کر دیئے اور یوں عارف حسین الحسینی کو وقت کے بہت بڑے آمر پر ایک عظیم فتح حاصل

ہوئی جس کے نتیجے میں آپ اپنی قوم میں سربلند ہوئے مگر حکومت کی آنکھ میں خار بن گئے۔

فاتح قائد کا استقبال:۔

قائد اپنے کارواں کے ساتھ شہداء کی سرزمین کوئٹہ پہنچے تو پورا شہر اسٹیشن پر پہنچ چکا تھا۔ ملت جعفریہ کے تمام بچے، مرد و خواتین اور پیر و جواں فاتح قائد کا استقبال کرنے آئے ہوئے تھے۔ آج شہداء کی قربانیاں دینے والا شہر اپنے محبوب قائد کے لئے چشم براہ تھا۔ کوئٹہ اسٹیشن کے تمام پلیٹ فارم، اسٹیشن کی عمارت کی چھتیں، وہاں پر موجود ٹرینوں اور پلوں اور ہر وہ جگہ جہاں پر کسی انسان کے کھڑے ہونے کا امکان تھا، انسانوں سے بھری تھی۔ بھیڑ اس قدر سخت تھی کہ کوئی شخص پاؤں نہیں اٹھا سکتا تھا۔ ٹرین کے اسٹیشن پر پہنچنے پر ہر ایک نگاہ اس ڈبے پر مرکوز تھی جہاں سے قائد نیچے اترنے کی کوشش کر رہے تھے۔ ہجوم کی شدت کے باعث آپ کو تقریباً انیس منٹ تک نیچے قدم رکھنے کیلئے جگہ نہ مل سکی۔

بصد مشکل آپ نیچے اترے اور وی۔ آئی۔ پی روم تک راستہ بنایا گیا۔ محبوب قائد کو پھولوں کی سرخ پتیوں میں چھپا لیا گیا۔ سرخ پتیوں کے لباس میں ملبوس قائد کو دیکھ کر لوگ ۶ جولائی کو خون میں نہلائے شہداء کی یاد میں آہیں بھرتے رہے اور ماحول پہ طاری سسکیوں نے فاتح قائد کو بھی اشکبار کر دیا۔ آپ سب سے پہلے شہداء کی قبروں پر تشریف لے گئے جہاں سسکیاں چیخوں میں بدل گئیں اور چیخیں ماتم کی شکل اختیار کر گئیں۔ آپ نے ہر شہید کی قبر پر فاتحہ پڑھی اور منٹوں تک سر جھکائے خاموش کھڑے دعائیں پڑھتے رہے۔ تھوڑی دیر بعد ضبط کو فطرت پر غالب پا کر خطاب کرتے ہوئے فرمایا ''میں خراج عقیدت پیش کرتا ہوں ان شہداء کو جنہوں نے اپنی خون رنگ روایات کو زندہ رکھا۔ ہم ممنوں ہیں ان شہداء کے جنہوں نے اپنے خون کا نذرانہ دے کر پوری قوم کا بھرم رکھ لیا۔ انشاء اللہ یہ بے گناہ خون ظالموں کو خس و خاشاک کی طرح بہا لے جائے گا''۔ ہم عہد کرتے ہیں کہ شہداء کے مشن اور خون کی تاثیر کو زندہ رکھنے میں کوئی فروگذاشت نہیں کریں گے۔

شام کے وقت آپ نے تمام رہا شدہ اسیران سے مدرسہ امام صادقؑ کے ہال میں ایک خصوصی نشست کی۔ آپ نے انہیں خراج عقیدت پیش کیا اور ہر ایک سے اس کی داستان غم سنی۔

اگلے روز آپ تمام شہداء کے گھروں میں تعزیت کے لئے گئے اور پسماندگان کی دلجوئی کی۔

آپ نے تمام رہا شدہ احباب کو پارا چنار کی دعوت دی اور آئی۔ایس۔او کے ساتھیوں کو تاکید فرمائی کہ وہ ملک گیر دورہ کر کے اپنی قوم کو صحیح حالات سے آگاہ کریں کہ حکومت نے بے گناہوں پر ظلم کے کتنے پہاڑ توڑے ہیں۔اسی سانحہ میں اپنی حکمت عملی کی بناء پر علامہ سید عارف حسین الحسینی کا اپنی قوم میں وقار بلند ہوا مگر آپ حکومت کی آنکھ میں کانٹا بن گئے۔آپ وقت کے آمر جنرل ضیاء الحق کے لئے ایک چیلنج کا روپ اختیار کر گئے۔

اپنے وجود کے لئے خطرہ سمجھنے والی ان استعماری قوتوں نے سانحہ کوئٹہ کے بعد علامہ سید عارف حسین الحسینی پر کڑی نگاہ رکھی اور آپ کے خلاف منصوبہ بندی شروع کر دی۔اس سانحہ پر حکومت اور اس کے آقاؤں کو ہر پہلو سے ندامت اٹھانا پڑی اور یہی ندامت ایک ناسور کی طرح ۱۵ اگست ۱۹۸۸ء کو صبح تک ان کے قلب ونظر پر مسلط رہی۔

ادھر مغربی تہذیب کے ناخداؤں نے اسلامی انقلاب کی تابناکی میں اپنی انسان دشمن تہذیب کی ہلاکت کے امکانات کو محسوس کر لیا۔انہوں نے اپنے ذرائع ابلاغ میں یہاں تک تحریر کیا۔

Man of piety the Muslim world are the most dangrous people for the westren civilization

''امت مسلمہ میں صاحبان تقویٰ شخصیات کا وجود مغربی تہذیب کے لئے خطرہ کا باعث ہے۔''

چنانچہ ایک عالمی سازش کے تحت ہر اسلامی ملک میں معروف اور صاحب تقویٰ شخصیات کو مشخص کر کے ان کی زندگی کے چراغ گل کر دینے کی شیطانی سازش کی گئی۔جب کہ قدرت صاحب تقویٰ کو کامیاب اور پسندیدہ قرار دیتی ہے۔تو شیاطین عالم نے ایسے برگزیدہ انسانوں کے قتل کا منصوبہ بنایا۔چنانچہ باقر الصدر، موسیٰ صدر، شیخ راغب حرب، آقای بہشتی، آقای مطہری، شہید مہدی حکیم، عارف حسین الحسینی، اور شہید عباس موسوی جیسی بلند پایہ شخصیات اس عالمی سازش کی بناء پر شہادت سے ہمکنار ہوئیں۔

ملت جعفریہ کے خلاف حکومت کی منصوبہ بندی

(۱)عزاداری سید الشہدا ءؑ پر حملے:۔

حکومت علامہ سید عارف حسین الحسینی کی صلاحیتوں اور افکار سے آگاہ ہو چکی تھی اسے یقین ہو چکا تھا کہ یہ شخص روایتی مذہبی لیڈر نہیں بلکہ خلوص نیت سے ملک میں اسلامی نظام کا خواہاں ہے۔ وہ روایات سے ہٹ کر ملک میں نظام کی تبدیلی کیلئے متحرک ہے اور اپنے اداروں کی پختگی اور عمل میں معنویت رکھتا ہے۔ وہ نہ صرف امام خمینیؒ کے نمائندہ کی حیثیت سے پاکستان میں اسلامی انقلاب کی ترویج کا امین ہے بلکہ آمریت، نجدیت، سامراجیت اور ملوکیت کیلئے بیک وقت خطرہ ہے۔ آپ کے بلند پایہ افکار قائدانہ صلاحیتیں، حکومت وقت، امریکہ اور سعودیہ کے لئے بہت بڑا چیلنج تھیں کیونکہ یہ تمام عناصر پاکستان میں امام خمینیؒ کی حقیقی اسلامی فکر اور اس کے نفوذ کو اپنے وجود کیلئے خطرہ گردانتے تھے۔

چنانچہ حکمرانوں نے اہل تشیع کی ابھرتی ہوئی تعمیری سوچ اور سیاسی بصیرت کو سطحی مسائل میں الجھانے کا منصوبہ تیار کیا۔ اس منصوبہ کے تحت اہل تشیع کی شہ رگ ''عزاداری سید الشہدا ءؑ'' کو تشدد کا نشانہ بنایا گیا اور اس کی راہ میں روکاٹیں کھڑی کرنے کی ہر ممکن کوشش کی گئی۔ جس کے نتیجے میں لاہور، راولپنڈی، سرگودھا، ملتان، لیہ، ڈیرہ اسماعیل خان، جھنگ، اٹک، کراچی، بدین، بھکر، میانوالی اور بہاولپور میں ایک حکومتی پروردہ گروہ سے عزاداری پر منظم حملے کرائے گئے۔

یہ فسادات نہ صرف حکومت کے ایماء پر ہوئے بلکہ بعض مقامات پر پولیس کی نگرانی میں سرانجام دیئے گئے۔ اہل تشیع کی مساجد، امام بارگاہیں اور گھروں کو نذر آتش کیا گیا۔ عزاداری

اور ماتمی جلوسوں پر فائرنگ تک کی گئی۔ جس کے نتیجے میں بہت سے عزادار شہید ہوئے۔ ان دلخراش اور پرخطر حالات میں علامہ سید عارف حسین الحسینی نے ملک بھر کے متاثرہ علاقوں کا دورہ کیا یہاں تک کہ جہاں علم مبارک کی بے حرمتی ہوئی یا کوئی عزادار شہید ہوا آپ وہاں پہنچے۔ متاثرین کو حوصلے دیئے اور انہیں سامراج کی سازشوں سے آگاہ فرمایا۔ آپ مختلف مقامات پر مساجد، قرآن مجید اور تعزیہ کی بے حرمتی پر اشکبار ہوئے، آپ جلے ہوئے تعزیہ اور مساجد کو بوسے دیتے اور قوم سے انتہائی دردناک لہجے میں مخاطب ہو کر فرماتے ''آئندہ علم عباس وہی لگائے جو اس کی حفاظت کر سکے''۔
آپ کسی بھی شہید کے گھر جاتے تو ان کے گھر چٹائی پر بیٹھ کر شریک غم ہوتے۔

لیہ کے فسادات میں ایک انتہائی غریب گھرانے کا نوجوان شہید ہوا۔ آپ وہاں پہنچے تو متمول گھر میں آپ کے قیام کا بندوبست کیا گیا صاحب خانہ نے شہید کے غریب باپ کو بلانے کے لئے کہا تا کہ اسے تعزیت پیش کی جا سکے مگر آپ نے فرمایا ''یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ میں شہید کے باپ کو اپنے پاس بلا کر تعزیت کروں، مجھے ہر حال میں ان کے گھر میں جانا ہے''۔

آپ نے استعمار کی اس فرقہ ورانہ سازش کا مقابلہ کرنے کے لئے اپنی حکمت عملی کو چار زاویوں پر مرکوز کیا۔

۱۔ آپ نے فرقہ وارانہ فسادات کو شیطان بزرگ امریکہ کی سازش قرار دے کر اسے رسوا کیا۔
۲۔ آپ نے حکمرانوں کو اس سازش کا ذمہ دار ٹھہرا کر ملک میں ان مذموم مقاصد کا پردہ چاک کر دیا۔
۳۔ آپ نے مسلمانان پاکستان کو اتحاد بین المسلمین کی پرخلوص دعوت دی اور وحدت المسلمین کے لئے مثالی کردار ادا کیا۔
۴۔ آپ نے اپنے حقوق کے تحفظ کی جنگ جاری رکھی۔

اس حکمت عملی کا ہر زاویہ انتہائی کٹھن اور مشکل تھا مگر آپ نے عوام سے مسلسل روابط، پریس کانفرنسیں، شب روز کے دورہ جات، تقاریر اور سیمینارز منعقد کر کے تمام زاویوں کو مکمل کیا۔

(۲) شریعت بل:۔

ضیاء الحق کا ایک اور قدم جو شرعی حوالے سے ملت جعفریہ پر گراں گزرا وہ شریعت بل تھا جو

ضیاء کی خواہش پر مولانا سمیع الحق سینٹر اور قاضی عبداللطیف نے پیش کیا تھا اور بل پیش کرنے والے اس گروہ کو ''متحدہ شریعت محاذ'' کا نام دیا گیا تھا۔ شریعت بل کے پس پردہ صرف شیعہ دشمنی ہی نہیں تھی بلکہ اس کا مزید مقصد مزید دو چار سال کے لئے مولویوں کو ورغلانہ، خود ساختہ شریعت کو ایک نیا رنگ دینا اور ملت جعفریہ کو مزید مسائل میں الجھانا تھا۔ جہاں یہ بل ملت جعفریہ کے لئے گراں تھا وہاں بریلوی مکتب فکر کے ساتھ ساتھ اہل حدیث کے لئے بھی متنازعہ تھا جس کی جنگ لڑتے لڑتے علامہ احسان الٰہی ظہیر کو زندگی کی بازی ہارنی پڑی۔

ضیاء الحق کی طرف سے دیگر پیدا کردہ مشکلات، عزاداری پر حملے، غلیظ پروپیگنڈے وغیرہ کے علاوہ شریعت بل خالصتاً مسلکی حملہ تھا جو ملت جعفریہ کے لئے نا قابل قبول اور نا قابل برداشت تھا۔ علامہ سید عارف حسین الحسینی نے اپنے علماء کے تعاون سے اس اہم حساس مسئلہ پر بڑی بے جگری سے جنگ لڑی اور اپنی محنت و دلائل سے ملت مسلمہ پاکستان میں ضیائی عزائم کا پردہ چاک کر کے اسے مزید رسوا کیا۔

آزاد کشمیر کے تنظیمی و تبلیغی کنونشن میں اپنی قوم پر واضح کیا کہ ''موجودہ پیش کردہ شریعت بل سے فرقہ واریت کی بو آتی ہے لہٰذا حکومت اسے تمام مکاتب فکر کے لئے قابل قبول بنائے۔ اگر اسے موجودہ شکل میں نافذ کرنے کی کوشش کی گئی تو اس کے نتائج سنگین ثابت ہوں گے۔ ہم پاکستان میں فرقہ واریت سے بالاتر ایسا نظام چاہتے ہیں۔ جس سے اتحاد بین المسلمین قائم رہ سکے''۔

(۳) فرقہ واریت:۔

جب آپ کی شب و روز جدو جہد سے شریعت بل اور حکمرانوں کے عزائم کا پول کھل گیا اور ہر طرف سے عوامی مخالفت نے زور پکڑا تو حکمرانوں کو احساس دلایا گیا کہ تحریک نفاذ فقہ جعفریہ مستقبل قریب میں ان کے لئے ایک بہت بڑا خطرہ ہے۔ علاوہ ازیں امریکہ کی جانب سے اسی خدشہ کا اظہار بھی کیا گیا کہ اہل تشیع کا نظریہ انقلاب اسلامی ایران سے اخذ کردہ ہے لہذا اس تحریک کو آغاز ہی میں دبا دیا جائے۔

چونکہ اس نظریہ کو کسی مرحلہ پر دبانا یا صاحب تقویٰ قیادت کو اس نظریہ سے منحرف کرنا ناممکن تھا اس لئے اہل تشیع کی انقلاب اسلامی اور امریکہ سے توجہ بکھیرنے کے لئے یہاں کے چند تنگ نظر مولویوں کو حکومتی سطح پر ملت جعفریہ کے خلاف اکسایا گیا۔ گمنام اور غم روزگار میں الجھے ہوئے مولویوں کو حکومتی سطح پر تشخص اور بیرونی سطح پر بے پناہ فنڈ بخشا گیا جس کے باعث انہوں نے اسلام اور صحابہ کرام کے مقدس لبادے میں اپنا چہرہ چھپا کر ملت اسلامیہ میں رخنہ ڈالنے کی سرتوڑ کوشش کی۔

ضیاء حکومت میں فرقہ واریت کو جس قدر اچھالا گیا آج تک اس کی نظیر نہیں ملتی۔ کبھی یہ فرقہ واریت نعرہ بازی میں پھیلی اور کبھی اس زہر نے نشر واشاعت کے ذریعہ سرایت کی، کبھی یہ جرم ''دفاع صحابہ کانفرنسوں'' کی آڑ میں سرزد ہوا اور کبھی یہ سازش ''استحکام پاکستان کانفرنسوں'' کی گود میں پروان چڑھی۔

حکومت اپنی ایجنسیوں کے بھیانک کردار کا تماشا دیکھ کر اس خوش فہمی میں مبتلا ہو رہی تھی کہ فرقہ واریت سے صرف ملت جعفریہ کا تحرک ماند پڑ جائے گا اور وہ اپنے ایام حکومت کو بغیر کسی رکاوٹ کے طول دے دے گی۔ اپنے اقتدار سے مخلص حکمران یہ بھول چکے تھے کہ وطن عزیز کسی سطح پر بھی فرقہ واریت کا متحمل نہیں ہے۔

امریکہ کی خوشنودی کے لئے جلائی جانے والی فرقہ واریت کی آگ میں ملک کا استحکام جھونکنے والوں نے اپنے مفادات کے لئے وہ کچھ کیا جس کی اسلام اور قرآن اجازت نہیں دیتے۔ حکمرانوں کا حق نمک ادا کرنے کے لئے چند مولویوں نے ملت جعفریہ کے خلاف پروپیگنڈے کو تقویت دی۔ خودساختہ پمفلٹس کے ذریعے ملت جعفریہ کے خلاف زہر اگلا گیا۔

حتیٰ کہ ایک پمفلٹ میں ملت جعفریہ کے رہنماؤں جس میں نامور علماء و زعماء کے علاوہ علامہ سید عارف حسین الحسینی کا نام اور جعلی دستخط بھی تھے کی طرف سے ملت جعفریہ سے منسوب عقائد پیش کئے گئے۔ جن سے اہل سنت برادران کے جذبات کو شدید مجروح کرنے کی کوشش کی گئی۔

اس ضمن میں آپ نے لاہور کے معروف اہلسنت عالم دین مفتی محمد حسین نعیمی سے

ملاقات کے دوران واضح کیا کہ ''خود ساختہ پمفلٹ میں درج شدہ عقائد سے ملت جعفریہ کا کوئی تعلق نہیں، یہ مسلمانوں کے اتحاد کو پارہ پارہ کرنے کی مکروہ سازش ہے''۔

اس سے بڑا ظلم اور کیا ہوسکتا ہے کہ اس قسم کا زہریلا پمفلٹ ''قومی اسمبلی کے اجلاس کے دوران تقسیم کیا گیا اور یوں پہلی بار ملک کے تقدیر ساز ادارے کو فرقہ واریت کی بھینٹ چڑھانے کی کوشش کی گئی۔ یہ جرم کسی کے ایماء پر سرزد ہوا جس کا اہل وطن کو شدید دکھ ہوا ہے'' آپ نے فرمایا حکمرانو! اپنے عارضی اقتدار کو طول دینے کی غرض سے مسلمانوں میں تفرقہ ڈال رہے ہیں۔ ''لڑاؤ اور حکومت کرو'' کی پالیسی زیادہ دیر نہیں چلے گی۔ تڑپتی لاشیں اور اجڑتے گھروں کی بنیادوں پر اقتدار کی عمارت کھڑی کرنے والے حکمرانوں کو جان لینا چاہیے کہ وہ عذاب خداوندی کی گرفت سے نہیں بچ سکیں گے''۔

☆☆☆☆☆

بحیثیت داعی اتحاد بین المسلمین

پاکستان میں کئی ایک ایسے علماء اور دیگر بزرگ ہوں گے جنہوں نے مسلمانوں کے اتحاد اور یگانگت کے لئے گراں قدر خدمات سرانجام دی ہوں گی اور جن کا نظریہ یہی ہوگا کہ اتحاد بین المسلمین کی بدولت ہی وطن عزیز کا استحکام ہے اور اسلام کی بقاء ممکن ہے مگر جہاں تک تاریخ میں پڑھا ، بزرگوں سے سنا اور اپنی آنکھوں سے دیکھا، علامہ سید عارف حسین الحسینی جیسے اتحاد بین المسلمین کے حقیقی علمبردار کی نظیر کہیں نہیں ملتی۔

بہت ساری شخصیات ایسی ہوا کرتی ہیں جو افق پر چمکنے سے قبل ماضی میں اپنے قول یا فعل کے کسی ایسے تضاد میں جکڑی رہتی ہیں جن کا اثر ان کی تحریکوں پر براہ راست پڑتا ہے اور مخالفین انکے ماضی کے اسی تضاد کو منظر عام پر لاکر ان کی تحریک سے روح نکال لیتے ہیں مگر تاریخ گواہ ہے کہ علامہ سید عارف حسین الحسینی جب پاکستان کی ملت تشیع کی قیادت سنبھالنے کے بعد ملکی افق پر نمودار ہوئے تو آپ کے دامن پر ایسا کوئی داغ نہ تھا جو آپ کی شخصیت پر کسی مخالف کو انگشت نمائی کا موقع فراہم کرتا۔

قیادت سنبھالنے کے فوراً بعد آپ کا سفر اتحاد بین المومنین سے شروع ہوا جس کے لیے آپ نے تکالیف برداشت کیں، الزامات سر لئے دکھ سہے۔ مگر شب و روز کی محنت سے اپنی ملت کے اختلافات کی مکروہ سازش کا قلع قمع کر کے پوری قوم کا چین بن گئے۔ آپ فرمایا کرتے تھے کہ جب تک پوری ملت جعفریہ ایک پلیٹ فارم پر جمع نہیں ہو جاتی اس وقت تک ہم آمر حکومت سے اپنے مطالبات تسلیم کرانے میں کامیاب نہیں ہو سکتے۔

جہاں آپ ملت جعفریہ کے اتحاد کی اہمیت کا احساس رکھتے تھے وہاں اس امر سے بھی بخوبی آگاہ تھے کہ ملک کے نظام کی تبدیلی، داخلی سطح پر اسلام کی بقاء کی جنگ، اسلامی انقلاب اور مصطفوی نظام کا نفاذ اس وقت تک ناممکن ہے جب تک وطن عزیز کے تمام مسلمان بلاتفریق متحد نہیں ہو جاتے یہی وجہ تھی کہ آپ نے ملک کے نظام میں تبدیلی کے مطالبہ کے ساتھ ہی اتحاد بین المسلمین کی افادیت پر زور دیا۔

آپ نے خیبر سے کراچی تک کے مسلمانوں سے اپیل کی کہ وہ ملک میں اسلامی نظام کے نفاذ اور امریکہ کے اخراج کے لئے متحد ہو کر اپنی کوششیں تیز کر دیں۔

یہ کہنا بالکل بجا ہو گا کہ اتحاد بین المسلمین آپ کی نظر میں صرف نظریہ ضرورت کے تحت نہیں تھا جیسا کہ ماضی میں مذہبی، سیاسی رہنماؤں کے ساتھ رہا، بلکہ یہ آپ کے دل کی گہرائیوں کی صدا اور حسرت تھی جو آپ کی فطرت کا جزو بن چکی تھی۔ اگر آپ کی تمام عمر کا عمیق جائزہ لیا جائے تو دعوے سے کہا جا سکتا ہے کہ آپ نے عمر بھر کسی تقریر، تحریر یا بیان میں کسی مسلمان بھائی کے جذبات کو ٹھیس نہیں پہنچائی اور نہ اشارتاً کبھی ایسی بات کی جس سے اتحاد بین المسلمین کو زک پہنچنے کا خدشہ ہو۔ پاراچنار سے اپنی عملی زندگی کا آغاز بحیثیت مدرس کرنے کے بعد جہاں آپ نے ملت جعفریہ کرم ایجنسی کے حالات کو سنوارنے، علماء کو انقلاب اسلامی ایران کی حقیقی روح سے متعارف کرانے اور عالمی سازش کے خلاف نبرد آزما ہونے کی جدوجہد میں عملی حصہ لیا۔

آغاز سے ہی لفظ اسلام آپ کی محبت اور نفرت کا معیار تھا اسلام سے محبت کرنے والے تمام افراد آپ کے لئے محترم ٹھہرے اور اسلام کی مخالفت کرنے والے لوگ آپکی تنقید کا نشانہ بنے۔ افغان جہاد کے دوران افغان مجاہدین کی پاراچنار میں آمد پر آپ کا ملت جعفریہ کو ان کی ہر ممکنہ مدد کی تاکید فرمانا آپ کی اسلام دوستی کی بدولت تھا۔ جہاد افغانستان میں اپنے نوجوانوں کو بھیجنا بلکہ اس جہاد کو واجب سمجھ کر خود کسی مورچے میں شہید ہونے کی آرزو کرنا آپ کی اسلام وابستگی کا نتیجہ تھا۔

ذہن کے دریچے کھول دینے کے لئے یہ بات کافی ہے کہ آپ نے زندگی میں اگر کسی جہاد میں شہید ہونے کی تمنا کی ہے تو وہ جہاد افغانستان ہی تھا۔ اگر آپ کے ذہن میں شیعت نوازی

کا عنصر غالب ہوتا تو آپ ایران کے کسی مورچے کو اپنی شہادت کے لئے تجویز فرماتے۔ آپ نے افغانستان کے جہاد سے وابستگی کا اظہار فرما کر ثابت کر دیا کہ آپ سچے مسلمان اور اسلام دوست تھے۔

آپ کے زمانہ تدریس میں پاراچنار اور اسکے گرد و پیش میں کئی مرتبہ شیعہ سنی فسادات کے شعلے بھڑکے مگر آپ نے ہر ممکن کوشش کی کہ مسلمان آپس میں دست و گریبان نہ ہوں بلکہ کئی بار آپ کی محنتوں اور علمائے اہل سنت سے مسلسل روابط کی بدولت خونی جنگیں شروع ہونے سے قبل ہی ختم ہوگئیں۔ آپ کی زندگی میں پاراچنار مین قبرستان کا مسئلہ شیعہ سنی کے درمیان اس قدر شدت اختیار کر گیا کہ ہر فریق نے مورچے سنبھال لئے اور قریب تھا کہ پورا شہر راکھ کے ڈھیر میں تبدیل ہوتا مگر آپ کی قائدانہ صلاحیتوں اور اتحاد بین المسلمین کے پرخلوص جذبے کی بدولت پورا شہر تباہی سے بچ گیا حالانکہ اسی مسئلہ کے حل کے لئے صوبہ سرحد کی پوری حکومتی مشینری اور وہاں تمام ملک حضرات بے بس ہو چکے تھے۔

پاراچنار میں بحیثیت شیعہ مدرس کے آپ اہلسنت کے علماء سے مربوط رہتے اور ہر اسلامی تہوار پر پروگرام منعقد کر کے انہیں دعوت دیتے یا ان کے منعقدہ پروگرامات میں شرکت فرما کر حاضرین کو درس اتحاد دیا کرتے تھے۔

ملت جعفریہ پاکستان کی قیادت سنبھالتے ہی آپ کو قومی انتشار کا سامنا کرنا پڑا۔ ابھی آپ اپنی شبانہ روز جد و جہد اور قائدانہ صلاحیتوں کے طفیل اس دلدل سے نکلے ہی تھے کہ بین الاقوامی سازش کے تحت پاکستان میں فرقہ واریت کا طوفان کھڑا ہو گیا جو آپ کے وسیع تر پروگرام، اسلامی انقلاب اور مصطفوی نظام کی راہ میں ایک رکاوٹ کا باعث تھا۔

پاکستان میں اسلامی انقلاب کا علم لہرائے، لا الہ الا اللہ کی حکومت ہو، قرآن و سنت کی رو سے خدا کے بندوں کو انصاف میسر ہو اور ظلم اختتام کو پہنچے، مسلمان ایک دوسرے کے بھائی بھائی ہوں، اسلام دشمنوں کا پاکستان سے تسلط ختم ہو، ہر فقہ کو اس کی شریعت کے مطابق یکساں آزادی ہو، صدیوں سے رائج انگریزی ظالمانہ نظام سے نجات ملے اور پاکستان ایک حقیقی اسلامی جمہوری

مملکت کا منظر پیش کرے یہ وہ چند خواہشات تھیں جو سید عارف حسین الحسینی کے دل میں موجزن رہیں۔

آپ نے قیادت کے دوسرے ماہ ۱۹۸۴ء کو بھکر کی جامع مسجد میں عوام کے ایک بہت بڑے اجتماع سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا'' شیعہ اور سنی مسلمانوں کو چاہئے کہ وہ اپنے تاریخی اختلافات کو حدود میں رکھیں کیونکہ وہ ایک دوسرے کے دشمن نہیں ہیں۔ان کے مشترکہ دشمن امریکہ، روس اور اسرائیل ہیں جو انہیں نابود کرنے کے درپے ہیں۔ان کی نظر میں نہ شیعہ ہے اور نہ سنی، وہ ہمیں بحیثیت مسلمان کے ختم کرنا چاہتے ہیں۔لہذا ایسے میں ضروری ہے کہ ہم اپنے فروعی اختلافات کو بھلا کر اسلام دشمنوں کے خلاف مشترکہ موقف اختیار کریں''۔

اپریل ۱۹۸۴ء کو ڈیرہ غازی خان میں ایک پریس کانفرنس سے اپنی تحریک کا موقف بیان کرتے ہوئے فرمایا''تحریک نفاذ فقہ جعفریہ پاکستان کا مقصد ہرگز یہ نہیں کہ ہم ملک میں فقہ جعفریہ کا نفاذ چاہتے ہیں۔واضح رہے کہ ہم صرف اپنے لئے فقہ جعفریہ اور دیگر برادران اہلسنت کے لئے ان کی فقہ کا مطالبہ کرتے ہیں۔تاکہ مسلمانوں کے دونوں گروہ اپنی اپنی فقہ کے مطابق آزادانہ زندگی بسر کرسکیں''۔

اگست ۱۹۸۵ء کو ملتان کی پریس کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا'' دنیا کے کسی گوشہ میں مسلمانوں پر ظلم ہوتا ہے تو ظلم کے خلاف آواز اٹھانا ایک اسلامی اور انسانی حق ہے خواہ ظالم کا خاندانی مذہب کچھ ہی کیوں نہ ہو؟ ہم ہر ظلم کے خلاف آواز بلند کریں گے چاہے یہ مظالم فلسطین میں ہوں، یا لبنان میں، فلپائن میں ہوں یا ایریٹریا میں، افغانستان میں ہوں یا ہندوستان میں''۔

ملتان میں پیام یونین کے اجتماع سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا''ہم ہر ظالم کے دشمن ہیں چاہے وہ شیعہ ہی کیوں نہ ہو اور ہر مظلوم کے حامی ہیں چاہے وہ کافر ہی کیوں نہ ہو''۔آپ کے خطاب کے بعد وہاں کے اہلسنت رہنماؤں نے اعلان کیا کہ علامہ صاحب آپ ظلم کے خلاف قدم بڑھائیں ہم آپ کے ساتھ ہیں۔

اپریل ۱۹۸۶ء کو لاہور کے ریلوے اسٹیشن پر ایک استقبالیہ ہجوم سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا'' آج کچھ نادان مسلمان استعمار کے اشارے پر مسلمانوں میں اختلافات کو جنم دے رہے ہیں شاید انہیں معلوم نہیں کہ ان کے چند روز ذاتی تشخص اور مفاد کے باعث اسلام اور پاکستان کے استحکام کو کس قدر نقصان پہنچ رہا ہے۔ ہم مسلمانوں کی یہ ذمہ داری ہے کہ ہم اپنی توانائیاں آپس کے کشت وخون یا غلط پروپیگنڈہ میں ضائع نہ کریں۔ ہمیں چاہئے کہ ہم افغانستان، لیبیا، لبنان، فلسطین، اور کشمیر کے مظلوم مسلمانوں کی آواز کے لئے مشترکہ لائحہ عمل ترتیب دیں۔ اگر ہم متحد ہو گئے تو پھر دنیا کی کوئی طاقت مسلمانوں کو شکست نہیں دے سکتی۔

مئی ۱۹۸۶ء کو تحریک نفاذ فقہ جعفریہ آزاد کشمیر کے ایک تنظیمی کنونشن سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا'' ہماری بدقسمتی ہے کہ مسلمانوں نے ابھی تک اپنے آپ کو نہیں پہچانا۔۔ اگر مسلمان اپنے آپ کو پہچان لیں تو فلسطین، لبنان، افغانستان اور کشمیر سمیت ہمارے تمام مسائل حل ہو سکتے ہیں''۔ مزید فرمایا کہ سامراجی قوتیں مسلمانوں کی ہرگز دوست نہیں بلکہ بعض مقامات پر ان کی ظاہری ہمدردیاں مفادات کی تکمیل کے لئے ہوا کرتی ہیں۔ آپ نے اپنے کارکنوں کو ہدایت فرمائی کہ اتحاد بین المسلمین کے مشن کو آگے لے کر بڑھیں اور جذبات کی بجائے حواس اور احساسات سے کام لیں کیونکہ دشمن ہمیں لڑا کر اپنے مقاصد کا حصول چاہتا ہے۔

آپ کا معمول تھا کہ ملک گیر دورہ جات کے دوران جس شہر میں جاتے وہاں کے احباب اہلسنت علماء سے خصوصی نشست کی تاکید فرماتے۔ یہی وجہ تھی کہ آپ نے ملک بھر میں علمائے اہلسنت کا ایک بڑا حلقہ بنالیا تھا اور پاکستان میں اتحاد بین المسلمین اور امریکہ کے خلاف بھرپور تحریک کا آغاز کر دیا تھا۔ دعویٰ سے کہا جا سکتا ہے کہ ملک کا ایسا کوئی شہر نہیں جہاں سید عارف حسین الحسینی نے اہلسنت کے علماء دوست نہ بنائے ہوں اور جہاں وسیع النظر اور اسلام سے حقیقی مخلص علماء آج بھی آپ کو دل کی اتھاہ گہرائیوں سے یاد نہ کرتے ہوں۔

آپ نے بہت کم عرصہ میں ملت مسلمہ کیلئے اپنی درد بھری صدا بلند کی۔ مظلوموں کے حامی اور محروموں کے سہارے اس سید کی یہ صدا کبھی حقوق کی بازیابی کے لئے ملک کے ایوانوں سے ٹکرائی

اور کبھی اس کی اقوام متحدہ اور وائٹ ہاؤس میں بازگشت سنائی دی۔ آپ عمر بھر اسلام کی بقاء اور پاکستان کے استحکام کی جنگ لڑتے رہے۔ آپ کی وحدت المسلمین کی شبانہ روز جدوجہد کو ذی شعور مسلمان اور اسلام دوست لوگ سنہری حروف میں لکھیں گے مگر آپ کی یہی جدوجہد امریکہ اور اس کے حواریوں کی آنکھوں میں کانٹا بن گئی تھی۔ یہی جرم تھا جس کی پاداش میں محبتوں کا امین اور خلوص کا پیغامبر مسلمانوں سے جدا ہو گیا۔ آج بھی آپ کا ذکر کسی محفل میں ہوتا ہے تو ہر غیور مسلمان شخص کی آنکھیں نم ہو جاتی ہیں۔

☆☆☆☆☆

بین الاقوامی مسائل پر آپ کا نقطہ نظر

(ا) جہاد افغانستان:۔

علامہ سید عارف حسین الحسینی نے قیادت کا علم سنبھالا تو نہ صرف ملکی حالات دگرگوں تھے بلکہ بین الا اقوامی سطح پر ایران، عراق جنگ اور مسئلہ افغانستان جیسے سنگین مسائل درپیش تھے۔ آپ ان مسائل میں سپر طاقتوں کے کردار اور مسلم مجاہدین کی معرکہ آرائی پر پہلے ہی گہری نظر رکھے ہوئے تھے۔ مگر قیادت کے بعد آپ کی ذمہ داری اور مسئولیت کے انداز بدل گئے۔

افغانستان میں روسی فوجوں کی جارحیت کے نتیجے میں ۳۰ لاکھ افغان مہاجرین نے پاکستان میں پناہ لی اور یوں پاکستان کی مغربی سرحدوں پر روس کی عسکری موجودگی نے پاکستان اور عوام کے مزاج بدل دیئے۔

جہاں پورا پاکستان مسئلہ افغانستان اور مہاجرین کی موجودگی سے متاثر ہوا وہاں پاکستان کے شمال مغربی علاقہ جات زمینی اور فضائی حملوں کی زد میں آئے۔ افغان سرحد سے متصل ''پیواڑ'' (علامہ سید عارف حسین الحسینی کے گاؤں) پر اس جنگ کے گہرے اثرات مرتب ہوئے۔

پیواڑ کے قرب میں ہونے والے جہاد افغانستان نے مرد مجاہد علامہ سید عارف حسین الحسینی کے اشتیاق جہاد کو گرمایا جس کے نتیجے میں افغان مہاجرین کی مصیبت اور سپر طاقتوں کی جارحیت آپ کے لئے مسلسل بے قراری کا سبب بنیں۔ آپ نے اکثر اظہار خیال فرمایا کہ ''اگر میری مسئولیت مجھے اجازت دے تو میں سب کچھ ترک کر کے بہ نفس نفیس جہاد افغانستان میں

شرکت کروں اور تائید رب العزت سے افتخار شہادت پاؤں"۔

آپ نے اپنے عوام کو تاکید فرمائی کہ وہ افغان بھائیوں کی اس قدر خدمت کریں کہ رسول خداؐ کے دور کے انصار کی یاد تازہ ہو جائے۔ چنانچہ پاراچنار کی مقامی آبادی نے افغان بھائیوں کی ہر مرحلہ اور مشکل میں بڑھ چڑھ کر مدد کی۔

آپ نے پاراچنار کے عوام کو درس دیا کہ جہاد افغانستان اس بات کا متقاضی ہے کہ کفر کی افواج کے خلاف اپنے مسلمان برادران کی مورچہ زن ہو کر مدد کی جائے۔ آپ نے اپنے علماء کرام پر بھی واضح فرمایا کہ سرحدوں پر لڑی جانے والی یہی جنگ فروع دین کے چھٹے رکن "جہاد" کے حقیقی زمرے میں آتی ہے۔ لہذا اس جہاد میں حصہ لینا عین واجب ہے۔

آپ نے مختلف شعبہ ہائے زندگی سے تعلق رکھنے والے افراد کو تاکید فرمائی کہ وہ اس مرحلہ میں اپنی اپنی مسئولیت انجام دیں۔ آپ نے اپنے نوجوان افغانستان کے مورچوں میں بھی بھیجے اور اپنے مدرسے کے طالب علموں کو یہ فرض سونپا کہ وہ جنگ افغانستان میں تبلیغاتی ضروریات کو پورا کریں تاکہ افغان مجاہدین کی روحانی کمک جاری رہے۔ آپ کی خواہشات کا احترام کرتے ہوئے آپ کے طالب علم باقاعدگی سے افغان مجاہدین کے مورچوں میں جاتے اور وہاں دعائے کمیل اور قرآن مجید کے دروس دے کر جذبہ شہادت کو اجاگر کرتے۔

آپ پاراچنار سے پشاور منتقل ہوئے تو آپ نے افغانستان کے مجاہدین کے لئے قرآن فہمی، تقوی، جہاد اور امام خمینیؒ کی تعلیمات کے دروس کا اہتمام فرمایا جو ایک مدت تک جاری رہا۔ آپ افغانستان کے رہنماؤں سے کئی بار ملے اور مسئلہ افغانستان کے بارے میں ان کی مشکلات دریافت کرنے کے ساتھ ساتھ اپنے موقف سے آگاہ فرمایا۔ آپ افغانستان کے علماء قائدین سے اس قدر مربوط ہو گئے کہ پاکستان کے ملک گیر دورہ جات میں افغانستان کے چند علماء آپ کے ساتھ ہوا کرتے تھے۔ بالخصوص جہاں اتحاد بین المسلمین کے اجتماعات ہوتے آپ ان علماء کی زبانی قوم کو جنگ کی حقیقی صورتحال سے آگاہ کرتے۔ ایسے اجتماعات میں آپ اپنے عوام کو جہاد افغانستان کی حقیقت کو سمجھنے اور حصہ لینے کی دعوت دیتے۔

آپ نے زندگی کے نشیب و فراز میں کبھی جہاد افغانستان کو فراموش نہ کیا بلکہ اپنے ہر خطاب، قرارداد، سیمینار، پریس کانفرنس اور انٹرویو میں جہاد افغانستان کا دل کی اتھاہ گہرائیوں سے تذکرہ فرمایا اور جہاد میں حصہ لینے والے مجاہدین کو نہایت ضروری پیغامات ارسال فرمائے۔

اپریل ۱۹۸۸ء میں لاہور سے آپ نے خصوصی پیغام جاری کیا جس میں یہ ارشاد فرمایا کہ ''ہم اسلام کے لئے لڑنے والے مجاہدین کو یقین دلاتے ہیں کہ ہم اپنی تمام تر توانائیوں کے ساتھ آخری فتح تک ان کا ساتھ دیں گے اور رب العزت سے مکمل امید ہے کہ وہ ہمارے مجاہدین کو فتح سے ہمکنار کرے گا۔ اسی کے ساتھ ہمیں اپنے مجاہدین سے توقع ہے کہ وہ اس اسلام و کفر کی جنگ میں دشمن اسلام کی کسی سازش کو کامیاب نہیں ہونے دیں گے۔

آپ نے قرآن و سنت کانفرنس فیصل آباد میں افغان مجاہدین کے جذبوں کو سراہتے ہوئے فرمایا'' تاریخ شاہد ہے کہ روسی فوجیں جس علاقہ میں بھی داخل ہوئیں وہ علاقہ ان کی جغرافیائی حدود کا حصہ بن گیا۔ سمرقند، بخارا، بلخ و آذربائیجان اس کی زندہ مثالیں ہیں مگر افغانستان کے غیور مسلمانوں نے سویت یونین کے تسلط سے چھٹکارے کے لئے اپنے خون سے جدوجہد کی جو داستان رقم کی ہے اس نے سوویت سربراہ مخائل گورباچوف کو بھی اقرار کرنے پر مجبور کر دیا ہے کہ ''روسی فوجیں افغان مسلمانوں کے جذبہ جہاد کا مقابلہ کرنے میں ناکام رہی ہیں''۔

افغان عوام کی جدجہد کے بارے میں مزید فرمایا کہ ''افغان عوام نے سوویت یونین کے خلاف اپنی جدوجہد میں جس استقامت کا مظاہرہ کیا ہے اس نے دنیا کی ایک بڑی طاقت کو عوامی جدوجہد کے آگے نہ صرف گھٹنے ٹیکنے پر مجبور کر دیا ہے بلکہ آج سویت یونین کے رہنما افغانستان میں اپنی فوجی جارحیت کے فیصلے کو غلط تسلیم کرتے ہوئے افغانستان کی سرزمین سے اپنی فوجوں کے انخلاء پر مجبور ہو رہے ہیں۔ مجاہدین کے ہاتھوں ذلت آمیز شکست کے بعد روسیوں نے جو ہزیمت اٹھائی ہے وہ پاکستان کے نام نہاد سوشلسٹوں کے لئے لمحہ فکریہ ہے''

آپ نے پوری شد و مد کے ساتھ اس خدشہ کا اظہار فرمایا کہ افغانستان سے روسی فوجوں کے انخلاء کے بعد امریکہ یہ ہرگز برداشت نہیں کرے گا کہ افغانستان میں ایک اسلامی جمہوریہ کا قیام

عمل میں آئے جبکہ ہمارے مجاہدین اسی مقصد کے لئے جہاد کر رہے ہیں۔ مجاہدین کے مختلف گروہ اس بات کا پیش خیمہ ہو سکتے ہیں کہ کامیابی کے باوجود ملت افغانستان کا شیرازہ یکجا نہ ہو سکے اور امریکہ مجاہدین کے ان دھڑوں میں اختلافات کو ہوا دے کر اسلامی حکومت کے قیام کے مقاصد کو خاک میں ملا دے۔

آپ نے ماہنامہ ''زنجیر'' لاہور کو انٹرویو دیتے ہوئے فرمایا کہ افغان عوام نے سوویت جارحیت کے خلاف جہاد امریکہ کے اشارے پر نہیں بلکہ دینی فریضہ سمجھ کر کیا ہے۔ ہمیں یقین ہے کہ افغان عوام سوویت افواج کے جانے کے بعد امریکیوں کو اپنے اندرونی معاملات میں دخل اندازی کی کھلی چھٹی نہیں دیں گے۔ امریکہ ضرور ایسا چاہے گا روس بھی پسپا ہو اور افغان عوام بھی اسلامی حکومت کا قیام عمل میں نہ لا سکیں اور ایک ایسی کمزور اور نام نہاد حکومت وجود میں آئے جس سے جہاد افغانستان کی روح، محنت اور مقصد فوت ہو جائے۔

آپ نے لاہور میں نوجوانوں کے ایک اجتماع سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ ''روس اور امریکہ آپس میں اختلاف یا اتفاق کر سکتے ہیں مگر یہ کبھی مسلمانوں کے دوست نہیں بن سکتے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ روس، امریکہ کسی وقت بھی اپنے مفادات کو ملحوظ خاطر رکھ کر صلح جوئی کر لیں اور افغانستان کے جہاد کو سبوتاژ کر دیں''۔

آپ نے کوئٹہ میں اپریل ۱۹۸۸ء کے ایک جلسہ عام سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا'' امریکہ اور روس کبھی بھی مسلمانوں کے خیر خواہ نہیں ہو سکتے۔ بظاہر امریکہ افغانستان میں مسلمانوں کو کچھ مراعات اور اسلحہ فراہم کر رہا ہے مگر پس پردہ وہ اپنے مقاصد رکھتا ہے۔''

آپ کی یہ پیش گوئی جنیوا سمجھوتہ کے وقت سچ ثابت ہوئی کیونکہ جنیوا مذاکرات میں روس نگارا گوا میں امریکہ کو مراعات دے رہا تھا اور اس کے بدلے میں روس، امریکہ سے افغانستان میں اس قسم کی مراعات کا مطالبہ کر رہا تھا اور اس ملی بھگت کے نتیجہ میں افغانستان جہاد کا مقصد سبوتاژ کرنے کی کوشش کی جا رہی تھی۔

آپ نے مسئلہ افغانستان کے سلسلہ میں جہاں امریکہ اور اس کے مکروہ عزائم کا پردہ

چاک کیا وہاں پاکستان کی حکومت کے کردار اور مصالحتی پالیسیوں پر بھی شدید تنقید کی۔ صدر ضیاء الحق نے جب یہ موقف اختیار کیا کہ اسے اقتدار سے ہرگز دلچسپی نہیں ہے بلکہ وہ صرف افغان جہاد کی کامیابی تک اقتدار میں رہنا چاہتا ہے۔

آپ نے اپریل ۱۹۸۸ء کو راولپنڈی میں دو روزہ فکر شہید باقر الصدر سیمینار سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ ''حکومت پاکستان نے جنیوا معاہدے پر دستخط کر کے افغان مجاہدین کے مفادات کو پس پشت ڈال دیا ہے۔ افغان مسئلے کے اصل فریق مجاہدین اور روس ہیں جبکہ پاکستان فریق نہیں ہے۔ لہذا افغان مجاہدین کی شرکت کے بغیر معاہدہ ناپائیدار ہے اور اسی لیے مجاہدین اسے تسلیم نہیں کر سکتے۔

حکومت پاکستان نے ''جنیوا معاہدہ'' پر تبادلہ خیال کے لئے ملک کے معروف سیاسی جماعتوں کو ایک گول میز کانفرنس میں شرکت اور اظہار خیال کی دعوت دی تھی۔ جو نیجو حکومت کی کوشش تھی کہ تمام سیاسی جماعتوں کو اعتماد میں لے کر متفقہ قومی موقف کا اظہار کیا جائے۔ حکومت کی اس گول میز کانفرنس میں تحریک نفاذ فقہ جعفریہ پاکستان کو بطور سیاسی جماعت کے دعوت دی گئی جس میں تحریک کے نائب صدر علامہ سید فاضل حسین موسوی نے شرکت فرمائی۔

اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ علامہ عارف حسین الحسینی نے جہاد افغانستان میں ایک تاریخ ساز کردار ادا فرمایا۔ یہ آپ کی جہاد افغانستان سے والہانہ وابستگی اور آخری حد تک افغان مجاہدین کو بھرپور امداد کا نتیجہ تھا کہ آپ کی شہادت کے بعد افغانستان کے راہنماؤں نے آپ کی خدمات کو زبردست خراج عقیدت پیش کیا۔

☆ انجینیر احمد شاہ احمد زئی مجاہدین افغانستان کی عبوری حکومت کے سابق صدر نے کہا کہ شہید علامہ سید عارف حسین الحسینی جہاد افغانستان کے مخلص پشت پناہ تھے۔ ان کی قدر و منزلت ہمیشہ ہمارے دلوں میں رہے گی۔

☆ حرکت انقلاب اسلامی کے امیر مولوی نصر اللہ منصور نے کہا کہ افغان جہاد کے نڈر سپوت کی شہادت عالم اسلام کے تمام مجاہدوں کے لئے باعث رنج و الم ہے''۔

☆ جمعیت اسلامی کے رہنما پروفیسر برہان الدین ربانی نے کہا علامہ شہید روسی جارحیت کے مقابلے میں افغان عوام کے زبردست حامی تھے اسی لئے وہ ہمیشہ ''محسن افغانستان'' کی حیثیت سے یاد رکھے جائیں گے''۔

☆ مجاہدین افغانستان کے ممتاز رہنما پیر سید احمد گیلانی نے کہا شہید مظلوم جہاد افغانستان کے نڈر ساتھی تھے ان کی بے وقت شہادت ایک نا قابل تلافی نقصان ہے''۔

☆ آقائے آصف محسنی رہنما حرکت اسلامی نے کہا علامہ مرحوم کی شہادت سے جہاد افغانستان کی روح کو دھچکا پہنچا ہے۔ کیونکہ آپ نے افغان مجاہدین کے ساتھ شانہ بشانہ کام کر کے اسلام کی بہت بڑی خدمت کی ہے''۔

(۲) انقلاب اسلامی ایران:۔

حضرت امام خمینیؒ کی جدو جہد سے فروری ۱۹۷۹ء میں ایران میں اسلامی انقلاب کامیابی سے ہمکنار ہوا۔ تاریخ اسلام میں صدیوں بعد اسلامی قوانین کو کسی ملک میں نافذ کیا گیا۔ بین الاقوامی سطح پر یہ دور زبردست نظریاتی کشمکش کا شکار تھا۔ ایسے میں اسلامی نظریات کے بین الاقوامی سطح پر ابھر کر سامنے آنے کی وجہ سے پوری دنیا ان کی طرف متوجہ ہوئی۔

مغرب و مشرق کے افکار بنی نوع بشر کو مادیت کی لپیٹ میں لئے روحانیت سے دور سے دور تر لے جا رہے تھے۔ انسانی زندگی محض مادہ پرستی اور صرف اس دنیا تک محدود سمجھی جانے لگی تھی۔ انسان اپنے خالق سے رشتہ توڑتا جا رہا تھا۔

بین الاقوامی استعماری قوتیں افریقہ اور ایشیا کے غریب ممالک کی دولت کو دونوں ہاتھوں سے لوٹ رہی تھیں۔ ان ممالک کے عوام کی پسماندگی اور زبوں حالی انسانیت کے لئے ننگ و عار بن چکی تھی۔ ایسے میں انقلاب کا پیغام اندھیری شب میں نور کی کرن بن کر انسانیت کی آنکھوں کے سامنے چمکا۔

اس انقلاب کو برپا کرنے کیلئے حضرت امام خمینیؒ کے فرمان پر لاکھوں فرزندان نے جام شہادت نوش کیا۔ان نوجوانوں کے ساتھ بلند پایہ علماء نے بھی ناقابل فراموش کردار ادا کیا۔علامہ سید عارف حسین الحسینی بھی امام خمینیؒ کے ایسے ہی ایک سپاہی تھے آپ نے اپنی ہر حکمت عملی میں اسلامی انقلاب اور اس کے نظام کی بھرپور حمایت کو اپنا شعار بنایا۔

چونکہ اسلامی جمہوریہ ایران براہ راست امام خمینیؒ کی زیر قیادت وسرپرستی میں تھا اس لئے ایران سے آپ کی دلی وابستگی بھی ایک لازمی امر تھا۔اس میں کسی شک وشبہ کی گنجائش ہی نہیں کہ ایران ملت تشیع کے علم اور تہذیب کا گہوارہ ہے۔امام رضا علیہ السلام اور معصومہؑ قم کی زیارت گاہوں کے علاوہ اسلامی یونیورسٹیاں اور حوزہ ہائے علمیہ اگرچہ ایران کی جاذبیت کا سبب رہے ہیں مگر اہل نظر اور باشعور افراد کے لئے حقیقی وابستگی یا عقیدت ایران کا اسلامی نظام اور حقیقی اسلامی قیادت ہے۔

یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہے کہ علامہ سید عارف حسین الحسینی کا معیار عقیدت اور نفرت خدا کی ذات اور اس کا دین اور رسول اکرمؐ کی ذات اور ان کی شریعت تھی۔آپ کی امام خمینیؒ سے وابستگی اسلامی انقلاب کا سورج طلوع ہونے کے بعد کی نہیں بلکہ جب امام خمینیؒ نے اسلامی انقلاب کی تحریک کا آغاز فرمایا تھا تو آپ اگرچہ اس وقت ایک طالب علم تھے مگر امام خمینیؒ کے ہر حکم کی تعمیل کرتے ہوئے انقلاب اسلامی کی اس تحریک میں دوسرے مجاہدین کے شانہ بشانہ شریک کار رہے۔

آپ کی انقلاب سے وابستگی صرف ایران میں آپ کے قیام تک ہی محدود نہ رہی بلکہ جب آپ واپس پاکستان تشریف لائے تو آپ نے انقلاب اسلامی۔کے حق میں اور شاہ ملعون کے مظالم اور غیر اسلامی اقدار کے خلاف مظاہرے کئے اور اپنی قوم کو صورتحال سے آگاہ فرمایا۔

آپ نے پاکستان میں جس دن قیادت کا علم سنبھالا تو اسی روز ایران اپنے اسلامی انقلاب کی چوتھی سالگرہ کا جشن منا رہا تھا۔مگر المیہ یہ تھا کہ استعمار کے اشارے پر عراق کی جانب سے ایران پر جنگ مسلط ہو چکی تھی اور انقلاب کے لئے ہزاروں کی قربانیاں دینے والے خاندان

ایک بار پھر اسلام دوستی کی سزا بھگت رہے تھے۔ اگر چہ آپ ایک طرف اسلامی انقلاب کے طلوع سے بے حد خوش تھے مگر دوسری جانب استعمار کی جارحیت سے کافی اداس تھے۔

آپ نے اپنے ابتدائی ملک گیر دورہ جات میں جہاں تحریک کے مقاصد اپنی داخلی جدو جہد اور عزائم کا ذکر فرمایا وہاں بین الاقوامی سطح پر دیگر مسلمانوں کے ساتھ ہونے والی زیادتیوں کے ساتھ ساتھ اسلامی جمہوریہ ایران پر مسلط کردہ جنگ اور عراق کی جارحیت کو بھی اپنی تنقید کا نشانہ بنایا۔

اس کے ساتھ ہی انقلاب اسلامی ایران کی حمایت کرتے ہوئے آپ نے بار بار فرمایا ''جہاں ہماری تحریک کا مقصد اپنے ملک میں مسلمانوں کے حقوق کی بحالی اور ہر مسلک کو اس کے عقیدے کے مطابق آزادانہ اور منصفانہ زندگی بسر کرنے کی جد جہد کرنا ہے اسی کے ساتھ ساتھ بین الاقوامی سطح پر تمام مظلوم مسلمانوں کی حمایت اور ظالموں سے نفرت کا اعلان بھی ہمارے اہداف میں شامل ہے لہذا اسلام کی بقا کے تحفظ اور شریعت محمدیؐ کے پرچار کے لئے ہم ایران کے اسلامی انقلاب اور نظام اسلامی کی بھرپور حمایت کرتے ہیں۔ ایران کا یہ انقلاب جو ہمارے لئے ایک نمونہ ہے۔ جیسے جیسے مڑتا جائے گا ہم ویسے ویسے اس کے پیچھے چلتے جائیں گے۔

فروری ۱۹۸۷ء لاہور میں ایک تربیتی کیمپ سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا ''ہم انقلاب اسلامی ایران کے حامی ہیں۔ اس لیے کہ یہ انقلاب نہ صرف خائن شاہ کی حکومت کو ختم کرنے کیلئے برپا کیا گیا بلکہ اس انقلاب نے طاغوتی حکومت کو ختم کر کے وہاں ایک اسلامی حکومت قائم کی ہے۔

انقلاب کی سالگرہ کے موقع پر فرمایا کہ ''میں اس عظیم الشان موقع پر حضرت امام خمینیؒ بت شکن کی صالح، باوقار اور باعمل قیادت کو خراج تحسین پیش کرتے ہوئے ملت ایران کو سلام عقیدت پیش کرتا ہوں۔ اس لیے کہ آج مظلوم قوتوں کی قیادت انقلاب اسلامی کی عظیم قیادت کے نقش قدم پر چلتے ہوئے بین الاقوامی استعماری قوتوں امریکہ، روس اور اسرائیل کے خلاف کھلے بندوں نفرت کا اظہار کر رہی ہے۔ اس پر مسرت موقع پر ہم تمام مسلمانوں کو دعوت دیتے ہیں کہ اپنی ذاتی پسند و ناپسند اور مفادات سے بالاتر ہو کر اسلام اور قرآن کی سربلندی کے لئے یکجا ہو کر جدو جہد کریں تا کہ

دنیا سے ظلم وتشدد، جبرولا قانونیت اور آمریت وفسطائیت کا خاتمہ ہوسکے۔

فروری ۱۹۸۷ء کو کوہاٹ کے ایک عظیم الشان جلسے سے خطاب کرتے ہوئے انقلاب کے استحکام کے بارے میں فرمایا'' آج انقلاب اسلامی نے ایسا استحکام پایا ہے کہ پوری دنیا کی سیاست پر اس کے اثرات مرتب ہورہے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ آج ''وائٹ ہاؤس'' میں تہلکہ برپا ہے اور امریکی حکومت کو پریشانیوں کا سامنا ہے۔ یہ سب کچھ انقلاب اسلامی کی وجہ سے ہے جو تمام اسلامی ممالک میں مسلمانوں کے اندر تحریک پیدا کرنے کا باعث بنا ہے۔ اس کی وجہ سے استعماری قوتوں کے مفادات کو شدید خطرہ لاحق ہے اس لیے استعمار کی بھرپور کوشش ہے کہ کسی نہ کسی طریقہ سے انقلاب کو ایران کی سرحدوں کے اندر محدود کردے۔ مگر ہم انشاء اللہ استعمار کی ایسی تمام سازشوں کو ناکام بنا کردم لیں گے''۔

جنوری ۱۹۸۸ء میں تحریک نفاذ فقہ جعفریہ پنجاب کی جعفریہ کونسل سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا'' اسلامی انقلاب دنیائے اسلام کا مقدر بن چکا ہے۔ ملوکیت، آمریت اور سامراجیت کے ہتھکنڈے انقلاب کا راستہ نہیں روک سکتے۔ مسلمانان عالم کی بیداری ان ممالک پر مسلط حکمرانوں کی آنکھیں کھول دے گی اور انہیں استعماری قوتوں کی خوشامدانہ پالیسی ترک کرکے مسلمانوں کے جذبات کا احترام کرنا ہوگا۔ پہلی بار عالمی سطح پر استعمار سے نفرت اسلامی ایران کے انقلاب کی مرہون منت ہے''۔

آپ نے اپنے اجلاس اور نوجوانوں کی تربیتی پروگرامات میں علماء اور نوجوانوں سے انقلاب اسلامی ایران کی پیروی کرنے اور اس کے تحفظ کے لئے تاکید فرمائی۔ آئی۔ ایس۔ او پاکستان کی مجلس عاملہ کے اجلاس میں فرمایا'' میں آپ باشعور اور تعلیم یافتہ نوجوانوں سے توقع رکھتا ہوں کہ آپ ایران کے غیور مسلمان نوجوانوں کی طرح معاشرے میں انقلاب برپا کریں اور انقلاب اسلامی ایران کو ہر سطح پر اپنے کردار وعمل کی روشنی سے اس قدر متعارف کرائیں کہ مسلمانان پاکستان خود بخود اسلامی انقلاب کا مطالبہ کرنے پر آمادہ ہوجائیں۔

انقلاب اسلامی ایران کی سالگرہ کے موقع پر اپنے ایک پیغام میں کہا کہ امریکہ ایک بت

ہے جسے ایران کے نہتے غیور مسلمانوں نے پاؤں کی ٹھوکروں سے پاش پاش کر دیا ہے۔ اب امریکہ اور اس کے حواریوں کی سازش ہے کہ انقلاب اسلامی ایران کو جہاں تک ممکن ہو محدود کیا جائے اور امام خمینیؒ کے افکار سے مسلمانان عالم کو بے خبر رکھنے کے ساتھ ساتھ ان کی ذات گرامی کو متنازعہ بنایا جائے۔ لہذا میں تمام مسلمانوں بالخصوص نوجوانوں سے درخواست کروں گا کہ وہ عالم اسلام کے حقیقی پیشوا اور مستضعفین جہاں کی امید حضرت امام خمینی کے افکار کو ملک کے چپہ چپہ تک پہچائیں تا کہ زمانہ حضرت امام خمینی کے افکار سے باخبر ہو کر استعمار کے ناپاک عزائم خاک میں ملا دے"۔

(۳) مسئلہ فلسطین و لبنان:۔

علامہ سید عارف حسین الحسینی کا لبنان و فلسطین سے تعلق حادثاتی نہیں تھا بلکہ لبنان و فلسطین کے مظلوم مسلمانوں سے ہمدردی اور موت کے سوداگر امریکہ کے چہیتے اسرائیل سے نفرت امام خمینیؒ کی فکر کا پہلا باب تھا جو آپ کی عرفانی لوح پر نقش ہو گیا تھا۔

یوں تو انقلاب ایران کی تحریک سے قبل کئی ایک بار نحیف تحریکوں نے سر اٹھائے مگر وہ امریکی، برطانوی اور روسی سازشوں کا شکار ہو کر دم توڑ گئیں۔ ۱۹۶۳ء میں امام خمینیؒ کے زیر سایہ جنم لینے والی اسلامی تحریک میں نہ صرف ایران کے لئے اسلامی انقلاب کا پہلو شامل تھا بلکہ پہلے روز ہی سے امریکہ سے نفرت اور اسرائیل کے خاتمہ کا اعلان اور عزم موجزن رہا۔

علامہ سید عارف حسین الحسینی نے امام خمینیؒ کی بیت المقدس کی آزادی اور لبنانی و فلسطینی مسلمانوں کے حقوق کی بازیابی کیلئے ہر ممکن جدوجہد کی آپ نے اسرائیل کے خلاف نبرد آزما لبنانی مسلمانوں، حزب اللہ کے قائدین سے مضبوط روابط قائم کئے اور انہیں ہر مرحلہ اور ہر موقع پر اپنی حمایت کا بھرپور یقین دلایا۔

فروری ۱۹۸۵ء میں جب جنوبی لبنان کے غیور مسلمانوں نے اسرائیلی فوجوں کو پسپا کیا تو آپ بے حد خوش ہوئے اور آپ نے افغانی مسلمانوں کے نام ایک پیغام ارسال کیا جس میں لبنانی مجاہدین کی مثال پیش کرتے ہوئے فرمایا "اے مجاہدین اسلام جس طرح لبنان کے غیور مجاہدین نے

اسرائیلی فوجوں کو انخلاء پر مجبور کر دیا ہے۔ آپ بھی روسی فوجوں کو اپنے وطن سے اسی طرح مار بھگائیں اور مصلحتی صلح کے شکنجوں میں نہ آئیں''۔

جون ۱۹۸۵ء پشاور میں ایک پریس کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا ''لبنان کے جیالے مجاہد حقیقی معنوں میں اللہ پر بھروسہ کئے ہوئے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ وہ تن تنہا بیک وقت اسرائیل اور نام نہاد سپر طاقتوں سے نبرد آزما ہیں۔ ان مجاہدین نے جنوبی لبنان سے اسرائیل کو ذلت آمیز شکست دے کر تاریخ میں وہ مقام حاصل کیا ہے جسے سنہری حروف سے لکھا جائے گا۔ آپ نے اسی پریس کانفرنس میں آئمہ مساجد اور صحافیوں سے قدس کی آزادی اور اسرائیل کی نابودی کے لئے قلمی اور ادبی خدمات کی بھرپور اپیل کی اور فرمایا۔

''قدس کی آزادی اقوام متحدہ کی قراردادوں، مصلحتی گفت وشنید، کمزور معاہدوں اور سپر طاقتوں کے مداح خانوں کے رحم وکرم سے نہیں بلکہ ایک مسلح جہاد اور مستحکم قیام کے ذریعے ایسا ممکن ہے۔ اگر قدس کا مسئلہ مسلمان حکمران اپنے ہاتھ میں لے لیتے تو قدس کب کا آزاد ہو چکا ہوتا مگر افسوس کہ اسلامی ممالک کے سربراہان فلسطینی عوام کے دشمن ثابت ہوتے ہیں اور یہی لوگ خفیہ طور پر اسرائیل سے مربوط اور امریکہ کی اطاعت میں مشغول ہیں۔ ہم ایسے حکمرانوں کو مخلص کیسے سمجھیں جو بیت المقدس کی آزادی کو بھی بجا سمجھتے ہیں اور امریکہ کی دوستی پر بھی فخر کرتے ہیں۔ لہذا میں تمام مسلمانوں سے قدس کی آزادی کے لئے اپنے فلسطین ولبنانی مجاہدین برادران کی حمایت اور تعاون کی اپیل کرتا ہوں''۔

آپ نے ۱۹۸۶ء کے یوم القدس کے موقع پر مسلمانوں سے اپیل کی تھی کہ بیت المقدس تنہا عرب یا فلسطین کا مسئلہ نہیں بلکہ یہ ایک اسلامی مسئلہ ہے لہذا تمام مسلمانوں کو اپنے وسائل کو بروئے کار لاتے ہوئے اس مسئلہ کا حل تلاش کرنا چاہیے۔

☆ مسلمانوں کو چاہئے کہ وہ امریکہ اور اسرائیل کے خلاف اسلامی جہاد کے لئے صف بستہ ہو جائیں۔

☆ اسرائیل کے اصل حامیوں کا اقتصادی بائیکاٹ کریں اور تیل کو اپنے اقتصادی ہتھیار کے طور پر

استعمال کریں۔

☆ صیہونیت دوست ممالک کے بنکوں سے مسلمان اپنا سرمایہ نکلوالیں۔

☆ اسرائیل جو ظلم کے بل بوتے پر وجود میں آیا ہے اسے طاقت کے ذریعے صفحہ ہستی سے مٹادیں۔

☆ اسرائیل سے مصالحتی کوششوں کا بائیکاٹ کریں اور وہ تمام چہرے بے نقاب کریں جو اسرائیل کے قانوناً تسلیم کرنے کے درپے اور اس کے جرائم میں مزید اضافہ کے خواہاں ہیں۔

۱۳ فروری ۱۹۸۷ء کو جامعۃ المصطفیٰ لاہور میں تحریک کے تربیتی کیمپ سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا ''تمام مسلمان ایک جسم کے اعضاء کی مانند ہیں ہم افغانستان، لبنان، فلسطین اور کشمیر کے مسلمانوں پر ڈھائے جانے والے مظالم سے لاتعلق نہیں رہ سکتے''

آپ نے لبنان کے دورہ جات بھی کئے وہاں کے قائدین کو اپنی جدوجہد سے آگاہ فرمایا۔ آپ مجاہدین کے ساتھ محاذ پر خود تشریف لے گئے جہاں ایک مورچہ میں ساری رات گزاری اور وطن واپس آکر اپنے احباب کو بتایا کہ ہم لوگ قبلہ اول سے اتنا نزدیک تھے کہ وہاں کی روشنی اور قمقمے نظر آرہے تھے. جی چاہتا تھا کہ قبلہ اول جلد آزاد ہو اور ہم اسے بوسہ دیں مگر ہمیں حسرت رہی اور ہم مورچوں میں ماتم کرتے رہے۔ ہمیں یقین ہے کہ ہمارے ماتم کی صدائیں قبلہ اول تک ضرور پہنچی ہوں گی''۔

ایک موقع پر اخباری نمائندوں سے بات کرتے ہوئے فرمایا کہ صدر ضیاء الحق کا یہ کہنا افسوس ناک ہے کہ اسرائیل کو زندہ رہنے کا حق ہے۔ مسلمانوں کی بے حسی کا اس سے بڑھ کر کیا ثبوت ہوگا کہ اسرائیلی وزیراعظم کو دعوت دینے والا مراکش کا شاہ حسن ''القدس کمیٹی'' کا چیئرمین ہے۔

آپ نے زندگی کے آخری ایام میں ایک مرتبہ احباب کی محفل میں حسرت بھرا جملہ فرمایا کہ کیا خدا ہمیں وہ دن دکھائے گا جب امام خمینیؒ کی قیادت میں قدس آزاد ہوگا اور ہم ان کی امامت میں وہاں نماز ادا کریں مگر افسوس کہ خدا کے ان برگزیدہ انسانوں کی خواہش پوری نہ ہوسکی۔

(۴)سعودی ملوکیت:۔

سعودی عرب کے فرمانروا شاہ فیصل کے قتل کے بعد امریکہ نے اپنی پہلے سے طے شدہ منصوبہ بندی کے مطابق حجاز مقدس میں اپنے قدم جمانے شروع کر دیئے۔امریکہ کی مشرق وسطیٰ اور خلیج کے متعلق پالیسی میں یکسر تبدیلی رونما ہوئی اور نئی حکمت عملی میں امریکہ نے تین نکات کو اپنی پالیسی کا محور قرار دیا۔

۱۔مسلمانوں کے ایک مرکز کو گرفت میں لینا۔

۲۔خلیج کی ریاستوں اور ان کے وسائل پر اپنا تسلط مستحکم کرنا۔

۳۔ایران میں اسلامی انقلاب کی بدولت احیاء اسلامی کی تحریک کا تدارک کرنا۔

یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہے کہ آج امریکہ اپنے ان مقاصد کے حصول میں بڑی حد تک کامیاب ہو چکا ہے اور اس نے سعودی عرب کو اپنی گرفت میں لے لیا ہے کہ آج وہاں امریکی افواج کا مستقل قیام اصولی طور پر تسلیم کر لیا گیا ہے۔اور امریکہ کے خلاف لب کشائی سنگین جرم تصور کیا جاتا ہے۔

علامہ سید عارف حسین الحسینی کی دور بین نگاہوں نے امریکہ کی اس پالیسی کو پہلے ہی جانچ لیا تھا۔آپ سعودی حکمرانوں کے مذہبی رجحانات سے آگاہی کی بنا پر اس اندیشہ کا اکثر اظہار فرمایا کرتے تھے کہ جس ملک میں آئمہؑ اور صحابہ کے مزارات کا تقدس نہیں وہاں اسلامی انقلاب کی تحریک کے خلاف کاروائیاں خلاف توقع نہیں ہیں۔

حکومت سعودی عرب سے آپ اس لئے نالاں تھے کہ آل سعود نے اپنے نجدی نظریات کی بناء پر مدینہ منورہ میں زائرین کے لئے روضہ رسول کا بوسہ لینے اور اظہار عقیدت کرنے پر پابندی عائد کی ہوئی تھی اور یہ کہ انہوں نے ۱۹۳۵ء سے جنت البقیع جہاں اہل بیتؑ عظام وصحابہ کرام مدفن ہیں کو پامال کر کے مسلمانوں کے دل مجروح کیے ہوئے تھے۔

۸شوال ۱۹۸۵ء کو منائے جانے والے سالانہ یوم انہدام جنت البقیع کے ایک موقع پر آپ نے اپنے پیغام میں فرمایا ''۸شوال کا دردناک دن ایک بار پھر اپنے دامن میں غم کی ہزاروں

داستانیں لئے آرہا ہے۔اسی مناسبت سے مسلمانوں کے دل آل سعود کے اسی فعل پر خون کے آنسو رو رہے ہیں کہ ان کی خانوادہ رسول سے دشمنی اس قدر عروج پر پہنچ چکی ہے کہ آج شاہی محلات تو روشن ہیں مگر سرور کائنات حضرت محمدؐ کے لخت جگر حضرت فاطمۃ الزہراء سلام اللہ علیہا کی مرقد تاریکی میں ڈوبی ہوئی ہے۔ستم تو یہ کہ آج مرقد بتولؑ پر پرسہ دینے والوں کو تشدد کا نشانہ بنایا جاتا ہے۔اہل بیتؑ عظام اور صحابہ کرامؓ کی قبروں کو نہ فقط آل سعود کے حکم پر بلڈوزروں سے مسمار کیا گیا ہے بلکہ اب اسی جگہ سڑکوں اور عمارات کی تعمیر کی منصوبہ بندی کو آخری شکل دی جارہی ہے۔جس پر عالم اسلام نوحہ کناں ہے۔

سعودی خاندان جو برطانوی استعمار کی پشت پناہی سے سرزمین حجاز مقدس اور حرمین شریفین پر قابض ہوا ہے اس نے تہیہ کر رکھا ہے کہ آثار اسلامی کو ایک ایک کر کے مٹا دیں۔اسی طرح عظمت اسلام اور تقدس رسول اکرمؐ کو مجروح کیا جارہا ہے۔بعید نہیں کہ یہ خاندان نبی کریمؐ کی قبر مطہر کو بھی معاف نہ کرے''۔

علامہ سید عارف حسین الحسینی کو سعودی عرب کی پالیسی سے ہمیشہ اختلاف رہا کہ انہوں نے پاکستان میں فرقہ ورانہ تنظیموں کی کھلے عام حمایت کی اور انقلاب اسلامی ایران کے حامی مسلمانوں کو نفرت کی نظر سے دیکھا۔

اپنے مقاصد کے حصول کے لئے سعودی عرب نے اپنی اعانت سے پاکستان میں بے شمار مدارس اور مساجد تعمیر کرائیں۔متعدد فرقہ ورانہ ذہنیت کے مالک افراد کو عمرے اور حج کے لئے دعوت دی اور انہیں انقلاب اسلامی ایران کی مخالفت کے لئے مامور کیا۔اسلامک یونیورسٹی اسلام آباد میں نہ صرف یہ کہ اہل تشیع طالب علموں کے داخلہ پر پابندی لگادی گئی بلکہ اس کے ساتھ ساتھ بریلوی طلباء کی گہری چھان بین کی جانے لگی۔یہاں تک کہ پروفیسر سید ذاکر حسین کے علاوہ ایک اور پروفیسر کہ جن کا تعلق بریلوی مکتب فکر سے تھا،کو انقلاب اسلامی ایران کے مداح ہونے کی پاداش میں یونیورسٹی سے نکال دیا گیا۔

کراچی میں فرقہ وارانہ فسادات میں بعض اہم افراد ملوث پائے گئے جب ان کے خلاف

قتل کے مقدمات قائم ہوئے تو سعودی عرب کی براہ راست مداخلت سے حکومت پاکستان کو انہیں رہا کرنا پڑا۔ علامہ سید عارف حسین الحسینی نے حکومت وقت کی ان پالیسیوں کو بھی تنقید کا نشانہ بنایا جس کے تحت وہ غیر ملکی اشاروں پر فرقہ واریت جیسے جرائم کے مرتکب افراد کو رہا کر رہی تھی۔

اسلامی انقلاب ایران کی ترویج، اتحاد بین المسلمین کے حصول، فلسفہ حج کی تعلیمات اور مناسک حج کی صحیح ادائیگی کے مقاصد پورے کرنے کے لئے علامہ سید عارف حسین الحسینی نے ہر سال ایام حج سے قبل ملک کے مختلف شہروں میں پرشکوہ حج سیمینار کے انعقاد کا اہتمام کیا۔ ۱۹۸۴ء سے ۱۹۸۸ء تک یہ سیمینار لاہور، اسلام آباد، راولپنڈی، پشاور اور کراچی میں باقاعدہ منعقد ہوئے جن میں بین الاقوامی معروف شخصیات اور دانشوروں کے علاوہ ملک کے ممتاز علماء کرام اور سکالرز نے شرکت کی اور حج کی مناسبت سے انتہائی پرمغز اور دقیق مکالہ جات پیش کیے۔ ان سیمینارز میں حکومت سعودی عرب کی مذہبی پالیسی اور حج پر لگائی گئی پابندیوں کو ہدف تنقید بنایا گیا۔

۱۹۷۸ء میں حکومت سعودی عرب کا گھناؤنا ترین جرم جو مسلمانان عالم کے دلوں کو زخمی کر گیا وہ ایرانی حجاج پر فائرنگ کا تھا۔ علامہ سید عارف حسین الحسینی نے اس عظیم سانحہ کی خبر اور حضرت امام خمینیؒ کا شدید ردعمل سنا تو آپ نے اس پر گریہ کیا اور حضرت امام کی خدمت میں تعزیت پیش کی۔ اس کے ساتھ ہی آپ نے پاکستان میں سعودی نظام حکومت اور آل سعود کے خلاف زبردست تحریک چلائی۔ آپ نے ملک کے ہر بڑے شہر میں احتجاجی سیمینار، ملک گیر احتجاجی جلوس اور جلسے منعقد کرائے اور یوں دیکھتے ہی دیکھتے ملک کے قریہ قریہ میں آل سعود آل یہود کے نعرے رواج پکڑ گئے۔

آپ کی حقیقت پسندانہ تحریک کے باعث بریلوی مکتب فکر کی اکثریت نے آل سعود کے خلاف اس جنگ میں شرکت کی جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ آپ سعودی فرمانروا کی آنکھ کا کانٹا بن کر چبھنے لگے۔

آپ نے راولپنڈی، لاہور، پشاور، کراچی، کوئٹہ اور ملک کے تمام اہم شہروں میں ایرانی حجاج پر سعودی فائرنگ کے خلاف ہر جگہ اپنا موقف یوں پیش کیا۔ ''امریکہ کی خوشنودی اور ظلم کے خلاف اٹھنے والی آواز کو خاموش کرنے کی خاطر حرم امن الٰہی میں آل سعود کے ظالم و جابر حکمرانوں

نے مظلوم اور نہتے حجاج بیت اللہ پر جو مظالم ڈھائے ہیں اس سے تاریخ میں ایک وحشت ناک باب کا اضافہ ہوا ہے۔ یہاں تک کہ اس سانحہ میں معذور اور بے دست و پا حاجیوں پر بھی رحم نہیں کیا گیا۔ یہ وہ معذور افراد تھے جو پہلے بھی ایران عراق جنگ میں امریکہ اور صدام کے مظالم سے اپنے اعضاء سے محروم ہو چکے تھے اور وہ اپنے اوپر ڈھائے جانے والے ستم کا شکوہ خدا کے گھر کرنے آئے تھے لیکن انہیں کیا معلوم تھا کہ یہاں تو صدام سے بھی زیادہ سفاک حکام مسلط ہیں جو انہیں زندگی سے بھی محروم کر دیں گے۔ دنیا کا کوئی مذہب بھی خواتین پر ظلم کی اجازت نہیں دیتا مگر نہ جانے سعودی حکومت نے کن بنیادوں پر مسلمان حجاج خواتین کو شہید کیا ہے۔

تاریخ اسلام میں اس سے بھیانک مثال نہیں ملتی۔ افسوس یہ ہے کہ جو لوگ اپنے آپ کو خادم حرمین شریفین کہلواتے ہیں وہ آج اپنی جھوٹی انا اور شان و شوکت کو قائم رکھنے کے لئے مظلوم مسلمانوں کا بیت اللہ شریف میں خون بہا رہے ہیں۔ بیت اللہ کو خدائے بزرگ و برتر نے امن کا مقام قرار دیا مگر سعودی حکمرانوں نے حرم کعبہ کو پامال کرنے اور خانہ خدا میں مسلمانوں کے قتل عام سے دریغ نہیں کیا۔ آخر یہ سب کچھ کیوں ہوا؟ ایرانی حجاج کا جرم کیا تھا؟ ہاں یہی کہ وہ شیطان بزرگ اور عالم اسلام کے سب سے بڑے دشمن امریکہ اور اسرائیل کے خلاف صدائے احتجاج بلند کر رہے تھے۔

آپ نے جون ۱۹۸۸ء کو ''فلیٹیز ہوٹل'' لاہور میں دو روزہ حج سیمینار سے خطاب کرتے ہوئے برائت از مشرکین کے عنوان پر فرمایا'' حج کے موقع پر مشرکین کی مذمت قرآنی حکم ہے۔ امریکہ، روس اور اسرائیل عہد حاضر میں شرک کے عالمی مظہر ہیں۔ دنیائے انسانیت بالعموم اور دنیائے اسلام بالخصوص ان ممالک کی غنڈہ گردی، استحصال اور مظالم کا شکار ہے۔ ان مسلم کش اور خدا دشمن طاقتوں کے خلاف آواز بلند کرنے کے لئے خانہ خدا سے بہتر جگہ اور کون سی ہو سکتی ہے؟ اور مسلمانوں کو ان کے عالمی مسائل سے آگاہ کرنے کے لئے بہتر اجتماع کہاں میسر آ سکتا ہے؟ لہذا اسی ضمن میں ایرانی مسلمان حجاج کا ظالموں کے خلاف احتجاج ایک شرعی وظیفہ تھا مگر انہیں کیا معلوم کہ سعودیہ میں شریعت کا کوئی پاس نہیں''۔

انہی حالات اور جذبات کے ساتھ آپ نے سعودی حکمرانوں کے ہاتھوں سے خانہ خدا آزاد کروا کے عالم اسلام کی ایک مشترکہ کمیٹی کے حوالے کرنے کا مطالبہ کیا کیونکہ آپ کا نظریہ تھا کہ آل سعود صرف حرمین شریفین کی آڑ میں اپنے چہرے چھپائے ہوئے ہے اور امریکہ مقادات کا تحفظ اور احترام انہیں اسلامی روح سے زیادہ عزیز ہے۔

۱۹۸۸ء میں ایران نے احتجاجا اپنے حجاج کو روک لیا تو امام خمینیؒ کا برائت از مشرکین (مردہ باد امریکہ، روس، اسرائیل) کا پیغام پہچانے کے لئے علامہ سید عارف حسین الحسینی نے اپنے بعض پاکستانی احباب سے درخواست کی کہ وہ امام خمینیؒ کے اس روح پرور پیغام کو حج کے موقع پر پہچانے کا فریضہ سرانجام دیں۔ آپ کے حکم کی اطاعت کرتے ہوئے آپ کے انتہائی قریبی رفقاء نے امام خمینیؒ کا پیغام مسلمانوں تک پہنچایا اور وہ اسی پاداش میں مناسک حج ادا کرتے ہوئے سعودی عرب میں گرفتار کر لئے گئے۔ جن سے تفتیش کے دوران علامہ سید عارف حسین الحسینی کی مصروفیات اور ان کی پرزور انقلابی تحریک کے بارے میں بیسیوں سوالات کئے گئے۔ سعودی پولیس نے ان پر وحشیانہ تشدد کے بعد علامہ سید عارف حسین الحسینی کے مزید احباب کے نام دریافت کرنے کی کوشش کی۔

(۵) امریکی سامراجیت

دوسری جنگ عظیم کے بعد بین الاقوامی سیاست میں امریکہ اور روس دو بڑی طاقتیں ابھر کر دنیا کے سامنے آئیں چونکہ سیاسی اور مادی مفادات کے علاوہ ان قوتوں کے مابین اصل جنگ اپنے اپنے نظریات کے پھیلاؤ کی تھی اس لئے افریقہ اور ایشیاء کے پسماندہ ممالک بین الاقوامی سیاست کے اس گرداب میں الجھ کر رہ گئے۔ ان کے لئے لازم ہو گیا کہ مشرق و مغرب کسی ایک قوت سے اپنی وابستگی کا اظہار کریں اور اسی سے اپنی اقتصادی اور دفاعی ضروریات کے لئے دست نگر رہیں بصورت دیگر ان پسماندہ ممالک میں سیاسی عدم استحکام اور خانہ جنگی کی کیفیت پیدا ہو جاتی۔

عالمی سیاست میں ان مجبوریوں کے باعث بیسویں صدی کے وسط میں دنیا کے اکثر

ممالک مضبوط دفاعی معاہدہ جات میں منسلک ہوتے گئے ان معاہدوں میں نیٹو(NATO)واسا پیکٹ(WASA PACT) سیٹو(SETO) سینٹو(SENTO)اور دیگر کئی معاہدہ جات دوستی(FRIENDSHIP TREATIES) کا قیام وجود میں آیا جسے دیکھ کر یوں لگتا تھا جیسے دنیا دو متحرک گروہوں میں تقسیم ہو کر رہ گئی ہے۔

اس صورت حال کے پیش نظر عالمی سیاست برسوں تک سرد جنگ کی لپیٹ میں رہی اس سرد جنگ کے سب سے بڑے متاثرین افریقہ اور ایشیاء کے پسماندہ اقوام جنہیں اپنی وابستگیوں کی تبدیلی پر بڑی طاقتیں کڑی سے کڑی سزا دیتی رہیں۔ جنگ ویت نام، فلپائن کی اقتصادی تباہ حالی، لاؤس اور انڈونیشیا کی خانہ جنگی، تھائی لینڈ کی اخلاق باختگی، برما کی زبوں حالی، سری لنکا کی خوفناک خانہ جنگی، پاکستان کا دولخت ہو جانا اور بنگلہ دیش کے قیام میں مسلمانوں کا بے دریغ قتل عام، افغانستان میں پے در پے حکومتوں میں تبدیلیاں، خلیج کی ریاستوں میں عدم استحکام، اخلاقی بے راہ روی اور اسلامی اقدار کی تہہ و بالی، مشرق وسطیٰ کے قلب میں اسرائیل کے ناسور کا قیام، نائجیریا اور دیگر متعدد افریقی ممالک میں دیدہ دانستہ قحط سالی، خونریز مقامی لڑائیاں، الجزائر کی طویل خانہ جنگی، چلی میں صدر آلنڈے کا قتل اور بین الاقوامی سیاسی افق پر ان نام نہاد سپر طاقتوں کے ہاتھوں انسانیت پر مظالم کی ایسی ہزاروں داستانیں ابھر کر سامنے آئیں۔ افریقہ اور ایشیاء کے مظلومین ان بڑی طاقتوں کے تسلط سے نجات کے لئے تڑپتے رہے، مختلف ممالک میں چھوٹی بڑی تحریکیں سر اٹھاتی رہیں مگر ان کے رہنماؤں کو یا تو قتل کرا دیا گیا یا عمر بھر کے لئے پابند سلاسل کر دیا گیا۔ اسی جدوجہد میں ان غریب ممالک میں ہزارہا حریت پسندوں نے اپنے اپنے وطن پر جان نچھاور کی مگر دنیا کے کسی رہنما، دانشور یا پیشوا کو یہ جرأت نہ ہوئی کہ وہ ان دونوں طاقتوں کے خلاف بروقت موثر صدا بلند کر کے قیام کرتا۔

بیسویں صدی کی ساتویں دہائی کے آخر میں ایک جلیل القدر شخصیت نے ابھر کر سسکتی ہوئی انسانیت کو نجات کا پیغام دیا۔ انہوں نے لاشرقیہ لاغربیہ کا نعرہ اس شدومد کے ساتھ بلند کیا جس سے مشرق و مغرب کے طلسم کی گرفت شکستہ ہو کر رہ گئی۔ یہ آواز ایران کے عظیم روحانی پیشوا

آیت اللہ العظمیٰ حضرت امام خمینیؒ کی تھی جنہوں نے بیک وقت مشرق ومغرب کی قوتوں کو باطل قرار دیا اور عالمی برادری کو بیسویں صدی میں اسلامی نظام سلطنت اور عدل کے تصور کی طرف دعوت دی۔انہوں نے مظلومین جہاں کی آزادی کے لئے آواز بلند کی جو پوری دنیا میں ایک گونج بن کر سنائی دی۔ایران میں لاکھوں فرزندان توحید کی شہادت کے ثمر میں اڑھائی ہزار سالہ شہنشاہیت کا بت پاش پاش ہوگیا۔اس کے ساتھ ہی ایران میں امریکہ اور روس کے مفادات یکسر دفن ہوگئے یوں ایران دنیا کا واحد ملک ثابت ہوا جس نے بڑی طاقتوں کے استبداد سے مکمل آزادی حاصل کی۔

یوں تو امام خمینی کی نظر میں امریکہ اور روس دونوں انسانیت دشمن قوتیں تھیں مگر امریکہ اپنی پیہم ریشہ دوانیوں اور مختلف ممالک میں گھناؤنی سازشوں کا مرتکب ہونے کی بناء پر آپ کی نظر میں شیطان بزرگ ٹھرا۔

امام خمینیؒ نے امریکہ کے سیاسی استبداد اور اقتصادی غارت گری کو للکارا اور غریب اقوام کو پیغام دیا کہ وہ امریکہ کے خلاف اٹھ کھڑے ہوں اور امریکہ کے آلہ کار حکومتوں کے تختے الٹ دیں۔آپ کی اس آواز نے پوری دنیا میں ایک تاثیر پیدا کردی جس کے نتیجے میں افریقہ وایشیا کے بیشتر ممالک میں امریکہ کے خلاف نفرت کی لہر اٹھی اور ایسی تحریکوں نے جنم لیا جن کا ہدف اپنے ملک سے امریکی مفادات کو ختم کرنا تھا۔

پاکستان میں امام خمینیؒ کے اس طرز فکر کے امین علامہ سید عارف حسین الحسینی ہوئے۔اس جوانمرد مجاہد عالم دین نے پاکستان میں کھل کر امریکہ کی ریشہ دوانیوں، شاطرانہ چالوں اور سازشوں سے پردہ چاک کیا۔انہوں نے ملت اسلامیہ پاکستان کو پیغام دیا کہ وہ اپنے ملک کی سالمیت اور اسلامی اقدار کے تحفظ کے لئے مغربی ثقافت اور امریکی اثر ورسوخ کا قلع قمع کریں، ملک کے حکمرانوں کو عبرتناک شکست دیں جو امریکہ کے آلہ کار ہیں اور اسکی حاشیہ برداری میں ملکی مفادات کو ترجیح دیتے ہیں۔

آپ نے فرمایا ''امریکہ کی اسلام دشمنی کسی ثبوت کی محتاج نہیں بلکہ دنیا کا ہر اہل نظر مسلمان اس بات سے بخوبی آگاہ ہے کہ امریکہ عالم اسلام کا بدترین دشمن ہے اور دور حاضر میں اس

حقیقت کو تسلیم نہ کرنا اپنے ضمیر سے غداری ہے''۔

علامہ سید عارف حسین الحسینی کی امریکہ کے خلاف تحریک کا آغاز اس وقت ہوا جب آپ نجف اشرف میں زیر تعلیم اور امام خمینی سے اسلوب جہاد پر درس لیتے تھے جس کا ثبوت نجف اشرف اور قم المقدس میں امریکہ کے خلاف چلائی جانے والی تحریکوں میں آپ کا بھرپور کردار اور بار بار گرفتاریاں ہیں۔ جب آپ پاکستان تشریف لائے تو آغاز ہی میں امریکہ کے عزائم کے خلاف کُرّم ایجنسی کے عوام کو باخبر کیا۔

۱۹۶۵ء اور ۱۹۷۱ء کی جنگوں میں پاکستان کا اتحادی ہونے کے باوجود امریکہ کے گھناؤنے کردار کی بناء پر عوام میں امریکہ کے خلاف پہلے ہی سے نفرت کی ایک فضاء قائم تھی۔ مگر آپ نے اسے ایک نیا رخ دیا اور مادی مفادات کی جنگ کی بجائے امریکہ کی اسلام دشمنی اور عالم اسلام کے خلاف کی گئی سازشوں سے عوام کو آگاہ کیا۔ عوام کو بین الاقوامی سیاست کے اس تناظر کو اسلامی نقطہ نظر سے دیکھنے کی ترغیب دی اور امریکہ کے خلاف اپنی تحریک کے لئے ایک مضبوط اساس قائم کرلی۔

۱۰ فروری ۱۹۸۴ء کو بھکر میں قیادت کی ذمہ داری قبول کرنے سے قبل ہی پاکستان کے اندر علامہ سید عارف حسین الحسینی امریکہ کے سخت مخالف سمجھے جاتے تھے۔ مگر قیادت سنبھالنے کے ساتھ ہی آپ نے اپنی تحریک کو دو رخ عطا کئے۔ ایک ملک میں اپنے حقوق کی بازیابی اور آمریت کے خاتمہ کے لئے جدوجہد، دوسرے بین الاقوامی سطح پر مسلمانان عالم کی حمایت اور عالمی استبدادی قوتوں بالخصوص امریکہ سے نفرت کا پیغام۔

ایران میں اسلامی انقلاب سے قبل ہی پاکستان کے عوام، علماء اور سیاستدان امریکہ کو اپنے ملک کا خیر خواہ نہیں سمجھتے تھے مگر امریکہ کی اسلام دشمنی کے خلاف منظّم جدوجہد کا فقدان تھا۔ اس حقیقت سے بھی انکار ممکن نہیں ہے کہ کوئی ایک جماعت چاہے وہ کتنی طاقتور کیوں نہ ہو، پاکستان سے امریکی تسلط کے خاتمے کے لئے اس وقت تک کامیاب نہیں ہوسکتی جب تک وہ پوری قوم کو اعتماد میں لے کر انقلابی تحریک نہ چلائے۔ ملک کی بدقسمتی یہ ہے کہ اکثر سیاسی جماعتوں کا ہدف حصولِ اقتدار

ہے یہی وجہ ہے کہ وہ اس نظام کی تبدیلی کے لئے سنجیدہ نہیں رہیں۔ چونکہ علامہ سید عارف حسین الحسینی بنیادی طور پر ملک میں نظام میں تبدیلی کے خواہاں تھے اس لئے استعمار کے مروجہ نظام کو چیلنج کیا اور اپنی جدو جہد کو امریکہ کے خلاف استوار کیا۔

پاکستان میں پہلی بار امریکہ کے خلاف زوردار اور منظّم تحریک کا آغاز کرنے کے بعد آپ نے پہلے مرحلہ میں اپنے علماء، عوام اور نوجوانوں کو اعتماد میں لیا۔ آپ نے علماء کرام سے امام خمینیؒ کے رفقاء کا کردار ادا کرنے اور عوام کو عالمی دہشت گرد اور اسلام دشمن امریکہ کے مکروہ عزائم سے آگاہ کرنے کی اپیل کی۔ آغاز میں صرف نوجوان علماء نے اپنی بلندی فکری، حالات حاضرہ سے دلچسپی اور موجودہ دور کے تقاضوں سے آشنائی کی بدولت لبیک کہا اور آہستہ آہستہ مروجہ سیاست سے لاتعلق بزرگ علماء بھی اسی تحریک میں شامل ہو گئے۔

آپ اور آپ کے رفقاء نے نوجوانوں کو استعمار کے خلاف شب و روز دروس دیئے عوام کو جلسہ جلوس اور محفل میں امریکی عزائم سے روشناس کرایا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ مسجدوں سے لے کر سڑکوں تک مردہ باد امریکہ کا نعرہ سنائی دینے لگا۔ حالات یہاں تک پہنچ گئے کہ اگر ملت جعفریہ کے کسی بچے کے سامنے بھی کوئی مردہ باد مردہ باد کہتا تھا اس کا جواب ملتا امریکہ، امریکہ۔

آپ نے امریکہ کی عالمی سازشوں کے خلاف موثر صدائے احتجاج بلند کرتے ہوئے ۱۹۸۶ء میں صوبائی جعفریہ کونسل پنجاب کے ایک اہم اجلاس سے فرمایا کہ بعض غیر ملکی کمپنیاں اور ادارے مختلف منصوبوں کی آڑ میں پاکستان کے اندر اپنی حکومت کے لئے جاسوسی کر رہے ہیں۔ اسکولوں، ہسپتالوں اور رفاہی اداروں کی آڑ میں لادینی نظریات کا پرچار کر کے سادہ لوح انسانوں کو گمراہ کیا جا رہا ہے۔ حکمران طبقہ امریکہ کی ان سازشوں میں مکمل طور پر جکڑا ہوا ہے وہ سمجھتے ہیں کہ امریکہ انسانیت کی خدمت کے لئے تعاون کر رہا ہے حالانکہ حقیقتاً انسانی حقوق کی پائمالی ہو رہی ہے۔ یہاں لادینی نظریات کی ترویج اور اشاعت پر پابندی نہیں بالخصوص ہمارے معاشرہ کا نوجوان طبقہ اس آزادی کی بدولت بے راہ روی کا شکار ہے۔ امریکہ اور دیگر اسلام دشمن قوتوں کا یہ زہر ہمارے معاشرے کی رگوں میں سرایت کر رہا ہے۔ ایسے میں لازم ہے کہ علمائے اسلام اُٹھیں اور

اسلامی اقدار کی پاسبانی کے لئے امریکہ کی سازشوں کو خاک میں ملا دیں۔

فروری ۱۹۸۶ء کو امام بارگاہ علمدار حسینی پشاور میں ایک خطاب کے دوران فرمایا۔

''مسلمانوں کے زوال اور تباہی کا باعث ہمیشہ ملوکیت رہی ہے۔ آج عرب ممالک میں ملوکیت کا راج مسلمانوں کے لئے لمحہ فکریہ ہے۔ یہ بات واضح ہو چکی ہے کہ امریکہ مسلم ممالک میں ان اقدامات کی سرپرستی کرتا ہے جو مسلمانوں کی تباہی کا باعث ہوں۔ جمہوریت کا دعویدار امریکہ آج ملوکیت کی حمایت اس لئے کر رہا ہے کہ اس سے مسلمانوں کے حقوق کی پائمالی ہوتی ہے''۔

آپ نے ۱۶ مئی ۱۹۸۶ء کو یوم مردہ باد امریکہ کا اعلان کیا اور مسلمانان پاکستان پر واضح کیا کہ ۱۶ مئی وہ دن ہے جس دن امریکہ نے چالیس سال قبل اسرائیل کے نجس وجود کو جنم دیا تھا۔ آپ کے اس اعلان پر ملک بھر میں پہلی بار یوم مردہ باد امریکہ منایا گیا۔ آپ نے بذات خود اسی موقع پر چوک یادگار پشاور میں امریکی پرچم کو نذر آتش کر کے امریکہ سے نفرت کا برملا اظہار فرمایا۔

امریکہ کے خلاف آپ کی جدوجہد کا یہ اثر ہوا کہ جب بھی کوئی امریکی وفد پاکستان آتا یا امریکہ پاکستان میں اپنی مداخلت کی نئی راہ اختیار کرتا تو اس کے خلاف ملک گیر مظاہرے ہوتے۔ یہاں تک کہ ۱۹۸۵ء میں امریکہ کا وائس پریزیڈنٹ جارج بش (جو بعد میں امریکا کا صدر بنا) سرکاری دورے پر پاکستان آیا تو لاہور ائیر پورٹ پر چند انقلابی نوجوانوں نے صدر پاکستان کی موجودگی میں امریکہ مردہ باد کے نعرے لگائے۔ اس کی گاڑی کے سامنے امام خمینیؒ کی تصاویر اور (Down with U.S.A) کے پلے کارڈ بلند کئے جس پر انتظامیہ سخت برہم ہوئی اور ان نوجوانوں پر وحشیانہ تشدد کیا۔

۱۹۸۶ء کے اوائل میں جب کراچی کے ساحل پر امریکی بیڑا خصوصی مشن کے لئے لنگر انداز ہوا تو علامہ سید عارف حسین الحسینی نے پوری قوم پر واضح کیا کہ امریکی بیڑے کی اچانک آمد ہماری سلامتی کے منافی ہے۔ امریکی بیڑے کی آمد کے پس پردہ کئی ایک مقاصد پوشیدہ ہو سکتے ہیں۔ وگرنہ امریکی بیڑے ۱۹۷۱ء کی جنگ میں ہمارے حکمرانوں سے وعدے کے باوجود بھی نہیں آئے تھے بلکہ ۱۹۶۰ء کے عشرے میں امریکہ نے ہمیں فروخت شدہ اسلحہ جوان کی بندرگاہوں پر تھا

ہندوستان کو بیچ دیا تھا۔ آپ کی ایک آواز پر اس بیڑے کے خلاف احتجاج شروع ہوئے جس کی بناء پر حکومت پاکستان کو مجبوراً امریکی بحریہ کے افراد کی خصوصی حفاظت کرنا پڑی۔

پاکستان کے مسلم نوجوانوں بالخصوص امامیہ سٹوڈنٹس آرگنائزیشن کا یہ وطیرہ بن گیا کہ ہر نماز، ہر جلسہ اور ہر میٹنگ کے بعد ''تکبیر'' کا مخصوص نعرہ لگاتے جس کے الفاظ یوں تھے ''اللہ اکبر اللہ اکبر اللہ اکبر نعرہ حسینی رہبر خمینی مردہ باد امریکہ مردہ باد روسیہ مردہ باد اسرائیل''۔

۱۹۸۸ء کو امریکہ نے ایران کے مسافر بردار طیارہ پر حملہ کر کے ۲۹۰ مسافروں کو موت کے گھاٹ اتارا تو آپ نے اقوام متحدہ کے سیکرٹری، حقوق انسانی کی تنظیموں اور عالم اسلام کے سربراہوں کے نام خطوط تحریر کیے کہ امریکہ کا ایرانی مسافر بردار طیارے پر حملہ عالمی ضوابط کی خلاف ورزی ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ امریکہ اسلامی جمہوریہ ایران سے براہ راست جنگ کا خواہشمند ہے۔ لہٰذا ہم امریکہ پر واضح کر دینا چاہتے ہیں کہ مسلمانوں کو ختم کرنے کا اس نے یہی راستہ اختیار کیا تو پھر مسلمان نوجوان دنیا بھر میں اس کے باشندوں کی نقل و حرکت کو محدود کر دیں گے''۔

پاکستان میں امریکہ کے خلاف آپ کے بیانات، تقاریر، دروس اور تحریک نے امریکی عزائم کا پردہ چاک کیا۔ آپ نے اپنے ملک کے ہر فرد کو امریکہ مردہ باد کہنے کی جرأت بخشی اور امریکہ کو پاکستان میں ذلیل و رسوا کیا۔ جس کا ثبوت کویت عراق جنگ پر پاکستانیوں کا امریکہ کے خلاف برملا اظہار نفرت تھا۔ خلیج کی اس جنگ میں پاکستان کے ہر گاؤں، ہر قصبہ، ہر شہر اور ہر چوک پر امریکہ کے پرچم نذر آتش ہوئے اور امریکی تابوتوں پر جوتوں کی بارش ہوئی۔ مسلمانوں کا یہ انداز نفرت دیکھ کر عیاں ہو گیا کہ علامہ سید عارف حسین الحسینی کی جدوجہد ثمر آور ہوئی۔

☆☆☆☆☆

NAJAFI BOOK LIBRARY
Managed by Masoomeen Welfare Trust
Shop No. 11 M.L. Heights,
Mirza Kaleej Baig Road,
Soldier Bazar Karachi Pakistan

سید عارف حسین الحسینی اور عملی سیاست

پاکستان ۱۹۴۷ء میں دو قومی نظریہ کی بنیاد پر معرض وجود میں آیا۔ مسلمانان برصغیر نے اقوام عالم کے سامنے اس عزم کا اظہار کیا کہ اس خطہ ارض پر اسلامی قوانین کو رائج کر کے دنیا کے نقشے پر ایک ایسی اسلامی ریاست کی تشکیل کریں گے جس کا مکمل نظام اسلامی قوانین پر مبنی ہوگا۔ مگر آزادی کے بعد پاکستان میں نظام حکومت کی بنیاد ایکٹ آف ۱۹۵۳ء پر رکھی گئی۔ ہندوستان جو کہ ایک سیکولر ریاست تھی اس کی بنیاد بھی اسی قانونی ڈھانچہ پر قائم کی گئی۔ چنانچہ مسلمانان برصغیر کا یہ عزم کہ پاکستان میں نظام حکومت اسلام کی بنیاد پر ہوگا، کی کوئی واضح شکل یا اس کا تشخص بین الاقوامی سیاست میں ابھر نہ سکا۔

بانی پاکستان حضرت قائداعظم محمد علی جناح حصول آزادی کے بعد صحت برقرار نہ رکھ سکے اور ۱۱ ستمبر ۱۹۴۸ کو اس جہاں فانی سے انتقال کر گئے۔ قدرت نے انہیں موقع نہ دیا کہ وہ پاکستان کے اسلامی تشخص کے خدوخال کو واضح کر سکتے۔

پاکستان میں دس سال تک آئین کی تکمیل نہ ہوسکی۔ بصد مشکل پہلا آئین ۱۹۵۶ء میں بنا جسے ۱۹۵۸ء میں کالعدم قرار دے دیا گیا۔ اور ملک میں پہلا مارشل لاء لگایا گیا۔ ۱۹۶۲ء میں دوسری مرتبہ آئین کا نفاذ کیا گیا جسے اسی حکومت نے ۱۹۶۹ء میں منسوخ کر دیا اور اسی طرح ۱۹۷۳ء میں تیسری مرتبہ ملک کا نیا آئین دیا گیا جس کی حتمی شکل ابھی تک قوم پر واضح نہیں ہے۔ یہ تمام آئین ''برٹش اور دیگر کانٹینینٹل کانسٹیٹیوشن (Constinantal Constitution) سے مکمل مطابقت رکھتے تھے اور انہیں سے مستعار تھے جبکہ آئین کی بنیاد'' مانٹسکو کے نظریہ تقسیم اختیارت''

(Theory of Seperatian of Powers) پر ہے جس کا مفہوم یہ ہے کہ ''
انسان اپنی طینت میں ظالم ہے اور دوسروں پر ہمیشہ تسلط کا خواہاں ہے۔ لہذا اختیارت کا ارتکاز معاشرے کے لئے نقصان دہ ہے اور ان اختیارت کو تقسیم کیا جانا چاہئے لہذا ہر ملک میں انتظامیہ مقنّنہ اور عدلیہ کے اختیارات میں ایک واضح اور ٹھوس تقسیم ہونی چاہیے۔

اس کے برعکس اسلامی فلسفہ سیاست میں اختیارات قدرت کی طرف سے بنی نوع بشر کی خدمت کے لئے ایک اعلیٰ فریضہ ہیں جس کا بنیادی مقصد معاشرہ کے افراد کی زندگیوں کی اسطرح ترتیب و تکمیل کرنا ہے کہ انہیں زیادہ سے زیادہ رضائے الٰہی حاصل ہو سکے اور ان کی دنیاوی فلاح اور اخروی نجات کا باعث بن سکے۔

پاکستان کے کسی بھی آئین میں قوانین کی اساس نظریہ اسلام پر نہیں رکھی گئی بلکہ خالصتاً مغربی نظریہ سیاسی کو اپنایا گیا اور اسی نظام سلطنت کو چلانے کی کوشش کی گئی۔

بدقسمتی سے پاکستان کے اندر موجود دینی قوتیں ۴۷ سال تک اپنی تگ و دو کے باوجود ملکی سیاست کے افق پر اسلامی تشخص کے کوئی واضح نقوش مرتب نہ کر سکیں۔ بلکہ ملک کی سیاسی اور ثقافتی اقدار مسلسل رو بہ تنزل رہیں جس کی وجہ سے عامتہ الناس مجبوراً مذہب سے بیگانہ اور خالق حقیقی سے دور تر ہوتے چلے گئے۔

پاکستان کی تشکیل اور قیام پر ملت جعفریہ کا ذہن، سرمایہ اور خون دوسرے مسلمان بھائیوں کے ساتھ صرف ہوا مگر اہل تشیع نے من حیث القوم ملک میں قانون سازی یا سیاسی معاملات میں حصہ نہ لیا بلکہ قیام پاکستان کے بعد وہ عزاداری اور دیگر مذہبی رسومات کو ملکی سیاسی امور پر ترجیح دیتے رہے۔

قیام پاکستان کے بعد اس ملک کی پارلیمنٹ میں اہل تشیع کی معقول تعداد موجود رہی مگر دیگر اراکین پارلیمنٹ اور سیاسی جماعتوں کے قائدین کی طرح انہوں نے بھی دین کو ملکی سیاست کا محور قرار نہ دیا۔ یہی وجہ ہے کہ نظریہ پاکستان کا وہ خواب پورا نہ ہو سکا جس کی اساس پاکستان کا مطلب کیا لا الہ الا اللہ کی گونج تھی اور جسے لاکھوں فرزندان توحید نے بے بہا قربانیوں کے عوض حاصل کیا تھا۔

خدا کے فضل وکرم سے ۱۹۷۹ء میں ہمسایہ ملک ایران میں حضرت امام خمینیؒ کی ولولہ انگیز اسلامی تحریک کی کامیابی کے بعد اڑھائی ہزار سالہ شہنشاہیت کا بت پاش پاش ہوا اور اس کے ساتھ ہی امریکی اور دیگر مغربی استعماری قوتوں کے پنجہ استبداد سے ملت ایران نے چھٹکارہ حاصل کیا۔ انقلاب کی اس کرن سے نہ صرف ملت ایران منور ہوئی۔ بلکہ پوری ملت مسلمہ ان اسلام دشمنوں کے سامنے سرخرو ہوئی جو اسلام کو محدود اور کمزور تصور کرتے تھے۔

فطرتاً اس کامیابی کا انعکاس پاکستان کے دینی اور روحانی حلقوں پر پڑا اور ہر مکتب فکر کے علماء اور دانشور اس طرف متوجہ ہوئے۔ ایران کے اسلامی انقلاب کے اثرات سے جہاں براہ راست دیگر مسلم ممالک بہرہ مند ہوئے وہاں قم میں تعلیم حاصل کرنے والے طلباء بھی امام خمینیؒ کے پیرو اور ان کے نظریہ کے زبردست قائل ہو گئے۔ یہ طلباء کسب علم کے بعد عالم دین بن کر جب اپنے اپنے وطن واپس پلٹے تو انہوں نے اپنے ملکوں میں دینی سیاست متعارف کرانے کا سلسلہ شروع کر دیا۔ اس سلسلہ کی ایک کڑی علامہ عارف حسین الحسینی کی ذات گرامی ہے جو امام خمینیؒ کے سچے عاشق اور ان کے نظریات کے حقیقی ترجمان تھے۔ آپ امام خمینیؒ کے نظریات کی کرنوں کو جذب کر کے اپنے وطن پاکستان واپس آئے تو امام خمینیؒ کے نظریات کو شعار زندگی بنالیا۔

اسے تاریخ کا ایسا رخ تصور کریں یا ملت جعفریہ کی خوش بختی کہ انہیں علامہ سید عارف حسین الحسینی جیسا قائد نصیب ہوا جو پاکستان میں امام خمینی کا پرتو تھا اور جس کی سوچوں کا سرچشمہ اور محور فقط امام خمینیؒ کا فکر تھی۔ ایسے نامساعد حالات میں جہاں ملت جعفریہ ایک کڑی آزمائش سے دو چار تھی آپ کی قیادت کا میسر ہونا اس خطہ ارض پر بسنے والے انسانوں کے لئے یقیناً ایک عظیم نعمت خداوندی تھی۔

آپ نے فریضہ قیادت کو سنبھالنے کے بعد اپنی شہادت تک مسلسل جدوجہد اور اس میں بے پناہ ریاضت کی۔ آپ مصائب وآلام کی گردش سے گزرتے گئے مگر اپنی قوم کو سرنگوں نہ ہونے دیا اور پوری ملت کیلئے اس پرآشوب دور میں تعاون کی طرف سفر کی راہ متعین فرما گئے۔

آپ کی قائدانہ صلاحیتوں کا یہ عنصر قابل افتخار ہے کہ آپ ہر کام کو مرحلہ وار تکمیل تک

پہنچاتے اور پھر انتہائی منطقی انداز میں اگلے مرحلے کا آغاز فرماتے ۔قوم کو عملی سیاست کے میدان میں وارد کرتے وقت بھی آپ نے اسی حکمت عملی کو اپنا شعار بنائے رکھا۔ سب سے پہلے آپ نے قوم کو بیدار کیا اور اپنے اعتماد میں لیا اور اسے حالات کے تقاضوں اور نزاکتوں کا احساس دلایا۔ بعد ازاں اپنی قوم کو امام خمینیؒ کی فکر سے روشناس کرا کے انہیں اسلامی حکومت کے قیام کی راہ دکھلائی۔

آپ نے دین و سیاست کی ضرورت کو ثابت کرنے کے لئے درج ذیل وجوہات اپنے استدلال کے طور پر پیش کیں۔

(۱) حصول آزادی کے باوجود وطن عزیز میں باطل نظام حیات اور نظام سلطنت اس طرح برقرار ہے کہ جس میں عدل و انصاف کے امکانات مسدود ہیں اور یہ کہ ہماری قومی زندگی میں مغربی ثقافت اور اقدار اس طرح نفوذ کر چکی ہیں کہ اسلامی نظام حیات اور معاشرت کے تصور مفقود ہیں۔ حالانکہ ایک اسلامی ریاست ہونے کے ناطے سے ہمارا یہ اولین فرض ہے کہ ہم اپنی قومی زندگی کو ''قرآن و سنت'' کی واضح ہدایات کے مطابق استوار کریں اور باطل نظریات کو اس ملک سے اکھاڑ پھینکیں۔

(۲) پاکستان میں امریکہ اور مغربی دنیا کا اثر و نفوذ اس قدر تجاوز کر گیا ہے کہ ہمارے صاحبان اقتدار ہر معمولی سے معمولی مسئلہ پر بھی امریکی حکومت کی منشاء کی ٹوہ میں ہوتے ہیں۔ حالانکہ امریکی مفادات واضح طور پر امت مسلمہ کے مفادات سے متصادم ہیں۔ امریکی دانشور مسلم ممالک میں ''احیائے اسلام'' کے لئے اٹھنے والی ہر تحریک کے شدت سے مخالف ہیں۔ ان کا نظریہ ہے کہ اگر امت مسلمہ نے اسلام کی حقیقی روح کو اپنا لیا اور اسلامی اقدار کو اپنا شعار بنا لیا تو مغربی تہذیب اور اس کے زیر اثر بین الاقوامی نظام تہہ بالا ہو سکتا ہے۔

(۳) سیاست میں عمل کیلئے تیسری وجہ جو آپ نے اپنی قوم کے سامنے پیش کی وہ ہمسایہ ملک ایران میں اسلامی انقلاب کی کامیابی اور اس سے مذہبی اور فطری طور پر ہم آہنگ ہونے کی ضرورت تھی۔ آپ نے قوم کو احساس دلایا کہ صدیوں کے بعد بین الاقوامی سیاست کے افق پر اسلامی نظام حیات ابھر کر سامنے آیا ہے۔ وہاں کے علماء کی مدبرانہ قیادت، دانشوروں اور

سیاستدانوں کا حسن عمل اور نوجوانان ملت کی اسلام کے لئے جاں فروشی ہمارے لئے ایک شمع فروزاں ہے۔اگر وہ شہنشاہیت کے بت سے ٹکرا کر اسلام کی اس اعلیٰ پیمانے پر خدمت کر سکتے ہیں تو امت مسلمہ پاکستان کیونکر پیچھے رہے۔خدا اور رسولؐ کی جانب سے دنیاوی زندگی میں ہم پر جو فرض عائد ہوتا ہے ہم اسے اپنی قومی زندگی کی سطح پر پورا کر کے آخرت میں سرخرو ہوں۔

(۴) آپ نے چوتھی دلیل پیش کرتے ہوئے فرمایا کہ اب وقت آگیا ہے کہ پوری دنیا کے درماندہ اور پسماندہ طبقات مراعات یافتہ طبقہ کے خلاف اٹھ کھڑے ہوں اور اپنے حقوق کے حصول کے لئے سر دھڑ کی بازی لگائیں۔آپ نے مزید فرمایا کہ ''کارل مارکس'' نے تاریخ انسانی کی جو مادی تعبیرات پیش کی ہیں اس میں محدودیت ہے۔اور انسانی حیات کے صرف مادی پہلو کو اجاگر کیا گیا۔جبکہ اسلام اور تعلیمات رسول کریمؐ مستضعفین کے لئے پیامبر ہیں کہ وہ نہ صرف اپنے حقوق کے لئے جہاد کریں بلکہ رضائے رب العزت کے حصول کے لئے ان پر یہ شرعی اور اخلاقی فریضہ عاید کیا گیا ہے۔مذہب ظالم کے ساتھ زندہ رہنے اور اس کے ظلم کو سہتے رہنے کی قطعاً اجازت نہیں دیتا۔

(۵) پاکستان کے ایوان نمائندگان (پارلیمنٹ) میں آج تک کوئی شیعہ رکن ایسا نہیں پہنچا جو پارلیمنٹ کے اندر شیعہ مکتب فکر کی ترجمانی کر سکے اور ملت جعفریہ کے حقوق کی نگہبانی کرتے ہوئے ملک کے تمام سیاسی، اقتصادی، معاشی اور معاشرتی مسائل پر شیعہ نکتہ نظر کو پیش کرے۔لہٰذا ضروری ہے کہ پوری ملت جعفریہ متحد ہو کر ایوان میں اپنے نمائندگان منتخب کر کے بھیجے اور من حیث القوم اس ملک میں اپنا بھرپور سیاسی کردار انجام دے۔

انہی استدلال کی بنیاد پر آپ نے سیاست میں قدم رکھا اور آغاز ہی میں ضیاء الحق کے صدارتی ریفرنڈم کی دھجیاں بکھیر یں۔

میدان سیاست میں آپ کا اگلا موثر قدم ۲۰ دسمبر ۱۹۸۴ء کو تحریک نفاذ فقہ جعفریہ کی مرکزی کابینہ کا وہ یادگار اجلاس ہے جس کے ایجنڈے پر پاکستان کی سیاست میں تحریک نفاذ فقہ جعفریہ کا کردار نمایاں تھا۔جامعۃ المنتظر لاہور میں ہونے والے اس اجلاس میں اس موضوع پر سیر حاصل

بحث کی گئی۔ ملتان کے جناب زمان جعفری صاحب (مرحوم) نے ایک اجلاس میں ایک مفصل تحریری رپورٹ پیش کی اور موضوع کے ہر پہلو پر روشنی ڈالی۔ انہوں نے اس وقت کی حکومت اور اس کے خلاف چلنے والی ایم۔ آر۔ ڈی کی تحریک کے خدوخال کو واضح کیا اور اس سیاسی تناظر میں تحریک کے سیاسی کردار کے لئے تجاویز پیش کیں۔ انہوں نے رائے دی کہ تحریک کو ایم۔ آر۔ ڈی میں شامل ہو کر ایک بھرپور کردار ادا کرنا چاہیے۔ اس کے بعد تمام شرکاء اجلاس نے فرداً فرداً اپنی رائے کا اظہار کیا اور اکثریت نے زمان جعفری صاحب کی اس تجویز سے اتفاق کیا کہ تحریک ایم۔ آر۔ ڈی کے ساتھ مکمل الحاق کرے اور حکومت کے خلاف چلائی جانے والی اس تحریک میں موثر کردار ادا کرے۔

اس امر کا یہاں ذکر کرنا ضروری ہے کیونکہ اگلے روز جناب افضل حیدر ایڈووکیٹ کی رہائش گاہ گلبرگ لاہور میں ایم۔ آر۔ ڈی کے اکابرین کے ساتھ اہم بات چیت ہونا قرار پا چکا تھا۔ لہذا شرکاء اجلاس کے سامنے یہ پہلو بھی درپیش تھا کہ ایم۔ آر۔ ڈی کے ان اکابرین سے تحریک نفاذ فقہ جعفریہ کس حد تک معاونت کے لئے آمادہ ہوگی۔

اجلاس میں تمام شرکاء کی آرا کے بعد قائد سید عارف حسین الحسینی کو اپنی حتمی رائے اور نکتہ نظر کے اظہار کی دعوت دی گئی۔ آپ اس سے پہلے پورے اجلاس میں صمیم قلب کے ساتھ ہر ایک دلیل کو ہمہ تن گوش ہو کر سماعت فرماتے رہے مگر اپنی رائے کا کسی مقام پر بھی عندیہ نہ دیا۔

جب آپ کو دعوت دی گئی تو آپ نے حمد و ثنا کے بعد موضوع گفتگو پر ایک جامع خطاب فرمایا'' ہم یقیناً سیاست میں وارد ہوں گے مگر اس کے لئے دین مبین کی طرف سے جو تقاضے اور ضروریات عائد ہوتی ہیں ہم انہیں ہر صورت میں پورا کرنے کے پابند ہوں گے۔ ہماری سیاست کا دارومدار درج ذیل چار اصولوں پر ہوگا۔

(۱) ہم جو بھی سیاست کریں گے وہ آیت اللہ العظمیٰ حضرت امام خمینیؒ کے خط کے عین مطابق ہوگی۔

(۲) ہم میدان سیاست میں ہمیشہ اپنے شیعی تشخص کو برقرار رکھیں گے۔

(۳) ہم ملکی سیاست میں وارد ہونے سے پہلے ملکی سطح پر ان اصلاحات کو منضبط کریں گے جن کا نفاذ اس ملک کی فلاح و بہبود کے لئے لازم ہوگا۔

(۴) ہم سیاست میں عملی کردار اختیار کرنے سے قبل اپنی قوم کو منظم کریں گے اور اسے سیاسی شعور دیں گے تا کہ ہماری قوم سیاست کے ہر پہلو میں ہمارا ساتھ دے تا کہ کوئی سیاسی موڑ مڑنے پر ہماری قوم ہم سے پیچھے نہ رہ جائے۔ اگر اس کے بغیر ہم میدان سیاست میں وارد ہوں گے تو ہم اس قدر ہلکے پھلکے ہوں گے کہ نہ تو حکومت ہماری بات کا اثر لے گی اور نہ اپوزیشن والوں کے ہاں کوئی اہمیت ہوگی۔

آپ کے ان ارشادات اور اصولوں کے پیش کئے جانے کے بعد شرکاء اجلاس کو ایک نئی فکر اور راہ مل گئی۔

اگلے روز پروگرام کے مطابق جناب افضل حیدر ایڈووکیٹ کی رہائش گاہ پر ایم۔آر۔ڈی کے اکابرین نوابزادہ نصر اللہ خان، راؤ عبدالرشید، ملک محمد قاسم اور سید افضل حیدر سے تحریک نفاذ فقہ جعفریہ کا وفد جو علامہ سید ساجد علی نقوی، علامہ افتخار حسین نقوی، علامہ آغا سید علی موسوی، سید وزارت حسین نقوی اور ڈاکٹر محمد علی نقوی پر مشتمل تھا، نے گفت وشنید کی۔ تحریک کی جانب سے ایم۔آر۔ڈی کے اکابرین کو مطالبہ پیش کیا گیا کہ اگر وہ شیعہ حقوق کی مکمل ضمانت دیں تو تحریک نفاذ فقہ جعفریہ ایم۔آر۔ڈی میں شامل ہونے اور حکومت کے خلاف اپنا موثر کردار ادا کرنے کے لئے آمادہ ہے۔ نوابزادہ نصر اللہ خان نے جواباً کہا کہ ''ایم۔آر۔ڈی میں شامل جماعتیں چار نکات پر اشتراک عمل رکھتی ہیں''۔

(۱) ملک میں مارشل لاء کا خاتمہ

(۲) ۱۹۷۳ء کے آئین کی بحالی

(۳) جمہوریت کی بحالی اور انتخابات کا انعقاد

(۴) سیاسی اسیران کی رہائی

اگر آپ (اکابرین تحریک) اس سے اتفاق کرتے ہیں اور اسے ملکی مفادات کے لئے ضروری سمجھتے ہیں تو ہم آپ کے تعاون کے خواہاں ہیں۔ آپ کی ایم۔آر۔ڈی میں شمولیت ہمارے لئے تقویت کا باعث ہوگی چونکہ ایم۔آر۔ڈی میں شامل جماعتیں اپنی تحریک کی کامیابی کے بعد انتخابات کے لئے مشترکہ لائحہ عمل نہیں رکھتیں اور یہ واضح نہیں ہے کہ انتخابات کے نتیجے میں کون سی جماعت برسر اقتدار آئے گی اور آپ کے مطالبات کو کس حد تک تسلیم کرے گی لہٰذا آپ کے مطالبات پر غور وخوض کی ضرورت ہے۔

اجلاس میں دیگر اکابرین نے کافی بحث کی اور آخر کار یہ طے پایا کہ تحریک کے مطالبہ کو ایم۔آر۔ڈی کے چار نکاتی اشتراک عمل میں شامل نہیں کیا جانا چاہئے البتہ ایم۔آر۔ڈی میں شامل تمام جماعتیں تحریک جعفریہ کو تحریراً یہ قول و اقرار دیں گی کہ انتخاب کے بعد جو جماعت یا جماعتیں برسر اقتدار آئیں گی وہ تحریک کے اس مطالبہ کو پورا کریں گی۔

اسی شام علامہ سید عارف حسین الحسینی نے پریس کلب لاہور میں ایک پر ہجوم پریس کانفرنس سے خطاب کیا اور اعلان کیا کہ آج ایم۔آر۔ڈی کے اکابرین کے ساتھ ہماری گفت وشنید کے نتیجہ میں طے پایا ہے کہ ہم حکومت کے خلاف ان کی جدوجہد میں بھرپور معاونت کریں گے البتہ ہم یہ واضح کرتے ہیں کہ فی الوقت ہم ایم۔آر۔ڈی میں باقاعدہ شمولیت اختیار نہیں کر رہے۔

آپ کی اس پریس کانفرنس کے بعد ایم۔آر۔ڈی کے تحت سیاسی فعالیت میں تحریک کے کارکنان کا کردار قابل تحسین رہا۔ حتی کہ ملک کے معروف صحافی وارث میر مرحوم نے روزنامہ نوائے وقت میں شائع ہونے والے اپنے ایک مضمون میں تحریر کیا کہ ''ایم۔آر۔ڈی کے دامن میں تحریک نفاذ فقہ جعفریہ پاکستان کے کارکنان کے سوا کچھ نہیں ہے''۔

۱۸ جنوری ۱۹۸۵ء کو تحریک کی مرکزی کونسل کا اجلاس گمبٹ سندھ میں منعقد ہوا جس میں یہ فیصلہ کیا گیا کہ تحریک موجودہ غیر آئینی اور غیر جمہوری حکومت کے خلاف جدوجہد میں ہر اس جماعت کا ساتھ دے گی جو ملک میں جمہوریت کی بحالی کے لئے کوشاں ہوگی اور ہمیں اپنے حقوق کے تحفظ کا یقین دلائے گی۔

اس اجلاس میں یہ فیصلہ بھی ہوا کہ حکومت کی طرف سے منعقد ہونے والے انتخابات تحریک کے نزدیک غیر قانونی اور غیر آئینی ہیں ہم ایسے انتخابات کو عوامی مسائل کا حل نہیں سمجھتے۔

علامہ سید عارف حسین الحسینی ملت جعفریہ پاکستان کے پہلے قائد تھے جو اس ملک میں سامراجی نظام کے خاتمے اور اسلامی نظام کے نفاذ کے لئے عملی طور پر کوشاں تھے۔ آپ کی تحریک چند فقہی مطالبات تک محدود نہ تھی بلکہ آپ ملت اسلامیہ کے تمام مسائل کا حل چاہتے تھے۔ ایک طرف جمہوریت کی بحالی کے خواہاں تھے اور دوسری جانب حکومت کے غیر قانونی اقدامات کے سامنے سینہ سپر بھی۔

ضیاء ریفرنڈم کا مسئلہ پیش آیا تو آپ نے دلائل سے رد کیا، ضیاء الحق نے ۱۹۸۵ء میں غیر جماعتی انتخابات کی راہ اختیار کی تو آپ نے اس غیر آئینی حرکت کی کھل کر مخالفت کی۔ اس سلسلہ میں ٹنڈو الہ یار سندھ کے ایک جلسہ سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا ''غیر جماعتی انتخابات آئین کی صریحاً خلاف ورزی، عوامی جذبات اور حقوق کا قتل ہیں۔ ان سے معرض وجود میں آنے والی اسمبلیوں کی کوئی اخلاقی حیثیت نہیں ہوگی اور نہ ارکان اسمبلی عوامی نمائندگان کہلوانے کا حق رکھتے ہیں۔ ایسی اسمبلیاں ذاتی مفادات کو اجتماعی مفادات پر ترجیح دیں گی اور ملک میں وہی کچھ رائج کریں گی جس کا صدر مملکت اشارہ دیں گے۔ جس روز بھی ان کا آمر حکمران کے مزاج کے خلاف کوئی قدم اٹھا اسی روز اسمبلیوں کا خدا حافظ ہوگا''۔

آخر زمانے نے دیکھا کہ ۲۹ مئی ۱۹۸۸ء کو اسمبلیاں بلا جواز کالعدم کر دی گئیں۔ یوں مارشل لاء کے اندھیرے میں چلنے والی جمہوریت کی نحیف شمع گل ہوگئی۔ جہاں ملک بھر کے دیگر سیاستدانوں نے صدر کے فعل کی مذمت کی وہاں شہید حسینی نے پشاور میں ایک کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا ''ہم نے بہت پہلے واضح کر دیا تھا کہ چیف آف آرمی سٹاف کی دوہری حیثیت ملک وقوم اور جمہوریت کے لئے نقصان دہ ہے جب بھی صدر چاہیں گے مفادات کی تکمیل کے لئے خوش فہم اراکین اسمبلی کی چھٹی کرادیں گے بالآخر وقت نے ہمارے موقف کی سچائی ثابت کر دی ہے''۔

جونیجو حکومت کی برطرفی فرد واحد کی حکومت کو طول دینے کی خواہش کا نتیجہ ہے۔ موجودہ حکومت کی بنیادیں مارشل لائی نظام پر استوار کی گئی ہیں۔ اس لیے ہماری تحریک ضیاء الحق کے غیر آئینی اور غیر قانونی اقتدار کو قبول نہیں کرتی اور نہ ہی ہم ان کے جارحانہ فیصلوں کو تسلیم کرتے ہیں۔

ضیاء الحق کا یہ کہنا کہ جونیجو حکومت اسلام کے نفاذ میں کامیاب نہیں ہو سکی یا باعث رکاوٹ رہی ہے تو ہم صدر مملکت سے پوچھنا چاہیں گے کہ اس سے قبل آٹھ سال تک وہ بلاشرکت غیرے سیاہ وسفید کے مالک رہے۔ انہوں نے کہاں تک اسلام نافذ کیا ہے۔ بلکہ ہماری نظر میں انہوں نے اسلام کو نا قابل برداشت حد تک نقصان پہنچایا ہے جس کا مسلمانان پاکستان کو شدید دکھ ہے۔ اب اسلامیان پاکستان، اسلام کی مزید تضحیک برداشت نہیں کر سکتے جس کے پیش نظر وہ آمریت کے خاتمے کے لئے کمر بستہ ہو چکے ہیں۔

رفتہ رفتہ راہ راست پر تحریک کا ارتقائی سفر جاری رہا۔ ۲۲، ۲۳ مارچ ۱۹۸۷ کو جامعۃ المنتظر لاہور میں وفاق علماء شیعہ پاکستان کا سالانہ اجتماع ہوا۔ جس میں حالات کے تقاضوں کے پیش نظر ملک گیر کنونشن کا موضوع زیر بحث آیا۔ یہاں ملک بھر کے علماء نے انتہائی غور خوض کے بعد کنونشن کے انعقاد پر اتفاق کیا اور ''قرآن وسنت کانفرنس'' کے نام سے یہ کنونشن منعقد کروانے کا فیصلہ کیا گیا۔ ۲۳ مارچ کے اس اجلاس کی آخری نشست میں علامہ سید عارف حسین الحسینی نے اس فیصلہ کا اعلان فرمایا۔

یہاں اس حقیقت کا اظہار بھی اشد ضروری ہے کہ پاکستان کے نظام سلطنت میں اسلامی اصولوں کے تحت ضروری تبدیلیاں اور اصلاحات کرنے اور اسے منصفانہ بنانے کے لئے علامہ سید عارف حسین الحسینی نے علماء اور دانشور حضرات پر مشتمل ایک کمیٹی تشکیل دی۔ انہیں خاطر خواہ سہولیات بہم پہنچائیں تا کہ وہ اس اہم قومی نظریاتی مسئلہ کو حل کریں اور ان کے کام میں ذاتی طور پر گہری دلچسپی لی۔ مگر افسوس کہ آپ کی زندگی نے وفا نہ کی اور یہ اہم ترین کام سر تکمیل تک نہ پہنچ سکا۔

☆☆☆☆☆

قرآن وسنت کانفرنسیں

قرآن وسنت کانفرنسوں کو ملت جعفریہ کی تاریخ میں ایک سنگ میل کی حیثیت حاصل ہے۔ یہ کانفرنسیں علامہ سید عارف حسین الحسینی کی اسلامی و انقلابی فکر کا مظہر ہیں۔ یوں تو اہل تشیع کے بڑے بڑے اجتماعات، مجالس اور اس قسم کے مناظر تاریخ کے دامن میں محفوظ ہیں مگر قرآن و سنت کانفرنسیں ماضی سے قدرے مختلف اور پرشکوہ تھیں۔ یہ خالصتاً نظریاتی اور سیاسی اجتماعات تھے جو بلاشک وشبہ پاکستان میں اسلامی جمہوریہ کے قیام کی جدوجہد میں نشان منزل تھے۔

علامہ سید عارف حسین الحسینی کی قیادت اور ان کے ملک گیر دورہ جات کے بعد بے پناہ عوامی شعور پیدا ہو چکا تھا اور مختلف حلقوں سے یہ تقاضا کیا جا رہا تھا کہ ایک ملک گیر کنونشن طلب کیا جائے جس میں ملت جعفریہ ایک پلیٹ فارم پر جمع ہو کر اپنی سیاسی بیداری اور قائد سے وابستگی کا ثبوت دے۔ یہ رائے آہستہ آہستہ پختہ ہوتی گئی حتی کہ ۲۵ جولائی ۱۹۸۶ء کو مرکزی کونسل کے اجلاس میں ایک کنونشن کمیٹی کا قیام عمل میں آیا جس میں ملک بھر سے ۱۳ افراد کو اس کمیٹی میں نامزد کیا گیا۔ البتہ یہاں یہ طے پایا کہ یہ کنونشن لاہور یا بھکر میں ہوگا۔

آغاز میں اس کنونشن کے انعقاد کے تقاضے سطحی تھے مگر وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ یہ تقاضے بڑھتے گئے اور کنونشن کی اہمیت کے احساس میں بھی اضافہ ہوتا گیا۔ ملکی سیاسی عمل میں تحریک کی دلچسپی، ضیاء ریفرنڈم اور غیر سیاسی جماعتی انتخابات کا بائیکاٹ، بحالی جمہوریت کی تحریک (ایم۔آر۔ڈی) میں کردار، فرقہ واریت میں وسعت کے بعد شدت سے محسوس کیا گیا کہ تحریک نفاذ فقہ جعفریہ پاکستان میدان سیاست میں ابھر کر سامنے آئے جس کے لئے لازم ہے کہ اس ملک گیر کنونشن کا انعقاد کریں۔

ابتدا میں یہ تجویز کیا گیا کہ یہ کانفرنس تحریک جعفریہ، وفاق علماء شیعہ، امامیہ آرگنائزیشن، امامیہ اسٹوڈنٹس آرگنائزیشن اور جمعیت طلبہ جعفریہ کی طرف سے مشترکہ طور پر بلائی جائے گی جبکہ تمام انتظامات اور روابط کی نگرانی حجۃ الاسلام والمسلمین علامہ سید صفدر حسین نجفی فرمائیں گے۔

۹، ۱۰ اپریل ۱۹۸۷ء کو حیدر آباد میں سالانہ تنظیمی اجلاس میں انتہائی شدومد کے ساتھ یہ بحث ہوئی کہ قرآن وسنت کانفرنس صرف تحریک کے زیر اہتمام ہونی چاہیے۔ بصورت دیگر مختلف تنظیموں کی طرف سے مشترکہ کانفرنس سے عوام اور حکومت یہ تاثر لیں گے ملت جعفریہ کا کوئی متفقہ پلیٹ فارم اور متفقہ قیادت نہیں ہے چنانچہ فیصلہ ہوا کہ یہ کانفرنس صرف تحریک کے پلیٹ فارم سے منعقد ہوگی۔

۲۳ اپریل ۱۹۸۷ء کو چنیوٹ کے اجلاس میں قرآن وسنت کانفرنس کے تمام پہلوؤں پر تفصیلی بحث کے بعد علامہ سید عارف حسین الحسینی نے اعلان فرمایا کہ ''قرآن وسنت کانفرنس انشاء اللہ ۶ جولائی کو لاہور میں منعقد ہوگی'' اس کانفرنس کی تفصیلات طے کرنے کے لئے تحریک کی مرکزی کابینہ کا ۲۸ اپریل ۱۹۸۷ء کو راولپنڈی میں اجلاس ہوا۔

اپریل ۱۹۸۷ء چنیوٹ کے اجلاس میں منشور کمیٹی کا تعین کیا گیا اور اس کمیٹی کے ذمہ لگایا گیا کہ وہ اس وقت تک کی گئی پیش رفت کی جمع آوری کرے اور منشور کو حتمی شکل دے تا کہ اسے قرآن وسنت کانفرنس میں قوم کے سامنے پیش کیا جائے۔ اس منشور کمیٹی میں درج ذیل افراد شامل کیے گئے۔

(۱) علامہ سید صفدر حسین نجفی
(۲) علامہ شیخ محسن علی نجفی
(۳) علامہ سید ساجد علی نقوی
(۴) علامہ سید شرف الدین موسوی
(۵) سید وزارت حسین نقوی ایڈووکیٹ
(۶) میجر جنرل ریٹائرڈ سید تصور حسین
(۷) ایم ایچ حسنی
(۸) سید شمیم عباس بخاری
(۹) سید علی نقی، ثاقب نقوی۔

اس کمیٹی نے شب و روز کی محنت کے بعد منشور کا ایک ابتدائی خاکہ تیار کیا جسے ۵ جون

۱۹۸۷ء کو بھکر میں تحریک کی سپریم کونسل کے اجلاس میں جائزہ کیلئے پیش کیا گیا اور قرآن وسنت کے موقع پر حتمی منظوری لی گئی۔ اس موقع پر اس کانفرنس کی کامیابی کے لئے جامع لائحہ عمل بھی تیار کیا گیا۔

قرآن وسنت کانفرنس کے اس اعلان کے بعد اسلامیان پاکستان میں جوش وخروش کی لہر دوڑ گئی۔ علامہ سید عارف حسین الحسینی کے حکم کی تعمیل کے لئے ملت جعفریہ کا ہر فرد اس لہر کا ایک حصہ بن گیا۔ دیکھتے ہی دیکھتے ملک کے تمام درو دیور پر ''چلو چلو لاہور چلو، ۶ جولائی قرآن وسنت کانفرنس'' لکھا ہوا دکھائی دیا۔

اس کانفرنس کی تشہیر کے لئے تحریک اور امامیہ اسٹوڈنٹس آرگنائزیشن کے کارکنان نے شب و روز ایک کر دیا۔ ان نوجوانوں کے مختلف وفود سینکڑوں میلوں کی مسافت طے کر کے اس کانفرنس کے پیغام کو ملک کے شہر شہر، قریہ قریہ پہنچاتے چلے گئے۔ انہیں اس کام کی انجام دہی میں ایک مخصوص روحانی لطف کا احساس ہوا۔ ان باشعور نوجوانوں کو دینی اور سیاسی زندگی کی یکجہتی کی لذت سے آشنائی ہوئی اور انہوں نے عزم کیا کہ سرزمین وطن پر احکامات خداوندی کی ترویج کے لئے ایسے ہی سرگرم عمل رہیں گے۔ اس کانفرنس کی کامیابی ان کی زندگی کا ایک خوشگوار موڑ تھا لہٰذا خلوص نیت محنت شاقہ سے ان کے فرائض کی بجا آوری رنگ لائی اور خیبر سے لے کر کراچی تک سیاسی بیداری کی یہ لہری امنڈتی چلی گئیں۔

نوجوانوں کے ساتھ ساتھ علماء خطباء اور ذاکرین نے بھی قابل فخر کردار ادا کیا۔ وہ جہاں بھی گئے انہوں نے اس کانفرنس کے انعقاد، اس کے پروگرام اور غرض وغایت سے عوام کو آگاہ کیا اور انہیں تاکید فرمائی کہ اس کانفرنس میں پوری گرمجوشی کے ساتھ شریک ہونا نہ صرف ایک دینی فریضہ ہے بلکہ ملت کے وقار کا بھی ایک مسئلہ اور وطن عزیز میں حقیقی اسلام کے نفاذ کی طرف ایک اہم قدم ہے۔

۳ جولائی ۱۹۸۷ء کو خود علامہ سید عارف حسین الحسینی اپنے تمام معتمد رفقاء کے ساتھ لاہور پہنچ چکے تھے۔ یہاں انہوں نے کانفرنس کے تمام انتظامات کا جائزہ لیا۔ طے شدہ پروگرام کے

مطابق قرآن وسنت کانفرنس کا انعقاد لاہور کے تاریخی موچی دروازہ گراونڈ میں ہونا تھا۔ مگر ملک بھر سے خواہشمند شرکاء کے بارے میں موصول ہونے والی اطلاعات کے بعد کانفرنس کو ''یونیورسٹی گراونڈ'' منتقل کر دینے کی تجویز سامنے آئی۔ لیکن آخری دو دن میں عوام کی وسیع پیمانے پر متوقع آمد کے پیش نظر علامہ سید عارف حسین الحسینی نے کانفرنس کا انعقاد کے لئے مینار پاکستان لاہور کا انتخاب فرمایا۔

۲ جولائی ۱۹۸۷ء کو پاکستان کی تاریخ میں ایک عجب منظر نظر آیا۔ پورے ملک سے قافلے قرآن وسنت کانفرنس میں شرکت کے لئے لاہور کی طرف رواں دواں تھے۔ بلوچستان، گلگت، بلتستان، سرحد، سندھ اور کشمیر کے دور دراز علاقوں سے فرزندان قرآن وسنت اپنے محبوب قائد کا خطاب سننے کے لئے مینار پاکستان کی طرف پورے جوش وخروش کے ساتھ کھنچے چلے آرہے تھے۔ دیکھتے ہی دیکھتے مینار پاکستان کا وسیع وعریض میدان انسانوں سے بھر گیا۔ ہر طرف سر ہی سر نظر آرہے لگے۔ مینار پاکستان کا دامن تنگ محسوس ہوا تو لوگ بادشاہی مسجد تک پھیل گئے۔

مینار پاکستان کا منظر دیدنی تھا۔ اس روز وہاں پاکستان کے سبز ہلالی پرچم کے ساتھ علم عباسؑ علمدار لہرا رہا تھا۔ اور بار بار یہ نعرہ لگ رہا تھا'' غازی کا علم لہرائے گا، طاغوت کا دل گھبرائے گا''۔ مینار پاکستان پر ایسے بینر لہرا رہے تھے جس پر تحریر تھا'' ہم امریکہ کے دشمن ہیں۔ یہ بات بتا دو ایوانوں میں''۔ اس روز مینار پاکستان امریکی سامراج اور مغربی استبداد سے نجات حاصل کرنے کا عزم کئے ہوئے تھا اور یہی قرارداد پاکستان ۱۹۴۰ کی حقیقی تعبیر تھی۔

کانفرنس کا آغاز ٹھیک نو بجے تلاوت کلام پاک سے ہوا اس اجتماع میں ملک کے اہم سیاستدان تشریف فرما تھے۔

ملکی اور غیر ملکی صحافیوں کی بڑی تعداد نے شرکت کی۔ اجتماع سے بزرگ علماء ذاکرین اور مقررین نے خطاب کیا جنہوں نے آمریت اور فرقہ واریت کو للکارا اور قرآن سنت کی عظمت کو اجاگر کیا۔ مقررین نے اپنے قائد علامہ سید عارف حسین الحسینی کی قیادت سے بھرپور اعتماد کا اظہار کیا۔ صورت حال اس وقت بہت دیدنی ہوگئی جب آقا علی موسوی نے اپنے مخصوص انداز میں

خطاب کے دوران فرمایا ''زمانہ گزر گیا جب شیعہ عزاداری تک محدود ہوتے تھے، اب ہمیں وزارت بھی چاہئے اور اب ہمیں صدارت بھی چاہئے۔ اب ہم مسلمان اپنے فیصلے خود کریں گے۔ نہ کوئی واشنگٹن سے حکم آئے اور نہ ماسکو سے۔ ہم قرآن و سنت کے پیروکار ہیں اور اس کا نظام لائیں گے''۔ اگرچہ سامعین مقررین کے خطاب سے لطف اندوز ہو رہے تھے۔ مگر ہر آنکھ اپنے محبوب قائد کی زیارت کے لئے بے تاب تھی۔ وقفہ وقفہ سے اعلان ہو رہا تھا کہ چند لمحوں بعد آپ سب کے دل کے چین عارف حسین آپ کے درمیان آنے والے ہیں۔ بے قراری بڑھتی جا رہی تھی، دل کی دھڑکنیں بے ربط تھیں کہ انتظار کے لمحات ختم ہوئے۔ لاکھوں کے اجتماع میں لہروں کی سی حرکت آئی، فلک شگاف نعرے بلند ہونے لگے ''پوری قوم کے دل کا چین، عارف حسین عارف حسین، پوری قوم کا نعرہ ہے عارف قائد ہمارا ہے''۔ سٹیج سے اعلان ہو رہا تھا کہ پاکستان کے مظلوموں اور محروموں کی امید مسلمانوں کے دل کا چین سید عارف حسین الحسینی تشریف لا رہے ہیں۔ یہ اعلان سنتے ہی سامعین میں ارتعاش آیا اور ہر ایک خیر مقدم کے لئے اٹھ کھڑا ہوا اور ایک ہی نعرہ ہوا میں گونجنے لگا'' جیوے جیوے، عارف جیوے''۔ پرستاروں کے جھرمٹ میں علامہ سید عارف حسین الحسینی مکمل متانت کے ساتھ اسٹیج کی جانب بڑھ رہے تھے جبکہ ان کے گردان کے پروانے خوشی سے جھوم رہے تھے۔ آپ اسٹیج پر تشریف لائے، لاکھوں کے اجتماع کو ہاتھ اٹھا کر سلام کیا۔ لاکھوں افراد نے اپنے محبوب کو ہاتھ اٹھا کر سلام کا جواب دیا۔ ایک منظر تھا جس نے دیکھا۔۔۔۔ اسے عمر بھر یاد رہے گا۔

طے شدہ پروگرام کے تحت علامہ سید افتخار حسین نقوی نے تحریک نفاذ فقہ جعفریہ پاکستان کا سیاسی و اسلامی منشور پیش کیا۔ جو ملک بھر کے مسلمانوں کے لئے آزادی اور خوشحالی کی نوید تھی۔ منشور کا اعلان ختم ہوا، عوام نے تائید کی، نعرے بلند ہوئے اور ''تحریک نفاذ فقہ جعفریہ'' پاکستان میں بحیثیت ایک سیاسی جماعت وارد ہوگئی۔

آخر عظیم قائد کو سٹیج پر آنے کی دعوت دی گئی، انہوں نے اس عظیم الشان اجتماع میں تاریخ ساز خطاب فرمایا۔

قرآن وسنت کانفرنس لاہور سے قائد شہیدؒ کا

تاریخی خطاب

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ قَاسِمِ الْجَبَّارِیْنَ مُبِیْرِ الظَّالِمِیْنَ وَ مُدْرِکِ الْھَارِبِیْنَ و الصَّلٰوۃُ وَ السَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِ الْاَوَّلِیْنَ وَالْآخِرِیْنَ خَاتَمِ النَّبِیِّیْنَ اَبِی الْقَاسِمِ مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی الْمَعْصُوْمِیْنَ مِنْ آلِہٖ وَ الْمُنْتَجَبِیْنَ مِنْ صَحْبِہٖ وَالسَّلَامُ عَلَیْنَا وَ عَلٰی عِبَادِ اللّٰہِ الصَّالِحِیْنَ وَ بَعْدُ فَقَدْ قَالَ اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَیِّنٰتِ وَ اَنْزَلْنَا مَعَھُمُ الْکِتٰبَ وَ الْمِیْزَانَ لِیَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ (حدید ۲۵) و قولہ تعالی : اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللّٰہِ الْاِسْلَامُ (آل عمران ۱۹)

سب سے پہلے بانی تحریک نفاذ فقہ جعفریہ قائد مرحوم علامہ مفتی جعفر حسین اعلی اللہ مقامہ شہدائے فقہ جعفریہ خصوصاً شہید محمد حسین شاد اور شہدائے کربلا کوئٹہ اور شہداء ایران و لبنان و افغانستان اور وہ شہداء کہ جنہوں نے کشمیر کی سرزمین پر اپنی جانیں قربان کیں اور وہ شہداء جنہوں نے پاکستان کے بننے میں خون کے نذرانے پیش کئے ان سب شہداء اسلام کی ارواح طیبہ کے لئے ایک سورہ فاتحہ۔

درود وسلام ہو فرزندان قرآن وسنت پر۔ اے فرزند قرآن! تیرے اس عظیم اجتماع نے ثابت کر دیا ہے کہ اسی قرآن پر جو اس وقت مسلمانوں کے درمیان موجود ہے جسے محمد مصطفیٰ ؐ تھے اسی قرآن

پر آپ ایمان رکھتے ہیں اور اس میں آپ کسی قسم کی تحریف کے قائل نہیں ہیں اور جو لوگ آپ فرزندان قرآن پر یہ تہمت لگاتے ہیں آپ نے ان کا منہ توڑ جواب دیا ہے اور یہ ثابت کر دیا ہے کہ ان کی یہ ساری باتیں جھوٹ اور تہمت ہیں۔

اے فرزندان سنت! آج قرآن وسنت کے نام پر کانفرنس کر کے آپ نے یہ ثابت کر دیا ہے کہ آپ سنت رسولؐ کے منکر نہیں ہیں بلکہ قرآن کے ساتھ ساتھ سنت رسولؐ پر ایمان بھی آپ ایمان و اسلام کی نشانی سمجھتے ہیں لیکن اس سنت رسولؐ کے ساتھ ساتھ آپ سنت معصومؑ کو بھی (جس طرح کہ حدیث ثقلین میں آیا ہے) حجت سمجھتے ہیں۔آپ نے یہ ثابت کر دیا کہ قرآن وسنت کے نام پر جھوٹی باتیں کرنے والوں کی باتیں آج بے قیمت ہیں۔لوگ اب ان باتوں کو نہیں خریدتے۔

اے فرزندان قرآن وسنت! قرآن وسنت کانفرنس کے نام پر لاہور جیسے تاریخی شہر میں اور مینار پاکستان کے سائے میں آپ نے یہ عظیم اجتماع کر کے یہ ثابت کر دیا ہے کہ اے جمہوریت کے علمبردارو! اگر پاکستان میں جمہوریت کا احیاء چاہتے ہو تو قرآن وسنت کے یہ فرزند جو اس وقت اس عظیم اجتماع میں جمع ہیں ان کو اعتماد میں لئے بغیر آپ پاکستان میں صحیح معنوں میں جمہوریت قائم نہیں کر سکتے۔اے فرزند قرآن وسنت! آپ قرآن وسنت کانفرنس کو لبیک کہہ کر ملک کے دور دراز علاقوں سے اس گرمی کے موسم میں دو دن، تین دن سفر کر کے یہاں جمع ہو گئے ہیں۔آپ پاکستان میں اسلامی نظام کے نافذ کرنے والوں کو یہ بتا رہے ہیں کہ اگر پاکستان میں اسلامی نظام کا نفاذ چاہتے ہو تو قرآن و سنت کے ان فرزندوں کو نظر انداز نہ کرو۔قسم بخدا اگر تم نے تنگ نظری کر کے قرآن وسنت کے ان کثیر تعداد میں فرزندوں کو نظر انداز کیا تو تم اپنی مہم میں کبھی بھی کامیاب نہیں ہو سکو گے۔

اے قرآن وسنت کے غیور فرزندو! قرآن وسنت کے نام پر آپ یہاں جمع ہو گئے ہیں۔آپ نے اس عظیم اجتماع سے یہ ثابت کر دیا ہے کہ اگر آپ قرآن وسنت کے منکر ہوتے تو اس گرمی میں صبح سے لے کر اس وقت تک یہاں زحمت نہ فرماتے۔قرآن وسنت کے فرزندو! آپ نے اس عظیم اجتماع سے اقتدار کے نشے میں ڈوبے ہوئے حکمرانوں کو بھی بیدار کرنا ہے۔آپ اپنے عظیم اجتماع سے اقتدار کے ایوانوں میں بیٹھے ہوئے افراد کو یہ بتانا چاہتے ہیں کہ اے اقتدار اور مادیات کے نشے میں گرفتار

حکمرانو! پاکستان کے مسلمانوں نے پاکستان کو اسلام کے نام پر بنایا ہے لہٰذا اس سے زیادہ تمہاری اسلام کے ساتھ یہ غداری، یہ خلاف ورزیاں پاکستان کے مسلمان برداشت نہیں کریں گے۔

اے قرآن وسنت کے فرزندو! آپ نے اپنے عظیم اجتماع سے بڑے بڑے کام انجام دیئے ہیں۔ ہم اس عظیم اجتماع سے پاکستان میں مثبت اثرات دیکھنا چاہتے ہیں۔ آپ پاکستان کے بننے میں موثر تھے۔ پاکستان کے قائدین کی نظروں میں اور سابقہ ہندوستان کے مسلمان باشندوں کی نظروں میں دو چیزیں تھی۔ ایک مستقل مملکت اور دوسری چیز اس مملکت کی بنیاد اسلام۔ پہلی چیز تو قائداعظم محمد علی جناحؒ کے زمانے میں انجام تک پہنچ گئی لیکن دوسرا مقصد کہ اس ملک میں اسلامی نظام ہو افسوس کے ساتھ ہمیں کہنا پڑتا ہے کہ اب تک ہم اس مقصد میں کامیاب نہیں ہو سکے۔ آپ نے اپنے عظیم اجتماع سے یہ بھی بتلانا ہے کہ پاکستان کے معرض وجود میں آنے میں آپ کی قربانیوں کا کردار ہے۔ آپ کی قربانیوں کے بغیر، آپ کے تعاون کے بغیر پاکستان کا معرض وجود میں آنا مشکل تھا لیکن جب آپ نے قربانیاں دیں دوسرے مسلمانوں کے ساتھ تعاون کیا تو پاکستان جیسی مملکت خداداد معرض وجود میں آئی۔ آج دوسرا مقصد پاکستان میں اسلامی نظام کا نفاذ ہے وہ بھی آپ کو اعتماد میں لئے بغیر نہیں ہو سکتا لہٰذا پاکستان میں اسلامی نظام کے خواہاں افراد کو اس حقیقت کا درک کرنا چاہئے کہ اگر وہ پاکستان میں اسلامی نظام کو واقعاً چاہتے ہیں تو پاکستان میں شیعیان حیدر کرار کو اعتماد میں لے لیں۔ آپ ان کو اعتماد میں لئے بغیر اس مقصد میں کامیاب نہیں ہو سکتے۔

برادران عزیز! مجھے وقت کی تنگی کا احساس ہے مجھے پتہ ہے کہ بہت سے لوگ تین تین چار چار دن سفر کر کے آئے ہیں اور اس کے بعد بھی تین چار دن سفر کر کے انہوں نے واپس جانا ہے۔ گرمی کی شدت کا بھی مجھے احساس ہے میں نے اس محفل میں ایسے سفید ریش افراد بھی دیکھے ہیں کہ مجھے یقین ہے کہ وہ لاکھوں روپے لے کر بھی اس وقت لاہور آنے کے لئے تیار نہ ہوتے لیکن آج صرف اور صرف قرآن وسنت کے عشق میں انہوں نے نہ گرمی کی پرواہ کی ہے نہ مسافرت کی صعوبتوں کی اور نہ وہ کسی دوسرے مانع کی وجہ سے ڈرے ہیں سب مشکلات اور موانع کے باوجود وہ یہاں پر تشریف لائے ہیں۔ مجھے ان کے احساسات وجذبات کا احساس ہے کہ یقیناً ان کے یہ احساسات وجذبات ہیں کہ ہم

ان کے نتیجے میں انشاءاللہ پاکستان میں اسلامی نظام کا پرچم دیکھنا چاہتے ہیں اور ہم آپ کے حق میں دعا کرتے ہیں کہ خداوند متعال آپ کے ان احساسات و جذبات کو قرآن و سنت کے راستے میں محفوظ رکھے۔

برادران عزیز! شیعیان حیدر کرار! تحریک کے حوالے سے آپ کو پتہ ہے کہ موجودہ حکومت نے مارشل لاء کے ذریعے جب حکومت پر قبضہ کیا تو انہوں نے عوام کے احساسات ونفسیات کو درک کرلیا تھا کہ پاکستان کے عوام مسلمان ہیں اور یہ اسلامی نظام کے خواہاں ہیں تو حکومت نے ان کے احساسات وجذبات سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اسلام کے عملی نفاذ کا اعلان کردیا لیکن سمجھنے والے تو اس وقت ہی سمجھ گئے تھے ہم اسی وقت سمجھتے تھے کہ یہ حکومت اسلام کے ساتھ مخلص نہیں ہے۔ اس نے اسلام کا نعرہ اپنے ذاتی مفاد کی خاطر لگایا ہے لہٰذا ان کو بے نقاب کیا جائے۔ ان کے ساتھ تعاون نہ کیا جائے لیکن ہمیں افسوس سے یہ کہنا پڑتا ہے کہ کچھ مسلمان خوش فہمیوں میں مبتلا ہو گئے اور ان کے وعدوں پر اعتماد کر بیٹھے اور وہ یہ سمجھ رہے تھے کہ یہ موجودہ حکومت اسلامی نظام کے نفاذ میں مخلص ہے تو انہوں نے ان سے تعاون بھی کیا لیکن الحمد اللہ آج تقریباً دس سال گزرنے کے بعد ان افراد کو بھی معلوم ہو گیا ہے کہ یہ حکومت اسلام کے بارے میں مخلص نہیں ہے اور آج بھی اگر وہ دل سے اسلام کو چاہتے ہیں تو اس حکومت کے ساتھ تعاون ترک کردیں اور صحیح راستے سے اسلام کے لئے جدوجہد شروع کردیں اور پاکستان میں جتنے بھی افراد اسلام کے خواہاں ہیں ان کو اعتماد میں لیں اور مشترکہ جدوجہد شروع کریں تو انشاءاللہ پاکستان میں اسلامی نظام آسکتا ہے۔ اس حکومت نے ابتدائی دور میں یہ نعرہ لگایا کہ ہم پاکستان میں فقہ حنفیہ نافذ کریں گے۔ چونکہ شیعیان حیدر کردار کا تعلق فقہ اہل بیتؑ سے تھا لہٰذا شیعوں کی طرف سے یہ ایک طبیعی عکس العمل (Reaction) تھا لہٰذا شیعوں نے یہ آواز بلند کی کہ اگر پاکستان میں اسلامی نظام نافذ ہونا ہے تو ہمارے لئے فقط فقہ اہل بیتؑ کا نفاذ ہو اور مفتی جعفر حسین اعلیٰ اللہ مقامہ نے تحریک نفاذ فقہ جعفریہ کی بنیاد ڈال کر اس مقصد کے لئے جدوجہد شروع کردی ہم اس قائد کی روح کو سلام کہتے ہیں ان پر درود بھیجتے ہیں کہ انہوں نے اس نحیف عمر میں اس ضعیفی اور بڑھاپے کے عالم میں ان مقاصد کی خاطر شب و روز کوششیں کیں اور اس کے نتیجے میں اسلام آباد میں 6 جولائی کا

معاہدہ ہماری نظروں میں آیا لیکن ہمیں افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ حکومت نے جہاں سیاسی افراد سے پاکستان کے باشندوں سے متعدد وعدے کئے اور پھر ان کی خلاف ورزی کی شیعیان حیدر کرار کے ساتھ بھی 6 جولائی 1980ء کا معاہدہ کر کے پھر مفتی صاحب اعلی اللہ مقامہ ہی کے دور میں اسی معاہدہ کی خلاف ورزیاں شروع کر دیں اس کے بعد شیعوں کی طرف سے 6 جولائی یوم فقہ جعفریہ کے عنوان سے پورے ملک میں منایا گیا اور ہر سال یہ دن مناتے ہیں۔ 1985ء میں جب ہم نے اعلان کیا کہ کراچی کے علاوہ تمام صوبائی صدر مقامات پر پرامن طور پر اجتماعات ہوں تو کوئٹہ میں انتظامیہ کی نااہلی کی وجہ سے ایک سانحہ وجود میں آیا جس نے تمام مسلمانوں کے دلوں کو آزردہ کر دیا اور اس کے نتیجے میں متعدد افراد شہید ہو گئے اور ہمارے کئی جوان اور بوڑھے تحریک کے کارکن پابند سلاسل ہو گئے اور دس مہینے تک ان کو جیلوں میں بند رکھا گیا اس کے بعد آزاد کر دیئے گئے لیکن اب بھی کچھ مسائل باقی ہیں۔ اس کے بعد اسی طرح مسئلہ آگے بڑھتا رہا اور آخر کار حکومت نے اعلان کر دیا کہ ہم اسلامی نظام کے نفاذ میں ناکام ہو چکے ہیں اب یہاں پر ہم کیا کرتے ہیں؟ یا تو ہم یہ کہتے ہیں کہ چونکہ حکومت نے جب اسلامی نظام کا نعرہ بلند کیا تھا تو پھر اس کے مقابلے میں ہم اپنے مطالبات کے لئے کام کرتے تھے لیکن حکومت نے اپنے اسلامی نظام سے دستبردار ہونے کا اعلان کیا ہے تو کیا ہم بھی فقہ جعفریہ کے مطالبات سے دستبردار ہو جائیں نہ ایسا کبھی نہیں ہو سکتا۔ جو سفر قوم کے جوانوں نے علماء کی قیادت میں شروع کیا تھا اس سفر کو ہم روک لیں یا پیچھے کی طرف ہم اسے واپس کر دیں نہیں ایسا نہیں ہو گا ہم نے یہ احساس کیا کہ اب ہماری ذمہ داری اور زیادہ ہو گئی ہے اگر پہلے ہماری ذمہ داری صرف شیعوں کے لئے فقہ جعفریہ کے نفاذ کا مطالبہ تھا تو آج اس سے بڑھ کر جہاں ہم شیعوں کے لئے فقہ جعفریہ کے نفاذ کا مطالبہ کرتے ہیں تو وہاں ہم پورے ملک میں اسلامی نظام کا مطالبہ کریں گے اور اسلامی نظام کے لئے جدوجہد کریں گے ایک ایسے اسلامی نظام کا نفاذ کہ جس کے تحت مسلمان اخوت اسلامی اور صلح و صمیمیت کے ساتھ اپنے مکتب و عقائد کے مطابق آزادی کے ساتھ زندگی گزار سکیں لیکن مشترک دشمن کے مقابلے میں سیسہ پلائی ہوئی دیوار بن جائیں لہٰذا ہم نے اپنے بھائیوں سے کہہ دیا ہے، تحریک کے کارکنوں اور علماء کی خدمت میں عرض کیا ہے کہ اے علماء اسلام! اے فرزندان قرآن و سنت! آج

آپ کی ذمہ داری اور بڑھ گئی ہے۔ آج آپ کو اپنی توانائیوں کو بھرپور طریقے سے اس نظام کے لئے خرچ کرنا ہوگا لہٰذا ہم نے اپنے پروگرام کو اس طرح کر دیا کہ جہاں ہم اتحاد بین المسلمین کے پلیٹ فارم پر ہمیشہ سے جدوجہد کرتے رہے۔ علماء اسلام کے ساتھ مسلمانوں کے مصالح کی خاطر اور اسلام کے دشمنوں کی سازشوں کو ناکام بنانے کے واسطے آپس میں اجتماعات کرتے رہے اور اس کے لئے ہم منصوبہ بندی کرتے رہے اور اس کے ساتھ ساتھ ہم نے احساس کیا کہ اگر پورے ملک میں نفاذ اسلام کے لئے ہم بات کرتے ہیں تو پھر صرف دین کے حوالے سے اور ادھر ہمارا عقیدہ ہے کہ اسلام میں دین سیاست سے جدا نہیں بلکہ سیاست دین کا ایک جزو ہے اور ہم نے یہ دیکھ لیا کہ ہمارے سیاسی مسائل ہمارے مذہبی مسائل پر اثر انداز ہوتے تھے اور ہمارے مذہبی مسائل ہمارے سیاسی مسائل سے جدا نہیں تو ہم نے جب یہ احساس کیا کہ اسلام کے اصول بھی یہی ہیں تو پھر ہم نے یہ کہہ دیا کہ ہم ملکی مسائل سے، بین الاقوامی مسائل سے لاتعلق نہیں رہ سکتے۔ ملک میں کیا ہو رہا ہے ہم پر کیسا نظام مسلط ہے۔ ایک ایسا نظام جس کے تحت امیر، امیر تر ہوتا رہے اور غریب غریب تر ہوتا رہے۔ رشوت، جھوٹ، برائیاں، عریانیت، عیاشی اور دیگر برائیاں روز بروز بڑھ رہی ہیں۔

اس کے ساتھ سامراج، امریکی اور روسی استعمار پاکستان کو اپنے لئے سیاسی میدان سمجھ کر یہاں پر گھناؤنا کھیل کھیلتے ہیں لہٰذا ہم نے احساس کیا کہ اگر ہم مسلمان ہیں اور اسلام ہمیں یہ تعلیم دیتا ہے کہ جہاں آپ پر نماز اور روزہ واجب ہے وہاں پر امر بالمعروف اور نہی عن المنکر بھی واجب ہیں جہاں آپ پر انفرادی واجبات ہیں وہاں پر اجتماعی فرائض بھی آپ پر واجب ہیں لہٰذا ہم اجتماعی فرائض کو نظر انداز نہیں کر سکتے۔ ہم اس نظام کو کب تک برداشت کرتے رہیں گے؟ جس نظام میں سپر طاقتوں کے مفادات کا خیال رکھا گیا ہو جس نظام میں مغربی قوانین ہم پر مسلط ہوں جس نظام میں مغربی تہذیب ہمارے گھروں میں ہمارے معاشرے میں ہمارے سکولوں میں غرض ہر جگہ روز بروز بڑھ رہی ہو تو ہم نے احساس کیا کہ ہم جتنی بھی جدوجہد کر لیں، انفرادی طور پر ہم جتنی بھی کوشش کر لیں لیکن اگر یہ غلط اور فاسد نظام ہم پر مسلط ہے تو ہم اپنی جدوجہد میں مکمل طور پر کامیاب نہیں ہو سکتے لہٰذا ہم نے احساس کیا اور بیٹھ کر اپنی تحریک کی مرکزی کونسل اور سپریم کونسل کے اجتماع کئے ہم نے یہ طے کیا کہ ہم

پاکستان میں ایک اسلامی نظام قائم کریں گے۔ہم کب تک بیٹھ کر یہ دیکھتے رہیں گے کہ ہمارے فیصلے واشنگٹن میں ہوں یا جس طرح کہ کچھ لوگ سوچتے ہیں کہ واشنگٹن کے بدلے ہمارے فیصلے ماسکو میں ہوں نہیں نہیں اسلامی غیرت ہمیں یہ اجازت نہیں دیتی۔ہم یہ چاہتے ہیں کہ پاکستان کے فیصلے پاکستانی افراد کے ذریعے پاکستانی مرد وخواتین اسلام آباد میں کریں نہ کہ کسی اور جگہ پر۔

برادران اسلامی! قرآن ہمیں یہ کہتا ہے۔

''وَلَنْ يَّجْعَلَ اللّٰهُ لِلْكٰفِرِيْنَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ سَبِيْلًا ''(نساء۔۱۴۱)

لیکن حقیقت اس کے برعکس ہے۔اس وقت ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ ہمارے ہر شعبہ حیات پر فوجی شعبہ ہو، اقتصادی مسئلہ ہو، سیاسی میدان ہو دوسری جگہیں ہوں کیا سب کے سب پر آج امریکہ کا کنٹرول نہیں ہے؟ آج امریکی آزادی کے ساتھ پاکستان میں آتے جاتے ہیں جیسے پاکستان امریکہ کی ایک ریاست ہو اور یہاں تک کہ ان کے سفیر یہاں پر ایسے بیانات دیتا ہے اور ان کی کانگریس سے آئے ہوئے نمائندے یہاں سے جا کر ایسے ایسے بیانات دیتے ہیں کہ ان سے ہمارا استقلال مجروح ہوتا ہے اور ہمارے وقار کو ٹھیس پہنچتی ہے اور اس سے بدتر یہ کہ ہمارے ملک کا ایک ذمہ دار فرد بھی جرأت کے ساتھ یہ کہہ دیتا ہے کہ امریکہ کو پاکستان کے ہوائی اڈوں کو استعمال کرنے کی اجازت دی جا سکتی ہے۔ہم امریکیوں سے کہتے ہیں کہ اگر امریکہ نے پاکستان کا کوئی اڈہ اسلامی جمہوریہ ایران کے خلاف استعمال کیا تو پاکستان کے مسلمان امریکہ کو یہاں پر آرام سے نہیں بیٹھنے دیں گے۔

برادران اسلامی! ہم حکمرانوں کو متنبہ کرتے ہیں کہ اگر پاکستانی حکمرانوں نے یہ غلط اقدام کیا۔ یہ قدم اٹھایا تو پھر ان کو جاننا چاہئے کہ پاکستان کے مسلمان عوام ان سے اقتدار چھین کر ان کو ذلیل و خوار کر دیں گے۔ہم سامراج، دشمنان اسلام امریکہ ہو یا روس ہم ان کو آپس میں مربوط سمجھتے ہیں۔ پس اے مسلمان! بیدار ہو جاؤ خدا کے لئے قومیت کا بت توڑ دو۔پختون کیا ہے؟ پنجابی بلوچی سندھی کیا ہے؟ ہمیں اسلام اور مسلمان ہونے پر فخر کرنا چاہئے۔ہم پہلے مسلمان ہیں اس کے بعد کچھ اور۔یہ سب اسلام دشمنوں کی سازشیں ہیں جو مسلمانوں کو کمزور کرنے کے لئے قومیت کا حربہ استعمال کر رہے ہیں۔اسلام میں ''لا فخر لعربی علی العجمی و لا لعجمی علی العربی ''سیاہ و سفید، عرب و

عجم میں کوئی فرق نہیں ہے۔ سوائے تقویٰ کے، پس اے مسلمان! قومیت کا بت توڑ دو۔ قومیت کے نام پر امریکہ اور روس کی خدمت مت کرو۔ اسی فرقہ واریت کے نام پر جو کچھ اس ملک میں کیا جارہا ہے میں کہتا ہوں کہ جہاں قومیت کا مسئلہ کھڑا ہو وہاں روس کا ہاتھ ہوگا جہاں فرقہ واریت ہو وہاں امریکہ کا ہاتھ ہوگا لیکن صرف باریک بین نگاہیں ہی اسے دیکھ سکتی ہیں۔ ہر آنکھ اس کو نہیں دیکھ سکتی۔

برادران اسلامی! میں یہ کہتا ہوں کہ تنگ نظری اہل سنت میں ہو یا شیعوں میں، قدیم سے ہم یہ تاریخ میں پڑھ رہے ہیں کہ اس تنگ نظری سے، ایک دوسرے کی تکفیر سے اسلام اور مسلمانوں کو جو نقصان پہنچا ہے وہ کبھی بیرونی طاقتوں سے نہیں پہنچا۔ یہ ایک دوسرے پر کفر کا فتویٰ لگانا ہمارے ملک میں ایک بہت بڑا مرض ہے اور ایک بہت بڑا خطرہ ہے۔ آج پاکستان میں کوئی بھی شخص کفر کے فتویٰ سے اپنے آپ کو محفوظ نہیں سمجھتا۔ یہ کیا ہے؟ جہاں پر ہمارے اوپر بیرونی طاقت سے بم پھینکے جارہے ہیں اور ہمارے اندر کچھ تنگ نظر افراد ہیں۔ وہ بھی یہ کفر کے بم مسلمانوں کے سروں پر پھینک رہے ہیں۔

برادران عزیز! میں عرض کروں گا کہ سنی ہو یا شیعہ، بریلوی ہو یا اہل حدیث، دیوبندی ہو یا اہل تصوف اے مسلمان! اے کلمہ توحید کے فرزند! میں آپ سے یہ سوال کرتا ہوں کہ آپ جو یہ جھگڑے کرتے ہیں ان کے نتیجے میں کس کو فائدہ پہنچ رہا ہے سنی کو؟ نہ، شیعہ کو؟ نہ، دیوبندی کو؟ نہ، بریلوی کو؟ پس کس کو فائدہ پہنچ رہا ہے؟ کفر کو۔ اس لئے کہ جب ہمارے کلمات، ہماری زبانیں اور ہماری توانائیاں جن کو اسلام کی مصلحت میں کفر کے خلاف استعمال ہونا چاہئے تھا جب ہم ان کو ایک دوسرے کے خلاف استعمال کررہے ہیں تو اس کے نتیجے میں ہم کمزور ہو کر سامراج اور استعمار کی خدمت کررہے ہیں اگر آپ صحیح معنوں میں شیعہ ہیں، اگر آپ صحیح معنوں میں سنی ہیں تو اختلاف کی باتیں چھوڑ دیں۔ اس سے آپ دشمن اسلام کی خدمت کررہے ہیں۔ ایک دوسرے کے احساسات و جذبات کو مجروح نہیں کرتے؟ ذرا ان غیر مسلموں سے سیکھ اے مسلمان! کتنا افسوس کا مقام ہے۔ غیر مسلم کو مسلمان سے سیکھنا چاہئے تھا لیکن آج مسلم کو غیر مسلم سے سیکھنا چاہئے کہ وہ ایک دوسرے کے احساسات و جذبات کو مجروح نہیں کرتے۔ آپ یقین کیجئے کشمیر کا مسئلہ آج حل ہو جاتا، فلسطین کا مسئلہ حل ہو چکا

ہوتا، افغانستان کا مسئلہ پیدا نہ ہوتا، ہندوستان میں مسلمانوں کا قتل عام نہ ہوتا، ایران عراق کے حوالے سے غیروں کے اشارہ پر ایران اسلامی پر جنگ مسلط نہ کی جاتی۔ کویت، فلسطین تیونس، مصر اور دوسرے اسلامی ممالک میں اسلام خواہی کے جرم میں لوگوں کو نہ پکڑا جاتا، اسلامی تعلیمات پر ترکیہ اور انڈونیشیا میں پابندی نہ ہوتی، یہ سب کچھ کیوں ہے؟ یہ صرف اس لئے ہے کہ ہم قرآن کی تعلیمات سے دور ہو گئے ہیں۔ ہم اختلافات کا شکار ہو گئے ہیں۔ ہماری کوئی مرکزیت نہیں ہے۔

برادران عزیز! ہم سلام کرتے ہیں افغانستان کے ان جوانوں کو جو اس وقت روسی طاغوت سے لڑ رہے ہیں۔ ہم سلام کرتے ہیں۔ ان فلسطینیوں اور لبنانیوں کو جو امریکیوں سے لڑ رہے ہیں۔ ہم سلام کرتے ہیں ان مصری اور افریقیوں کو جو کلمہ حق کی سربلندی کے لئے اس وقت جیلوں میں ہیں۔ ہم سلام کرتے ہیں ہندوستانی مظلوم مسلمانوں کو، کشمیر میں مظلوم مسلمانوں کو ہم سلام کرتے ہیں۔ ہم سلام پیش کرتے ہیں عراق میں ان مسلمانوں کو جو صدام سے آزادی کے لئے لڑ رہے ہیں۔ ہم سلام کرتے ہیں ان ایرانی مسلمانوں کو جو قائد عظیم الشان، امید مستضعفین جہان، حضرت آیت اللہ العظمیٰ امام خمینی کی قیادت میں تمام مسلمانوں کے لئے تمام محرومین کے لئے اس وقت سپر طاقتوں سے نبرد آزما ہیں۔

برادران اسلامی! چونکہ آپ تھک چکے ہیں زیادہ زحمت نہیں دوں گا لیکن میں چاہتا ہوں کہ چونکہ ہماری جماعت ایک وسیع معنی میں دینی جماعت ہے۔ ہمارے نزدیک اصل دین ہے، دین کل ہے، سیاست اس کا ایک جزء ہے۔ ہم سیاست کو دین کا تابع سمجھتے ہیں ہم نے اس حوالے سے ایک منشور کا اعلان کیا ہے لہٰذا اس کو آگے بڑھانے کے لئے ہم چاہتے ہیں کہ اپنی قوم کے ذمہ دار افراد سے کچھ باتیں کریں۔ ان ذمہ دار افراد میں پہلا گروہ وہ ہے جو عزاداری سید الشہداءؑ کے پیغام کو آگے بڑھاتے ہیں۔ حسینی مشن کے ذمہ دار ہیں۔ یعنی کون؟ یعنی ذاکرین یعنی خطباء یعنی اہل منبر حضرات۔ اے حسینی مشن کو آگے بڑھانے والو! تمہیں یہ معلوم ہونا چاہئے کہ حسینؑ کی یہ عظیم قربانی اس لئے تھی کہ ان کے کلام میں یہ جملہ پایا جاتا ہے کہ میں نے اس لئے قیام کیا ہے کہ **لطلب الاصلاح فی امة جدی** کہ حسینؑ ابن علیؑ اپنی جدؐ کی امت کی اصلاح کے لئے میدان میں آئے ہیں۔ پس اے منبر حسینؑ پر بیٹھنے والو! کوئی ایسی بات جو امت رسول اللہؐ کی اصلاح کے خلاف ہو یا اس کے منافی ہو اس منبر سے آپ

نہ کہیں۔اے ذاکرین عظام آپ کے قوم پر بڑے احسانات ہیں۔آپ کے احسانات سے کوئی انکار نہیں کرسکتا۔اے واعظین! آپ کی مساعی جمیلہ کو خدا قبول فرمائے لیکن ہمارے بعض رفقاء کے بقول شہید انسانیت کے منبر پر بیٹھنے والے کو چاہئے کہ انسانوں کے خلاف دل آزار باتیں نہ کرے۔

دوسری بات میری علماء سے ہے وہ علماء جو مدارس میں بیٹھے ہیں وہ علماء جو معاشرے کے رہنما کی حیثیت رکھتے ہیں اور راستہ دکھانے والے ہیں۔اے علماء کرام! علی علیہ السلام نے نہج البلاغہ میں آپ کو پیغام دیا ہے۔

لَوْ لَا حُضُوْرُ الْحَاضِرِ وَ قِيَامُ الْحُجَّةِ بِوُجُوْدِ النَّاصِرِ
وَ مَا اَخَذَ اللّٰهُ عَلَى الْعُلَمَاءِ اَنْ لَا يُقَارُّوْا عَلٰى
كِظَّةِ ظَالِمٍ وَلَا سَغَبِ مَظْلُوْمٍ'' (نہج البلاغہ ابن ابی الحدید ج۱،ص۲۰۲)

امیر المومنین فرماتے ہیںؑ کہ علماء سے خدا نے یہ عہد لیا ہے کہ وہ ظالمین کی پرخوری اور ظلم پر اور مستضعفین کی گرسنگی، بے بسی اور مظلومیت پر خاموش نہیں بیٹھیں گے۔اے علماء اسلام! آج وقت آگیا ہے کہ آپ مظلومین کی حمایت میں کلمہ حق کی سربلندی کے لئے میدان میں آئیں اور جوانوں کی صحیح رہنمائی کریں۔ایک ایسی تحریک اور تنظیم جو اسلامی ہو اس میں قیادت و رہبری علماء کے ہاتھ میں ہونی چاہئے۔

میری تیسری بات جوانوں سے ہے۔اے جوان! تو قوم کا سرمایہ ہے۔اے جوان! قوم کی امیدیں آپ سے وابستہ ہیں۔آئندہ اس مملکت کی زمام امور آپ کے ہاتھ میں آنے والی ہے لہٰذا آپ کو چاہئے کہ اس وقت ہر لحاظ سے اپنے آپ کو آمادہ کرلیں۔علمی لحاظ سے، تقویٰ کے لحاظ سے اور دوسری صلاحیتوں کے لحاظ سے۔یہ آپ کے لئے موقع ہے کہ آپ ہر لحاظ سے اپنے آپ کو آمادہ کرلیں۔

ایک اور گزارش میری بہنوں سے ہے۔اے مسلمان خواتین! صدر اسلام کی خواتین نے پیغمبر اکرمؐ کے زمانے میں، صحابہ کے زمانے میں، اہل بیت اطہار علیہم السلام کے زمانے میں اسلام کے لئے عظیم کردار ادا کیا ہے۔اگر آج آپ اپنے وظیفہ کو سمجھ کر حضرت خدیجہ، حضرت زہرا، حضرت زینب سلام اللہ علیہن کی سیرت پر چل کر ان کے ''خطبوں'' کو مدنظر رکھ کر اور قرآن وسنت اور اہل بیت کی تعلیمات کی روشنی میں اپنے دامن میں پلنے والے بچوں اور بچیوں کی صحیح طور پر تربیت کرلیں تو آئندہ اسلامی

معاشرے کا رنگ کچھ اور ہوگا۔ لہٰذا چونکہ آپ کا دامن بچیوں اور بچوں کے لئے اولین درسگاہ ہے لہٰذا ہم آپ سے یہ خواہش کرتے ہیں کہ آپ اپنی ذمہ داریوں کا احساس کریں اور ان پر عمل کرنے کی کوشش کریں۔

ایک خواہش ہماری اس وقت صحافی حضرات سے ہے کہ صحافی حضرات قوم کی فکر کو بنا سکتے ہیں۔ آپ اخبارات میں، ذرائع ابلاغ میں جو لائن دینا چاہیں اسی لائن خط پر قوم چل پڑے گی۔ اے پاکستانی صحافی! آپ مسلمان ہیں یہ قوم بھی مسلمان ہے۔ خدا کے لئے آپ کوشش کریں کہ آپ کی صحافت میں، آپ کی تحریر میں، آپ کے قلم میں، اسلام و قرآن کی تعلیمات ہوں۔ کوئی ایسا نکتہ کوئی ایسی بات جس کے نتیجے میں ہمارے جوان اسلام سے کسی اور طرف چلے جائیں اس سے آپ سختی کے ساتھ پرہیز کریں۔

اسی طرح ایک اور خواہش ہماری تاجر حضرات سے ہے۔ خداوند متعال نے ہر کسی کے لئے اپنا اپنا فریضہ قرار دیا ہے۔ تجار اور صاحب ثروت کے لئے بھی خدا نے ایک وظیفہ مقرر کیا ہے۔ یہ مال مقصد نہیں ہے۔ یہ ثروت مقصد نہیں ہے۔ یہ خدا نے آپ کو اس لئے دی ہے کہ آپ دین اور کلمہ حق کی سربلندی اور باطل کے خلاف اس کو استعمال کریں۔

اس کے ساتھ میں اپنے دوسرے بھائیوں خصوصاً زمیدار حضرات سے گزارش کروں گا کہ خدا نے آپ کو زمین دی ہے۔ ۶ جولائی کے معاہدے کے نتیجے میں حکومت آپ سے زکوٰۃ نہیں لیتی لیکن اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ زکوٰۃ آپ پر واجب ہی نہیں ہے۔ نہیں نہیں!! زکوٰۃ فقہ جعفریہ میں واجب ہے۔ اگر کسی نے اس سے انکار کیا تو وہ دین اسلام سے خارج ہے۔ اگر ہم یہ کہتے ہیں کہ زکوٰۃ حکومت کو نہ دو تو اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ آپ زکوٰۃ بالکل نہ دیں۔

اس لئے آپ فقراء، غریبوں اور دینی مدارس کا خیال رکھیں اور آپ پر جو فرض عائد ہوتا ہے اس کو ضرور انجام دیں۔ اسی طرح میں قوم کے ہر فرد کے لئے ایک بات کروں گا۔ وہی بات ہے جو علی ابن ابی طالب علیہ السلام امام اول مشکل کشا حیدر کرار نے نہج البلاغہ میں فرمائی ہے۔ آپ بار بار فرماتے ہیں۔

''عِبَادَ اللّٰہِ اُوْصِیْکُمْ بِتَقْوَی اللّٰہِ''

اے خدا کے بندو! تقویٰ اختیار کرو۔

امام صادق علیہ السلام فرماتے ہیں۔

''کُوْنُوْا دُعَاۃَ النَّاسِ بِغَیْرِ اَلْسِنَتِکُمْ'' (بحار ج ۷۰، ص ۳۰۸)

اے میرے پیروکارو! لوگوں کو ہماری طرف بلاؤ لیکن کردار کے ساتھ، عملی پیروکار بنو۔ عملی مسلمان بنو۔ کردار سے ثابت ہو جائے کہ آپ کس کے پیروکار ہیں۔

میں اس سے زیادہ مزاحم نہیں ہوتا کیونکہ وقت کافی گزر گیا ہے اور ایک مرتبہ میں سارے علماء کرام، ذاکرین عظام، وکلاء حضرات اور دوسرے ہر مکتب اور ہر تنظیم چاہے وہ عمومی ہو، ملکی ہو، علاقائی ہو، صوبائی ہو اور جن جن حضرات نے جس طریقے سے بھی اس قرآن وسنت کانفرنس کو کامیاب بنانے کی کوشش کی ہے مال کے لحاظ سے زبان کے ذریعے سے تحریر کے وسیلے سے اخلاق کے لحاظ سے میں ان سب کا شکریہ ادا کرتا ہوں اور ایک مرتبہ پھر میں آپ سب کا شکریہ ادا کرتا ہوں کہ آپ نے ہم پر احسان کیا اور اس کنونشن کو کامیاب کرنے کے لئے آپ نے صعوبتیں برداشت کیں اور انتظامیہ کو بھی میں خراج عقیدت پیش کرتا ہوں۔

والسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

6 جولائی 1987ء

مینار پاکستان لاہور

☆☆☆☆☆

قرآن وسنت کانفرنس ملتان

قائد شہید علامہ سید عارف حسین الحسینی کے خطاب سے اقتباسات:

آپ نے فرمایا کہ ''ہم ملک میں وہ نظام لانا چاہتے ہیں جو خدا اور اس کے رسولؐ کا عطا کردہ ہے لہٰذا ہم موجودہ حکمرانوں کا دیا ہوا نظام ہرگز تسلیم نہیں کرتے جس نے نہ صرف نوجوانوں کو گمراہ کیا ہے بلکہ اسلام کا تمسخر اڑایا ہے۔ ہم محمد عربیؐ کا نظام چاہتے ہیں کیونکہ اسلام ہی نے دنیا کو ظلم کے خلاف بیدار کیا اور دیگر ملحدانہ نظریات کے جھوٹے دعوؤں کی قلعی کھول کر رکھ دی۔ یہ اسلام کی طاقت تھی جس نے روسیوں کو افغانستان سے نکلنے پر مجبور کیا اور امریکہ کو خلیج فارس میں شکست دی اور آج اسلام کے نام پر فلسطینی و لبنانی عوام متحد ہیں۔

آج کا مسلمان بیدار ہو چکا ہے۔ مسلمانوں کو معلوم ہونا چاہیے کہ ہمارا مرکز اور ہماری بقا صرف اور صرف اسلام سے ہے۔ ہمیں اتحاد بین المسلمین کے جھنڈے تلے جمع ہو کر روسی اور امریکی گماشتوں کی سازش کو ناکام بنانا ہے۔ ہمیں سازشی عناصر پر نہ صرف نظر رکھنی ہوگی بلکہ فسادات برپا کرنے والے عناصر کے ہاتھ کاٹنا ہوں گے۔ جب ہم سب کا مقصد قرآن وسنت کی بالادستی ہے تو پھر چھوٹی چھوٹی باتوں کو اختلاف کا باعث نہیں بنانا چاہئے لہٰذا آج کے دن ہم عہد کریں کہ ہم اپنا پیغام اخوت عام کریں گے۔ ملت جعفریہ کے خلاف امریکہ کے ایماء پر پروپیگنڈا کیا جا رہا ہے۔ امریکہ صرف اہل تشیع کا مخالف نہیں بلکہ پورے عالم اسلام کا بدترین مخالف ہے جس کا مقابلہ اتحاد بین المسلمین سے ہی ممکن ہے۔ یاد رکھئے اگر اسلام چند عبادات کا نام ہوتا تو آج اس میں اس قدر جاذبیت نہ ہوتی۔ مسلمان لادینی نظریات اور انکے فریب کو جان چکے ہیں۔ اب وقت آ گیا ہے کہ ہم

اسلام کے دامن میں پناہ حاصل کریں کیونکہ اسلام انسانوں کے حقوق اور مراعات کا تحفظ کرتا ہے جبکہ اس کے مقابلے میں دیگر نظریات صرف زبانی جمع خرچ ہیں۔

جمہوریت کی جو راہیں حضرت علی علیہ السلام نے واضح کی ہیں وہ نظام اسلام کی بنیادی اساس ہیں اگر ہم دیگر قوموں کے درمیان باوقار قوم بننا چاہتے ہیں تو پھر ہمیں اسلام کو مکمل طور پر اپنانا ہوگا۔ آپ دیکھ رہے ہیں کہ ہمارے حکمران اسلام کے مقدس نام کو اپنے اقتدار کے تحفظ کے لئے استعمال کر رہے ہیں ان کے اس عمل سے قوم کے حقوق کا استحصال ہو رہا ہے۔ جسے پاکستان کے عوام زیادہ دیر تک برداشت نہیں کر سکتے۔ جو لوگ سمجھتے ہیں کہ اسلامی نظام میں ان کے مسائل کا حل موجود نہیں ہے تو وہ اسلام کی حقیقی روح سے نابلد ہیں۔ اسلام تو ایک مکمل ضابطہ حیات ہے۔ سیاست اور دوسرے شعبہ ہائے زندگی اس کی جزو ہیں۔ اسلام اخوت کا درس دیتا ہے، نفرتوں کا نہیں۔ ہم کسی مخصوص طبقہ کی خوشنودی کے لئے اپنے مطالبات سے دستبردار نہیں ہو سکتے اور نہ ہی چاہتے ہیں کہ کوئی مکتب فکر ہماری خواہش پر اپنی عبادات ترک کر دے۔

☆☆☆☆☆

قرآن وسنت کانفرنس فیصل آباد

قائد شہید کے خطاب سے اقتباسات۔

آپ نے فرمایا۔

''پاکستان کا قیام نظام اسلام کے نفاذ کے لئے عمل میں آیا تھا مگر پاکستان کے قیام کے بعد قائم ہونے والی حکومتوں نے امریکہ روس اور دیگر لادینی قوتوں سے خوشگوار تعلقات استوار کرنے کے لئے بنیادی مقاصد سے انحراف کیا جس کے نتیجے میں چالیس برس کے دوران پاکستان کے مسلمان نہ صرف اپنے بنیادی حقوق اور نظام اسلام کی بدولت ملنے والی آزادی سے محروم ہیں بلکہ ایک سازش کے ساتھ ان کے جذبہ جہاد کو ختم کرنے کی بھرپور کوشش کی جارہی ہے۔مگر آج کا مسلمان بیدار ہو چکا ہے اور وہ سپر طاقتوں کی خوشنودی اور حکمرانوں کی کاسہ لیسی کا شکار ہونے کو تیار نہیں ہے۔

جنیوا مذاکرات پر منعقد ہونے والی گول میز کانفرنس میں تحریک نفاذ فقہ جعفریہ پاکستان نے اپنے موقف سے حکومت کو آگاہ کر دیا ہے۔ہم سمجھتے ہیں کہ افغان مسئلہ کے حقیقی فریق سوویت یونین اور مجاہدین ہیں پاکستان کی حیثیت ایک فریق کی ہے جبکہ حکومت امریکی خوشنودی کے حصول کے لئے جنیوا مذاکرات میں شرکت کر کے غلطی کر رہی ہے۔لہذا حکومت کو اس معاہدہ پر دستخط نہیں کرنے چاہئیں بلکہ حکومت کا فرض ہے کہ وہ عوام کو مسئلہ افغانستان کی حقیقت سے آگاہ کرے اور

انہیں اپنے اعتماد میں لے۔

افغان عوام نے سوویت یونین کے خلاف اپنی جدوجہد میں جس استقامت کا مظاہرہ کیا ہے اس کی دنیا میں نظیر نہیں ملتی۔ انہوں نے روس کو نہ صرف گھٹنے ٹیکنے پر مجبور کیا ہے بلکہ آج روس اپنی جارحیت کو غلط تسلیم کرنے کے بعد افغانستان کی زمین سے رخصت ہو رہا ہے۔ اس شکست سے نہ صرف روس کو شرمندگی کا سامنا کرنا پڑا ہے بلکہ پوری دنیا پر مسلمانوں کا جذبہ جہاد واضح ہو گیا ہے۔

بھارت، کشمیری مظلوم مسلمانوں پر ظلم توڑ رہا ہے، دن بدن اس کے مظالم میں اضافہ ہوتا جا رہا ہے جبکہ کشمیر کے مسلمان پاکستان کی جانب دیکھ رہے ہیں۔ لہٰذا پاکستان کے مسلمانوں اور بالخصوص حکمرانوں پر فرض ہے کہ وہ آگے بڑھیں اور اپنے مظلوم بہن بھائیوں کو ظلم سے نجات دلائیں۔ ہندوؤں کی یہ پالیسی کہ مسلمانوں کی مساجد کو مندروں میں تبدیل کیا جائے، ہمارے لئے ناقابل برداشت ہے۔ لہٰذا حکمرانوں کو چاہئے کہ وہ اقوام متحدہ کی قراردادوں سے آگے بڑھیں اور مسلم امہ میں اپنا کردار واضح کریں۔

اسی طرح فلسطین و لبنان کا مسئلہ بھی رسمی بیانات اور قراردادوں سے حل نہیں ہو سکتا بلکہ اسرائیل کے خلاف مسلح جہاد کی ضرورت ہے لہٰذا اس سلسلہ میں فلسطینی عوام کی عملی امداد ہمارا فریضہ ہے۔ ایران عراق جنگ میں عرب قومیت کا نعرہ لگا کر بعثی درندوں کی مدد کرنے والے عرب حکمران اب فلسطینی مسلمانوں پر ڈھائے جانے والے مظالم پر خاموش کیوں ہیں کیا فلسطینی عرب مسلمان نہیں؟

ہمیں معلوم ہے کہ مسئلہ عرب قومیت کا نہیں بلکہ امریکی غلامی کا ہے، امریکی، نجدی، سعودی و یہودی اندر سے ایک ہیں۔ لہٰذا عالم اسلام کو چاہیے کہ وہ ان کے خلاف اپنا لائحہ عمل اور مشترکہ موقف اختیار کریں۔

ہم ملک کی داخلی صورتحال پر قطعاً خاموش نہیں رہ سکتے۔ یہاں امریکی تسلط ہمارے لئے ناقابل قبول ہے اور اسکے دیئے گئے نظام ہمارے لئے بہتر نہیں ہیں۔ ملت جعفریہ نے قیام پاکستان سے استحکام پاکستان تک بیش بہا قربانیاں دیں لہٰذا حکمرانوں کا ملت جعفریہ کو نظر انداز کرنا، ریڈیو،

ٹیلیویژن پر ماہ صیام کے دینی پروگرامات میں شامل نہ کرنا صریحاً زیادتی ہے۔ہم ٹی وی پر فقط سحری اور افطاری پر اکتفا نہیں کر سکتے ۔ جب ہم اس ملک میں ٹیکس ادا کرتے ہیں۔ ہمارے نوجوان ملک کی سرحدوں پر حفاظت کرتے ہیں تو ہمیں ہمارے حقوق دینا اور ان کا تحفظ کرنا حکومت کی ذمہ داری ہے۔

حکومت کا ۶ جولائی ۱۹۸۰ء کے معاہدہ کی خلاف ورزی کرنا ہمارے لئے نا قابل برداشت ہے۔اگر حکومت نے ہمارے ساتھ زیادتی کا سلسلہ جاری رکھا تو پھر سنگین نتائج کی ذمہ داری بھی حکومت پر ہوگی۔ہم واضح کر دینا چاہتے ہیں کہ ہم ملک میں فرقہ واریت کو برداشت نہیں کر سکتے ،ہم پاکستان کی سیاست کو حقیقی دین کے تابع کرنے کے خواہش مند ہیں اور اس ملک میں قرآن وسنت کے نظام کے داعی ہیں جس میں بلاتفریق ہر مسلمان کے مسئلہ کا حل موجود ہے۔

عزاداری سید الشہداؑ ہماری شہ رگ حیات ہے اس میں رکاوٹیں اور اس کے عوض ہمارے نوجوانوں پر حکومتی مظالم نا قابل برداشت ہیں۔ یہ ظلم، یہ جبر ہماری جدوجہد کا راستہ نہیں روک سکتے۔ہم اتحاد بین المسلمین کا عَلم لے کر اٹھے ہیں اور اپنا پیغام اخوت پہنچا کے رہیں گے۔ ہمارے خلاف پروپیگنڈا سامراجی قوتوں کے ایجنٹوں کی طرف سے ہے جو مسلمانوں کے اتحاد سے خائف ہیں۔فرقہ واریت ،فتوی بازی اور مسلمانوں کے انتشار پر ہرگز یقین نہیں رکھتے۔ہم مکتب اہلبیتؑ کے پیرو ہیں ہمارا دین ہمیں اخوت اور اخلاق کا درس دیتا ہے جبکہ بدگوئی اسلام کے دشمنوں اور شکست خوردہ عناصر کا وطیرہ ہے۔

آج مسئلہ شیعہ سنی کا نہیں بلکہ مسئلہ کفر اور اسلام کا ہے۔ جب سنی اور شیعہ مسئلہ افغانستان پر ایک موقف اختیار کر سکتے ہیں تو پھر اپنے ملکی معاملات میں متفقہ موقف اختیار کیوں نہیں کر لیتے۔مسلمانوں کو جان لینا چاہئے کہ ان کے اختلافات سے غیر مسلم طاقتوں کو فائدہ پہنچے گا۔لہٰذا تمام مسلمانوں سے اپیل کرتا ہوں کہ وہ قرآن وسنت کا پیغام لے کر اٹھیں اور اپنی جدوجہد کو جاری رکھیں تاوقتیکہ سامراج اور عالمی استکبار کا خاتمہ ہو جائے''۔

قرآن وسنت کانفرنس ڈیرہ اسماعیل خان

قائد شہید کے خطاب سے اقتباسات

آپ نے فرمایا۔

''حکومت کی جانب سے شریعت آرڈیننس دین کے نام پر شخصی اقتدار کو مستحکم بنانے اور ۱۲ کروڑ عوام کو بنیادی حقوق سے محروم کرنے کی سازش ہے۔ ہم بحیثیت مسلمان نفاذ شریعت سے انکار نہیں کرتے لیکن کسی ایسے شخص کو جس کی آئینی اور اخلاقی حیثیت کچھ نہ ہو کسی قسم کے قانون کے نفاذ کی اجازت نہیں دے سکتے۔ جنرل محمد ضیاء الحق عوام کے نمائندے نہیں بلکہ طاقت کے بل بوتے پر خود کو گیارہ برس سے ملک وقوم پر مسلط کئے ہوئے ہیں۔ ان کے دور اقتدار میں اسلامی قدروں کو جس طرح پائمال کیا گیا ہے اس کی مثال ملکی تاریخ میں نہیں ملتی۔

بیرونی طائفوں کے رقص دیکھنے اور ان کے بے ہودہ پروگرامات میں شرکت اور اظہار مسرت کرنے والوں کو شریعت نافذ کرنے کا کوئی حق نہیں پہنچتا۔ مسلمان ایک قسم کے ہیں مگر دنیا میں اسلام دو اقسام کے ہیں۔۔۔۔ایک اسلام حضرت محمد صلی اللہ علیہ والہ وسلم کا ہے اور دوسرا امریکہ اور روس کے مفادات کا تحفظ کرنے والا۔ شریعت آرڈیننس کے علمبردار حضرات نے اسلام اور قرآن کی بالادستی کی بجائے امریکی نظریات سے قریب خود ساختہ اسلام کو مسلمانوں پر مسلط کرنے کی سازش کی ہے۔ کیونکہ امریکہ کو وہ اسلام قطعاً قابل قبول نہیں جس میں اس کے مفادات کا تحفظ نہ ہو۔

ہمارے لئے اسلامی اصول و قانون مقدم ہیں۔ ہم ایک ملک میں نفاذ اسلام کے لئے

جدو جہد کر رہے ہیں لیکن ہماری جدو جہد کسی فرد واحد یا کسی حکومت کی خوشنودی کے لئے نہیں بلکہ قرآن وسنت کی بالادستی کے لئے ہے۔ پاکستان برصغیر کے مسلمانوں کی طویل جدو جہد کے نتیجہ میں معرض وجود میں آیا تھا لیکن گزشتہ ادوار میں اسلام اور جمہوریت کے نام پر قائم ہونے والی آمرانہ حکومتوں نے ملک وقوم کو فرقہ واریت اور لسانی وعلاقائی تعصب کے ساتھ بدحالی کے سوا کچھ بھی نہیں دیا جس سے پاکستان کے حقیقی مقاصد کی تکمیل نہ ہوسکی۔ موجودہ صدر نے جمہوریت کی شمع کو گل کر دیا ہے ہم نے پہلے کہہ دیا تھا کہ جنرل ضیاء الحق کی دوہری حیثیت ملک وقوم اور جمہوریت کے لئے ہرگز بہتر نہیں ہے انہوں نے جونیجو حکومت کی چھٹی کرا کے ہمارے موقف کو سچ ثابت کر دیا ہے۔

گذشتہ گیارہ سالوں میں فرقہ واریت، لسانی تعصّبات، اقربا پروری، رشوت اور لوٹ کھسوٹ کی بدترین مثالیں سامنے آئی ہیں ان حالات میں جونیجو حکومت کو بدعنوانیوں کا مرتکب قرار دے کر خود کو بری الذمہ سمجھنا عوام کی آنکھوں میں دھول جھونکنے کے مترادف ہے۔

گلگت میں مسلح افراد کا سینکڑوں کلومیٹر کا فاصلہ طے کر کے نہتے مسلمانوں پر حملہ آور ہونا اور ان کا قتل عام کرنا یہ سب کچھ حکمرانوں کے اشارے پر ہو رہا ہے۔ جس کے ثبوت موجود ہیں۔ ہم تمام مکتب فکر کے افراد کا احترام کرتے ہیں اور ان سے اپیل کرتے ہیں کہ مسلمان قانون خداوندی کی حاکمیت اور قرآن وسنت کی بالادستی کے لئے متحد ہو جائیں۔

عزاداری سید الشہداءؑ ہماری شہ رگ حیات ہے۔ ہم اسے عبادت سمجھ کر ادا کرتے ہیں لہذا ہم اپنی عبادت میں کسی قسم کی مداخلت اور رکاوٹ قبول نہیں کرتے۔ ہم دوسروں کے عقائد میں مداخلت نہیں کرتے اور ہم دوسروں کو اپنے عقائد میں مداخلت کرنے کی اجازت بھی نہیں دیتے۔ ہم تمام مسلمان بھائیوں کے احساس وجذبات اور مقدسات کا احترام کرتے ہیں۔ اور ان سے ایسا کرنے کی توقع رکھتے ہیں۔

ہمارے درمیان سطحی اور معمولی اختلافات کی اہمیت نہیں ہے ہم مسلمانوں کے اصل مسائل تو کشمیر و فلسطین ہیں۔ ہمیں متحد ہو کر عالمی سامراج سے برسر پیکار ہونا چاہئے جو تمام مسلمانوں کا مشترکہ دشمن ہے۔"

حضرت امام خمینیؒ سے عشق

یہ حسن اتفاق ہی ہے کہ نجف اشرف میں زمانہ طالبعلمی کے دوران علامہ سید عارف حسین الحسینی کو حضرت امام خمینیؒ سے جو عقیدت ہوئی وہ روحانی باپ بیٹے کی صورت اختیار کر گئی۔ اس وقت کسے خبر تھی کہ اس وقت کا جلاوطن عالم دین آیت اللہ روح اللہ خمینیؒ انقلاب اسلامی برپا کر کے پورے عالم کفر پر لرزہ طاری کر دے گا اور اِس وقت کا ایک طالب علم سید عارف حسین الحسینیؒ پاکستانی مسلمانوں کی قیادت سنبھال کر نمائندہ امام خمینیؒ کی حیثیت سے اپنے ملک میں دین شناسی کا احساس اُجاگر کرے گا۔

گذشتہ صفحات کے دامن میں علامہ سید عارف حسین الحسینی کے زمانہ طالب علمی اور نجف اشرف میں قیام کے دوران حضرت امام خمینیؒ سے عقیدت کا تذکرہ موجود ہے۔ اسلام سے بے پناہ محبت اور باہمی اخلاص کی بناء پر جب عارف حسین الحسینی نے پاکستان میں قیادت کی عظیم ذمہ داری قبول کی تو حضرت امام خمینیؒ نے اُن کو پاکستان میں نمائندہ ولی فقیہ کی سند عطا فرمائی۔

حضرت امام خمینیؒ نے ایران میں اسلامی حکومت کے قیام کے بعد عالم اسلام کے تمام ممالک میں اسلامی حکومت کے قیام اور استعمار کے خاتمے کے لئے اپنے نمائندگان مقرر فرمائے جنہیں ولی فقیہ کی حمایت اور اعتماد حاصل تھا۔ عوام ان نمائندگان کو نمائندگان ولی فقیہ کے نام سے پکارتے مگر امام خمینیؒ ان نمائندگان کو فرزندگان تصور فرماتے تھے۔ جیسا کہ علامہ سید عارف حسین الحسینی کی شہادت پر امام خمینیؒ نے فرمایا تھا ''میں اپنے عزیز بیٹے سے محروم ہو گیا''۔

علامہ سید عارف حسین الحسینی زمانہ طالب علمی سے ہی حضرت امام خمینیؒ کے مقلد تھے جس

کے ناطے آپ حضرت امام خمینیؒ کے ہر حکم کی تائید واجب سمجھتے تھے۔ جب عراق کی حکومت امام خمینیؒ کو کیمونسٹ اور ایک جنگجو مولوی سے تشبیہہ دیتی تھی اس وقت عراق میں علامہ سید عارف حسین الحسینی ایک غیر ملکی طالبعلم ہونے کے باوجود حضرت امام خمینیؒ کی ذات میں جذب ہو گئے تھے۔ آپ نے حضرت امام خمینیؒ کے ہر حکم کی بجا آوری اور اطاعت کے لئے جو شب و روز جدو جہد کی اسے تاریخ صدیوں تک اپنے دامن میں محفوظ رکھے گی۔

امام خمینیؒ کے افکار اور نظریات سے آپ کی محبت کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ آپ نے حضرت امام خمینیؒ کی ہر کتاب کو کئی بار پڑھا اور یہاں تک کہ آپ کو امام خمینیؒ کی تصانیف اور ان کے افکار پر مکمل عبور حاصل ہو گیا۔ آپ نے ہمیشہ اپنے احباب کو تاکید فرمائی کہ وہ حضرت امام خمینیؒ کی تصانیف کا مطالعہ کریں۔ آپ نے ملک کے ممتاز مترجمین اور مصنفین کو حضرت امام خمینیؒ کی تصانیف کے تراجم اور ان کی ذات پر کتب تحریر کرنے کی فرمائش کی۔

قیادت سنبھالنے کے بعد جب آپ نے ملک گیر دورہ جات کئے تو آپ نے نوجوانوں اور عوام کو وسیع پیمانے پر حضرت امام خمینیؒ کے افکار عالیہ سے آشنا کیا اور اس فکر کی ترویج کے لئے پاکستانی معاشرے میں ایک قومی لائحہ عمل اختیار فرمایا۔ آپ اپنے خطبات میں اکثر فرمایا کرتے تھے کہ ''آج عالم اسلام کے مسائل کے لئے واحد حل حضرت امام خمینیؒ کی راہ پر گامزن ہونا ہے''۔

آپ نوجوانوں کی محافل اور عوام کے بڑے بڑے اجتماعات میں یہاں تک فرماتے کہ حضرت امام خمینیؒ کی اطاعت ہم سب پر واجب ہے۔ پاراچنار کے ایک اجتماع میں آپ نے مکمل دلائل کے ساتھ فرمایا کہ ''آج ہم سب پر حضرت امام خمینیؒ کی اطاعت واجب ہو چکی ہے کیونکہ حضرت امام خمینیؒ امام آخر الزمان حضرت مہدی علیہ السلام کے نائب اور ولی فقیہ ہیں لہذا جس نے امام خمینیؒ کی اطاعت نہ کی گویا اس نے امام زمانہؑ کی اطاعت سے انکار کیا''۔

پشاور میں اپنے احباب کے جھرمٹ میں بیٹھے ہوئے فرمانے لگے ''عزیز دوستو! حضرت امام خمینیؒ اس وقت معیار حق ہیں لہذا ان کے خط پر چلنا اور اسی پر قائم رہنا ہی درحقیقت حق کا ساتھ دینا ہے''۔

ایک مرتبہ گلگت بلتستان کے عوام نے امام خمینیؒ کو خط تحریر کیا کہ پاکستان میں اسلامی حکومت نہیں ہے جبکہ شمالی علاقہ جات میں اہل تشیع اور آپ کے مقلدین کی کثیر تعداد آباد ہے۔ آپ اپنی طرف سے شرعی حاکم کا تعین فرمائیں جن سے ہم احکامات شرعیہ میں رجوع کر سکیں۔ حضرت امام خمینیؒ کے دفتر نے سید عارف حسین الحسینی کو مراسلہ تحریر فرمایا کہ آپ شمالی علاقہ جات میں جس شخصیت کو بہتر سمجھیں امور شرعیہ کے لئے شرعی حاکم مقرر فرمائیں۔ آپ نے حضرت امام خمینیؒ کے فرمان کی بجا آوری کرتے ہوئے ۱۹، ۲۰ جون کو شمالی علاقہ جات کا دورہ کیا اور وہاں کے عوام کے لئے حجۃ الاسلام مولانا شیخ غلام محمد کو شرعی حاکم مقرر فرمایا۔

آپ نے ہر مشکل سے مشکل وقت میں بھی امام خمینیؒ کے افکار کی ترویج اور حکم کی تعمیل میں کوئی کمی نہ چھوڑی۔ پاکستان میں یوم القدس کے سالانہ جلوس، یوم خواتین کے پروگرام، ہفتہ وحدت اور حج بیت اللہ کے سیمینار، اتحاد بین المسلمین کے جلوسوں میں امریکہ کے خلاف اعلان جہاد کیا اور امام خمینیؒ کے احکامات کی تکمیل کی۔

آپ شہید باقر الصدرؒ کے اس فرمان کی عملی تفسیر تھے کہ امام خمینیؒ کی ذات میں اس قدر ضم ہو جائیں جیسے وہ اسلام میں ضم ہو چکے ہیں۔ آپ نے ملتان شیعہ میانی میں آئمہ مساجد کی ایک کانفرنس میں فرمایا کہ ''ہم سب پر فرض ہے کہ امام خمینیؒ کی اطاعت کریں اور ان کے افکار کی ترویج میں اپنی توانائیاں صرف کر دیں۔ علماء سیاست میں امام خمینیؒ کی پیروی کریں، آئمہ مساجد اور خطباء کو چاہئے وہ اپنے محسن رہنما کے افکار کو عوام تک پہنچائیں چونکہ امام خمینیؒ نے اسلام کے دشمنوں سے ٹکر لے کر ثابت کر دیا ہے کہ نام نہاد سپر طاقتوں کا وجود بے بنیاد ہے اور اصل حاکمیت خالق حقیقی کی ہے''۔

جنرل ریٹائرڈ سید تصور حسین نے بیان فرمایا ۱۹۸۷ء میں ایک بین الاقوامی کانفرنس میں وہ علامہ سید عارف حسین الحسینی کے ساتھ ایران گئے تو وہاں اہم شخصیات کی جماران میں امام خمینیؒ سے ملاقات ہوئی۔ اس ملاقات میں امام خمینیؒ اپنی جگہ مثل مہتاب اور ان کے گرد ان کے نمائندگان اور اعلیٰ روحانی شخصیات اپنے اپنے انداز میں تشریف فرما تھیں۔ جبکہ علامہ سید عارف حسین الحسینی سر جھکائے اور اپنے چہرے پر اشکوں کی لڑیاں سجائے امام خمینیؒ کی زیارت میں مصروف تھے۔ یہاں تک کہ نگاہ

امام خمینیؒ کے چہرے پر اٹھتی اور پھر سر جھکا کر اشکبار ہو جاتے۔ جب آپ سے آپ کی اس حالت کے بارے میں پوچھا گیا تو فرمانے لگے جب فرزند امام زمانہؑ اس قدر جمال و جلال رکھتے ہیں تو خدا معلوم امام زمانہ کا جمال و جلال کیسا ہوگا؟ پھر دعائیہ جملہ فرمایا ''خدا امام زمانہؑ کے ظہور کے ساتھ امام خمینیؒ کو عمر دراز عطا فرمائے اور ہمیں امام خمینیؒ کے ساتھ امام زمانہؑ کے لشکر کا سپاہی بنائے۔

حضرت امام خمینیؒ کے ساتھ بین الاقوامی نمائندگان کی ملاقات کے بعد ایک نہایت متقی عالم دین نے دعا دی کہ خدا امام کے ان نمائندگان کو سلامت رکھے اور یہ دشمن کی نظر بد سے محفوظ رہیں۔ مگر افسوس کہ امام خمینیؒ کی زندگی ہی میں امریکہ کی خفیہ ایجنسیوں نے ان اعلیٰ روحانی شخصیات کی قدر و قیمت کو جانچ لیا اور ان کے وجود کو مستقبل میں مغربی مفادات کے لئے خطرہ قرار دیا اور یکے بعد دیگرے مختلف ممالک میں اجرتی قاتلوں کے ذریعہ ان میں اکثر کو شہید کروا دیا۔

آپ نماز شب میں اپنی شہادت اور امام خمینیؒ کی عمر درازی کی دعا مانگا کرتے تھے۔

جب آپ امام خمینیؒ سے ملاقات کر کے پشاور تشریف لائے تو احباب نے امام خمینیؒ کی صحت کے بارے دریافت کیا تو کہنے لگے کہ دعا کریں اس مرتبہ امام خمینیؒ کافی نحیف لگ رہے تھے۔ مگر اس بات کا تذکرہ کسی سے نہ کریں بلکہ خصوصی دعائیں فرمائیں کہ خدا ہمارے سروں پر نائب امام کا سایہ قائم و دائم رکھے۔

آپ کا دل امام خمینیؒ کے دل کے ساتھ دھڑکتا تھا اور آپ کی نبضیں امام خمینیؒ کی نبضوں کی رفتار پر قائم تھیں۔ آپ پوری زندگی میں ظاہراً اس روز پریشان دکھائی دیئے جب امام خمینیؒ نے عراق سے جنگ بندی کا اعلان کرنے کے بعد فرمایا تھا کہ انہوں نے زہر کا پیالہ پی لیا ہے''۔ آپ امام خمینیؒ کا یہ فرمان سن کر کافی دیر تک اشکبار رہے اور اپنے احباب سے گلوگیر لہجے میں استفسار کرتے رہے کہ آخر میرے امام کو کیا مجبوری پیش آئی ہے کہ انہوں نے جنگ بندی کے اعلان کو زہر کا پیالہ پینے سے تشبیہہ دی ہے۔

آپ کا معمول تھا کہ عالم اسلام کو پیش آنے والی ہر مصیبت اور حضرت امام خمینیؒ کو استعمار کی جانب سے دی گئی ہر تکلیف کے موقع پر آپ حضرت امام خمینیؒ سے اپنے غم کا اظہار فرماتے۔ عراق میں

آقای محسن الحکیمؒ کے خاندان کا قتل، ایرانی پارلیمنٹ کے ارکان کی دردناک شہادت، خود آقای مہدی الحکیم کا وحشیانہ قتل اور اس قسم کے دوسرے واقعات میں آپ امام خمینیؒ کو تعزیت پیش کرتے اور گھر میں کبھی کبھار فرصت ملتی تو امام خمینیؒ کے خطبات کی ویڈیو کیسٹ دیکھتے۔ جونہی امام خمینیؒ کی تصویر سامنے آتی آپ کی آنکھوں میں چمک آجاتی۔

ایک مرتبہ آپ پشاور میں تشریف فرما تھے کہ وہاں بیٹھے ہوئے چند افراد نے امام خمینیؒ کی صحت اور اخباروں میں شائع ہونے والی خبروں پر تبصرہ کرنا شروع کیا تو آپ نے فرمایا اخبار کی خبروں میں امام خمینیؒ کی صحت کے بارے میں صداقت نہیں ہے۔ استعمار اور اس کے ایجنٹوں کا پروپیگنڈہ ہے۔ البتہ امام خمینیؒ ضعیف العمر ضرور ہیں مگر ہم قیاس آرائیوں پر یقین نہیں رکھتے۔ اسی دوران کسی نے کہہ دیا کہ آقا صاحب امام خمینیؒ کی وفات سے عالم اسلام کو بہت بڑا دھچکا پہنچے گا۔ امام خمینیؒ کی موت کا جملہ سنتے ہی آپ کا چہرہ زرد ہو گیا اور فرمایا خدا مجھے وہ دن نہ دکھائے کہ جب مجھے ایسی خبر سننے کا اتفاق ہو''۔ آخر ایسا ہی ہوا کہ آپ خود امام خمینیؒ کی زندگی میں ہی اس دار فانی کو الوداع کہہ کہ اپنا وعدہ وفا کر گئے۔

آپ کو جس قدر امام خمینیؒ کی ذات گرامی سے والہانہ عقیدت تھی اسی طرح امام خمینیؒ کے نمائندگان سے بھی آپ گہری عقیدت رکھتے تھے۔ حضرت آیت اللہ علی خامنہ ای دامت برکاتہ سابق صدر اسلامی جمہوریہ ایران کا دورہ پاکستان اگرچہ سفارتی سطح پر تھا مگر علامہ سید عارف حسین الحسینی اور ملت جعفریہ پاکستان نے ان کا استقبال امام خمینیؒ کے نمائندے کی حیثیت سے کیا تھا۔ حضرت آیت اللہ آقا سید علی خامنہ ای مدظلہ العالی کا تاریخ ساز استقبال علامہ سید عارف حسین الحسینی کی محنتوں اور عقیدت کا نتیجہ تھا۔

۱۳ جنوری ۱۹۸۶ء میں جب حضرت آیت اللہ آقا سید علی حسینی خامنہ ای پاکستان تشریف لائے تو علامہ سید عارف حسین الحسینی نے ہزاروں پرستاروں کے ساتھ اسلام آباد ائیر پورٹ کے باہر ان کا فقید المثال استقبال کیا۔ پاکستان کی تاریخ کا کسی غیر ملکی صدر کے لئے دوسرا بڑا عوامی استقبال تھا۔ یاد رہے کہ پہلا استقبال عوای جمہوریہ چین کے صدر کا ہوا تھا مگر اس استقبال کی نوعیت قدرے

مختلف تھی کیونکہ چینی صدر کا استقبال کرنے والے حکومت کی ایماء پر اور اخراجات پر آئے تھے۔ جبکہ ایرانی صدر کا استقبال خالصتاً عوامی امنگوں کا مظہر تھا۔ حضرت آیت اللہ آقا سید علی حسینی خامنہ ای کا استقبال جہاں انہیں خوش آمدید کہنے پر مبنی تھا وہاں امریکہ سے کھلم کھلا نفرت، دشمنان اسلام سے بیزاری اور ان کے خلاف جہاد کا اعلان بھی تھا۔

حضرت آیت اللہ آقا سید علی حسینی خامنہ ای کی ائیر پورٹ پر آمد کے موقع پر ضیاء الحق نے اپنی بیورکریسی اور ایجنسیوں کے ذریعے لاکھ جتن کئے کہ وہ سید عارف حسین الحسینی کے ساتھ کھڑے ہو کر ایران کے صدر کا استقبال کرے مگر آپ نے ضیاء الحق کی ان تمام کوششوں کو ٹھکرا کر اس کی سازشوں کو خاک میں ملا دیا اور فرمایا کہ مجھے ضیاء کے عزائم کا بخوبی علم ہے۔ دوسرا میں اس آمر اور جابر کے ساتھ کیسے کھڑا ہوں جس کے ہاتھ میری قوم کے خون ناحق سے رنگین ہیں اور ہمارے بیسیوں کارکنان اور جید علماء کرام کوئٹہ میں تا حال جیل کی صعوبتیں برداشت کر رہے ہیں۔

اسی موقع پر ضیاء الحق نے ایرانی سفیر کی منت سماجت تک بھی کی کہ وہ علامہ سید عارف حسین الحسینی کو ائیر پورٹ کے اندر لے آئیں مگر آپ نے فرمایا تھا کہ ''میں حکومتی نمائندہ نہیں ہوں نہ حکومتی سطح پر استقبال کرنے آیا ہوں۔ میں امام خمینیؒ کے نمائندہ اور رفیق کو عوام کے ساتھ خوش آمدید کہوں گا''۔

آخر ایسا ہی ہوا کہ آپ نے پہلے اسلام آباد اور پھر لاہور میں اپنی عوام کے ساتھ نمائندہ امام خمینیؒ کا والہانہ اور تاریخی استقبال کیا۔ اور پھر دوسرے روز آپ علامہ سید صفدر حسین نجفی مرحوم کے ساتھ ایرانی سفیر کی قیام گاہ پر ایک دعوت میں تشریف لے گئے جہاں آپ نے حضرت آیت اللہ سید علی خامنہ ای کو بالمشافہ خوش آمدید کہنے کے بعد ائیر پورٹ کے اندر استقبال نہ کرنے کی وجہ اور اصل صورت حال سے بھی آگاہ فرمایا۔ آپ کے احباب کے بقول زندگی میں پہلی بار آپ کو اس وقت بے حد خوش ہوتے ہوئے دیکھا گیا جب آپ نے نمائندہ امام خمینیؒ کا اپنے عوام کے ساتھ کامیاب استقبال کیا۔

آپ کی دلی خواہش تھی کہ امام خمینیؒ کے افکار کی روشنی میں پاکستان سے امریکہ کا تسلط ختم ہو اور یہاں کے مسلمان جسد واحدہ کی طرح اسلام کی بقاء اور سربلندی کے لئے سرگرم عمل ہوں۔ یہی وجہ تھی کہ آپ نے امام خمینیؒ کے ہر فرمان کو مسلمانان پاکستان تک کما حقہ پہنچایا اور خاطر

خواہ ثمرات حاصل کئے۔

آپ کے مجاہدانہ انداز، اتحاد بین المسلمین کے حقیقی درد، انقلاب اسلامی کے قیام کی مخلصانہ جدو جہد، حضرت امام خمینیؒ سے روحانی عشق اور استعمار سے دلی نفرت کی بدولت اسلامیان پاکستان نے آپ کو نائب خمینیؒ قرار دیا اور ہر طرف ایک ہی نعرہ گونجتا سنائی دیا۔

اے عارف حسینیؒ　　تو نائب خمینیؒ

اے عارف حسینیؒ　　تو روح خمینیؒ

☆☆☆☆☆

ملازمین سے رویہ

زہد وتقویٰ وعبادت وریاضیت انسان کوقرب خداوندکی عظیم منزلت اورسکون قلبی کی حقیقی لذت سے آشنا کردیتی ہے۔اس کے ساتھ حسن اخلاق اورانسانیت سے محبت انسان کوگوہر یکتا بنا دیتی ہے۔تاریخ شاہد ہے کہ انبیاء اورآئمہؑ کی تبلیغ دین میں جس پہلو نے انسانوں کومسخر کیاوہ ان کا حسن اخلاق تھا۔اخلاق ایک الٰہی خداداد صلاحیت اورنعمت ہے جواپنے تو کجاغیروں اوردشمنوں کے پتھر نما دلوں کوموم بنادیتی ہے۔چونکہ علامہ سید عارف حسین الحسینی آئمہ اطہارؑ کی سیرت کا حقیقی نمونہ تھے اسلئے جہاں وہ تقویٰ وریاضت کے عظیم درجہ پرفائز تھے وہاں اخلاق کی بلندیوں کوسر کرنے کی بناپر کروڑوں دلوں کوفتح کرچکے تھے۔یہی وجہ تھی کہ ان کے ہجر میں اپنے پرائے سب نوحہ کناں رہے۔تاریخ نے یہ بات اپنے دامن میں محفوظ کرلی ہے کہ اس ملکوتی انسان کی مظلومانہ شہادت پر نہ صرف گریبان چاک اور ماتم ہوئے بلکہ چاہنے والوں نے پتھروں سے اپنے سر پھوڑے۔کچھ کے اعصاب جواب دے گئے اور چنداں نے ان کے بغیر زندگی کو بے مقصد گردان کر خودکشی کی کوشش کی۔

دلوں پران کی فتح کی اس سے بڑی نظیر کیا ہوسکتی ہے کہ ان کے ذاتی محافظ نے اپنے جسم پرخود گولی چلادی اوران کا قاتل کہہ چکا ہے کہ مجھ سے کوئی وقت کا پیغمبر قتل کرایا گیا۔تفتیشی افسر کے ساتھ تنہائی کے لمحات میں جہاں قاتل نے تمام حقائق سے پردہ اٹھایا وہاں روتے ہوئے یہ انکشاف بھی کیا کہ اگر وہ ان کے نورانی چہرے کوگولی چلانے سے پہلے دیکھ لیتا تو ان پر قطعاً گولی نہ چلاتا۔

جس شخص کواس کا قاتل روئے نہ جانے ان کی قربت میں بیٹھنے اران کی خدمت کی

سعادت نصیب کرنے والوں پر کیا بیت گئی ہوگی؟ جب شہید حسینی کے بارے میں استفسار کیا گیا تو شہید کا نام سنتے ہی ہر ملازم اشکبار ہو کر سسکیاں لیتا رہا اور بستر مرگ پر موت کے منتظر کی نبضیں بے ربط ہو گئیں۔ غرضیکہ ہر ملازم نے رقت انگیز احساسات میں ڈوب کر شہید کے رویہ کی قابل تقلید داستانیں سنائیں۔

☆☆☆

عبداللہ چوکیدار نے بتایا کہ ایک مرتبہ مجھے پشاور کسی اہم شخصیت سے کام پڑ گیا تو آقا عارف حسین سے سفارشی خط لکھوایا۔ میں بند لفافہ لے کر اس شخص کے پاس پہنچا جس سے کام مقصود تھا۔ اس نے خط کھولنے سے قبل مجھ سے میرا تعارف چاہا تو میں نے واضح کیا کہ میں عارف حسین کا باورچی اور چوکیدار ہوں۔ پھر اس نے لفافہ چاک کیا آقا صاحب کا رقعہ پڑھا تو مجھے کرسی پر بیٹھا کر بتایا کہ علامہ سید عارف حسین الحسینی صاحب نے خط میں تمہیں اپنا بھائی لکھا ہے اس لئے تم میرے لئے قابل احترام ہو۔ آپ کا دستور تھا کہ کسی کو ملازمین کی سفارش کا خط لکھتے، فون کرتے یا مہمانوں سے تعارف کراتے تو تمام ملازمین کے بارے میں فرماتے کہ یہ میرے بھائی ہیں۔

☆☆☆

ایک بار آپ ملکی دورہ پر تھے آپ کے بچوں کی کسی شرارت پر عبداللہ نے بچوں کو تھپڑ مار دیا۔ آپ دورہ سے گھر واپس تشریف لائے تو آپ کے بڑے بیٹے محمد نے ماجرا سنایا اور ساتھ یہ بھی کہا کہ عبداللہ ہمیں تھپڑ مارنے والا کون ہے۔ آپ نے دونوں بچوں کو پکڑا اور عبداللہ کے پاس لے آئے۔ عبداللہ سے وجہ پوچھے بغیر اپنے بچوں سے کہا کہ عبداللہ سے معافی مانگو آخر کار بچوں نے عبداللہ سے معافی مانگی اور آپ نے عبداللہ سے فرمایا کہ عبداللہ بھائی مجھے یقین ہے کہ آپ نے میری عدم موجودگی میں میرے بچوں کو بہتری کے لئے ڈانٹا اور پیٹا لہذا آئندہ بھی خیال رکھا کریں۔

☆☆☆

بچوں پر سختی کرنے کا ایک واقعہ آپ کے محافظ ضامن علی نے یوں سنایا کہ ایک بار آقا صاحب کے بچوں کو اسکول سے لینے کے لئے وہ پانچ دس منٹ اسکول گیٹ پر دیر سے پہنچا تو آپ کے بچوں کو وہاں موجود نہ پایا۔ اس خیال سے کہ کہیں ڈرائیور مشرف حسین نہ لے گیا ہو گھر واپس آیا تو بچے گھر بھی نہیں پہنچے تھے۔ تذبذب اور غضب کی صورت میں ضامن حسین ایک بار پھر اسکول کے گیٹ پر پہنچا مگر صورتحال وہی تھی۔ ضامن کی کیفیت اس لئے بھی پریشان کن تھی کہ اتنی بڑی شخصیت کے بچوں کو کسی نے اغوا نہ کرلیا ہو؟ پھر ضامن نے قریبی بازار میں چکر لگائے تو بچے مل گئے۔ اتنے میں گاڑی پر ڈرائیور مشرف حسین بھی پہنچ گئے بچوں کو گاڑی پر بیٹھا کر مدرسہ لے گئے۔ ضامن علی اور مشرف حسین نے محمد اور علی کو ایک کمرے میں بند کیا اور انتہائی سخت سزا دی۔ یہاں تک کہ بچوں کے نحیف و نازک اجسام پر داغ پڑ گئے۔ بچوں نے آخر میں معافی مانگ کر جان چھڑائی۔ بچے بلبلاتے گھر پہنچے۔ آقا صاحب گھر آئے تو بچوں نے رو رو کر تمام داستان سنائی ادھر ضامن و مشرف کو اپنی سختی کا بھی احساس تھا اور آقا صاحب کا بھی مگر آپ نے کئی ماہ تک اشارتاً بھی بات نہ کی البتہ ایک دن تمام سٹاف کو باقاعدہ درس اخلاق دیتے ہوئے صلح اور رحم دلی کے بارے میں گفتگو کی۔

☆☆☆

مدرسہ کی تعمیر شروع ہوئی تو آپ نے اپنے ملازمین کو تاکید فرمائی تھی کہ مستری مزدور آپ کے بھائی ہیں انہیں مدرسہ کا ملازم سمجھیں اور ان کی خاطر تواضع کیا کریں۔ بالخصوص آپ نے عبداللہ پر زور دیا کہ وہ ان کے خورد و نوش سے کوتاہی نہ کرے۔ ایک مرتبہ آپ گھر سے باہر تھے اور گرمی عروج پر تھی۔ مزدوروں نے عبداللہ سے مزید ٹھنڈے پانی کا مطالبہ کیا تو عبداللہ نے نہ صرف ٹال دیا بلکہ ایک کمرے میں آرام سے سو گیا۔ گرمی اور پیاس کی شدت نے مزدوروں کو تنگ کیا ہی تھا کہ اچانک آپ پہنچ گئے۔ گھر جانے سے قبل دھوپ میں کام کرنے والے مزدوروں کے پاس پہنچے۔ ان کی خیریت دریافت کی تو

انہوں نے ٹھنڈے پانی کی عدم فراہمی کا شکوہ کیا آپ فوراً دفتر پہنچے، فریج سے برف اور ٹھنڈا پانی نکالا اور خود بالٹی اٹھا کر فرداً فرداً مزدوروں کو پانی پلایا، اور ساتھ ہی ان کی تکلیف پر معذرت کی۔

یہ آپ کے اخلاق کا نتیجہ تھا کہ تمام مزدور دن رات مدرسہ کی تعمیر میں مصروف رہتے تھے۔

☆☆☆

مدرسے کی تعمیر شروع تھی تو اس کے صحن کو خوبصورت بنانے کے لئے سبزہ اور چھوٹے پودے لگادیئے گرمی کا موسم تھا آپ اپنے کمرے میں موجود تھے اور آپ کا محافظ ضامن علی دھوپ میں پودوں کو پانی دینے لگا۔ وہ کافی دیر تک دھوپ میں کھڑا ہو کر پانی دیتا رہا اور آپ شاید یہ منظر کھڑکی سے دیکھتے رہے۔ آخر آپ کمرے سے باہر نکلے ضامن علی کے پاس گئے اس سے پانی کا پائپ لیا اور اسے آرام کرنے کا کہا مگر ضامن علی نے عرض کی آقا صاحب کون سا مشکل کام ہے؟ لیکن آپ نے فرمایا کام مشکل نہیں مگر آپ کو دھوپ میں کھڑے ہوئے کافی وقت گزر گیا ہے لہٰذا کچھ دیر پنکھے کے نیچے آرام کرلو میں پانی دیتا ہوں اور آپ نے ایسا ہی کیا۔

☆☆☆

ایک مرتبہ سفر کے دوران آپ کی گاڑی کا ٹائر پنکچر ہو گیا تو ڈرائیور سمیت آپ گاڑی سے نیچے اتر آئے۔ ڈرائیور غلام عباس نے آپ کو درخت کے سائے میں آرام کرنے کو کہا اور وہ خود پہیہ کھولنے بیٹھ گیا۔ آپ نے اس دوران گاڑی کی ڈگی کھولی اور وہاں پڑا ہوا اضافی پہیہ نکالا اور غلام عباس کے پاس لے آئے۔ غلام عباس نے آپ کے تکلیف اٹھانے پر معذرت کی تو آپ نے فرمایا ''ہم دو بھائی ہمسفر ہیں لہٰذا آدھا کام آپ آدھا مجھے کرنا پڑے گا''۔ اور پھر ڈرائیور نے اضافی پہیہ فٹ کیا تو آپ نے پنکچر والا پہیہ اٹھا کر ڈگی میں رکھ دیا۔

غلام عباس ڈرائیور نے مزید بتایا کہ اگر گاڑی چلانے کے دوران کبھی فروٹ کھانے کا موقع ملتا تو آپ فروٹ کاٹ کر میرے منہ میں دے دیتے تھے۔ کئی بار معذرت کی مگر آپ فرماتے کہ ''آپ کے دونوں ہاتھ مصروف ہیں اس لئے ایسا کرنا ہی ہمارا فریضہ ہے''۔

☆☆☆

ایک دفعہ یوم القدس کے مظاہرے کے لئے پاراچنار کوہاٹ اور پشاور کے گردونواح کے علاقہ جات سے لوگ مدرسے میں اکھٹے ہوئے اور رات کو مدرسے کے ہال میں سو گئے اور آپ نے بھی مہمانوں کے ساتھ اسی کمرے میں سونے کا ارادہ کیا۔ آپ ہال کے ایک کونے میں ایک معمولی چٹائی پر ایک معمولی سی دری بچھا کر سو گئے۔ ہجوم کے باعث ہال میں تل دھرنے کی جگہ نہ تھی کہ رات کو اسی دوران تحریک کا پریس سیکرٹری انور زیب آ گیا۔ آپ نے اسے بلایا اور اپنی دری پر ساتھ سونے کی پیشکش کی۔ آخر وہ آپ کے ساتھ سو گیا اور یوں آپ کو شب بھر پہلو کے بل سونا پڑا۔ انور زیب نے آپ کو تمام رات ایسی حالت میں دیکھ کر محسوس کیا کہ صبح آپ سے تکلیف کی معذرت چاہے گا۔ مگر آپ نے صبح اٹھتے ہی انور زیب سے کہا ''میرے بھائی تکلیف اٹھانا پڑی میں معذرت چاہتا ہوں''۔ انور زیب نے کہا ''آقا صاحب تکلیف تو آپ کو ہوئی ہے''، مگر آپ نے فرمایا ''آپ چھوٹے بھائی اور تحریک کے کارکن ہیں اس لئے مجھے آپ کی تھکاوٹ اور تکلیف کا احساس ہے''۔

☆☆☆

اکثر ملازمین نے بتلایا ہے کہ شہید مظلوم حضرت علامہ سید عارف حسین الحسینی ان کے ساتھ باورچی خانہ اور دفتر کے کاموں میں برابر کا حصہ لیتے تھے حالانکہ کئی بار ملازمین نے معذرت کی مگر آپ اکثر فرمایا کرتے تھے ''یہ میرے لئے بہتر ہے''۔ بعض اوقات ایسا بھی ہوتا تھا کہ ملازمین بازار سے سودا سلف لے کر آتے تو آپ کبھی برتن دھو رہے ہوتے، کبھی دفتر کی صفائی کر رہے ہوتے۔ بعض اوقات ایسا بھی ہوا کہ جو کام دن یا رات کو ملازمین سے رہ جاتا اور ملازمین آرام کے

لئے سو جاتے تو آپ چپکے سے اٹھتے اور کام کو پایہ تکمیل تک پہنچا دیتے۔

علاوہ ازیں اگر ملازمین سو رہے ہوتے اور کوئی مہمان آتا تو آپ خود مہمانوں کی خدمت کرتے۔ برادر سجاد میکن سابق ڈویژنل صدر سرگودھا ڈویژن نے اس بات کی تصدیق کی کہ ایک مرتبہ رات کے پچھلے پہر آئی۔ایس۔او کے چند احباب آپ کے مدرسہ پشاور پہنچے تو تمام ملازمین سو رہے تھے۔ علامہ عارف حسین الحسینی خود گھر گئے جو کچھ باورچی خانہ اور گھر میں تھا نوجوانوں کو پیش کیا۔ نوجوان کھانے سے فارغ ہوئے تو آپ نے انہیں گرم چائے پیش کی جو آپ نے خود تیار کی تھی۔ نوجوان چائے سے لطف اندوز ہو چکے تو آپ نے مہمان خانہ میں سونے کی دعوت دی اور تمام بستر بچھا دیئے۔

☆☆☆

سید اقرار حسین نقوی سابق مرکزی صدر آئی۔ایس۔او جو آپ کے دفتری امور میں معاون تھے نے بتایا کہ ایک مرتبہ آپ نے دفتر اور لائبریری کی صفائی کرنے کی خواہش ظاہر کی اور تھوڑی دیر بعد فرمایا ''سید اقرار حسین آیئے آپ اور میں دونوں بھائی صفائی کر لیتے ہیں''۔گرمی کا موسم تھا پنکھے بند کر دیئے اور صفائی شروع کر دی۔آپ نے سید اقرار حسین کے ساتھ برابر کا کام کیا۔ کتابیں اور دریاں جھاڑیں، فرش صاف کیا، الماریاں ترتیب سے رکھیں۔غرضیکہ آپ نے اتنا کام کیا کہ آپ کے کپڑے پسینے سے شرابور اور چہرہ وبال گرد آلودہ ہو گئے۔

☆☆☆

ایک دفعہ مدرسہ کے لئے لکڑیاں لائی گئیں۔ٹرک والے لکڑیاں مدرسہ کے گیٹ کے باہر پھینک کر چلے گئے۔آپ گھر سے نکلے دیکھا کہ ایک ادھیڑ عمر نحیف مزدور دن کی گرمی میں لکڑیاں اٹھا کر مدرسہ میں ڈال رہا تھا۔آپ نے دریافت کیا تو وہ کہنے لگا دوسرے مزدور اور ملازمین آرام کر رہے ہیں آپ نے آستینیں چڑھائیں اور خود لکڑیاں اٹھانے لگے۔آپ بڑی اور وزنی لکڑیاں اٹھانے لگے تو

مزدور نے کہا ''شاہ صاحب آپ لکڑیاں نہ اٹھائیں اگر تکلیف کرنی ہی ہے تو ہلکی لکڑیاں اٹھائیں''۔ مگر آپ نے فرمایا'' آپ میرے جسم کے مقابلے میں نہایت کمزور اور عمر کے مقابلے میں کافی بزرگ ہیں اس لئے انصاف کا تقاضہ یہی ہے کہ آپ سے زیادہ بوجھ میں اٹھاؤں''۔ آخر آپ نے ایسا ہی کیا۔

☆☆☆

عبداللہ چوکیدار سارا دن مدرسہ کے کام کرتا اور رات کو چوکیداری کے فرائض سرانجام دیتا تھا۔ تھکاوٹ کی وجہ سے وہ کبھی کبھار رات کو سو بھی جاتا تھا جس کی دیگر ملازمین نے علامہ سید عارف حسین الحسینی سے شکایت کی کہ وہ رات کو کما حقہ نگرانی نہیں کرتا۔ آپ نے بھی عبداللہ کو احباب کے شکوہ سے آگاہ کیا مگر عبداللہ نے اپنا دفاع کیا۔

ایک مرتبہ آپ رات کے وقت سفر سے گھر آئے تو ڈرائیور نے گیٹ پر سوئے ہوئے عبداللہ پر گاڑی کی لائیٹس دیں تا کہ آقا صاحب دیکھ سکیں کہ عبداللہ اپنی نگرانی سے غافل سویا ہوا ہے۔ مگر آپ نے اپنے ڈرائیور کو حکم دیا اور فرمایا کہ ایسا نہ کریں۔ عبداللہ اگر جاگ پڑا تو اسے شرم آئے گی۔ کیونکہ وہ مجھ سے کہہ چکا ہے کہ وہ رات کو نہیں سوتا۔

آخر اپنے محبوب اور مظلوم قائد کے ہجر میں ملازمین کیسے ماتم نہ کریں انہیں تو اس ملکوتی انسان کا ایک ایک انداز یاد ہے۔ کوئی کہتا ہے وہ میرے ساتھ دفتر کی صفائی کرتے تھے، کوئی کہتا ہے کہ میرے ساتھ دفتر کے برتن دھوتے تھے، کوئی کہتا ہے وہ گرمی کی شدت میں کام کرتے تھے، کوئی کہتا ہے وہ ہماری معمولی سی ناراضگی پر معافی مانگ لیتے تھے۔ وہ بہت کچھ کرتے تھے مگر کچھ نہ کہتے تھے۔ وہ عیدوں پر ملازمین کو نئے کپڑے خرید کر دیتے۔ وہ حج سے واپس آتے تو ہر ملازم کو اپنے لباس جیسا لباس تحفہ دیتے۔ کوئی ملازم بیمار ہو جاتا آپ اس کے سرہانے بیٹھ کر سر دباتے۔ یہی وجہ ہے کہ آج اس گلستان سے بچھڑا ہوا ہر عندلیب زندگی بھر کے لئے اداسی اپنے دامن میں لئے ہوئے ہے۔

☆☆☆☆☆

اقتصادی حالت

علامہ سید عارف حسین الحسینی کا تعلق پیواڑ کے متوسط اور معزز گھرانے سے تھا۔ زمانہ طالب علمی میں تقویٰ کے باعث آپ نے معمولی اور سادہ زندگی گزاری اور پاراچنار میں بطور مدرس منظر عام پر آنے کے بعد آپ کی سادگی میں مزید اضافہ ہوگیا۔ بطور مدرس آپ کو ماہانہ تقریباً بارہ سو روپے تنخواہ ملتی تھی۔ جس میں سے آپ گھر کے اخراجات کے علاوہ تنخواہ کا کچھ حصہ مستحق طلباء اور نادار لوگوں میں بھی تقسیم کر دیتے تھے۔

قائد بنے تو ذمہ داریوں میں بھی اضافہ ہوگیا۔ مسائل بڑھتے گئے مگر وسائل وہی رہے یہاں تک کہ پشاور میں تحریک کے دفتر کا اجراء کیا تو آپ کے پاس الماریاں اور فرنیچر لینے کی رقم نہ تھی۔ آپ ابتدائی ایام میں دو رضا کار ملازمین کے ساتھ معمولی سی دری پر سوتے اور کام کرتے تھے۔ آخر چند احباب نے آپ کے دفتر کو بہتر بنانے میں آپ کی مالی معاونت فرمائی۔ آغاز میں مالی مسائل کے باعث آپ پر کیا بیتی؟ کس کس نے امداد کی؟ مفصلاً گزشتہ صفحات میں تذکرہ ہو چکا ہے۔ البتہ یہاں کچھ احباب کے نقل کردہ واقعات زیر قلم لانا مقصود ہیں تا کہ ملت اسلامیہ پر واضح ہو سکے کہ دلوں پر حکمرانی کرنے والا شہنشاہ، بظاہر خوش لباس اور خوبصورت عبا و عمامہ سجا کر چلنے والے قائد غربت کی کن کن تنگ، کھٹن اور تکلیف دہ وادیوں کا مسافر رہا۔

پشاور میں دفتر کا اجراء کیا تو ذاتی حلقہ احباب نے حسب استطاعت امداد کرنا شروع کر دی۔ دو قیادتوں کے وجود اور زیادہ متعارف نہ ہونے کے حوالے سے قوم طویل عرصہ تک آپ کی طرف توجہ نہ کر سکی۔ دفتر کی حالت یہ تھی کہ مکان کے تین کمرے یوں تقسیم ہوئے ایک کمرہ دفتر، ایک

کمرہ مہمان خانہ اور ایک کمرے میں شہید کے بچے رہا کرتے تھے۔

ایک مرتبہ غالباً حاجی کمال حسین شلوان نے عرض کی یہ ماحول اور بچوں کو دن رات ایک کمرہ میں محبوس رکھنا مناسب نہیں تو آپ نے فرمایا میں بچوں کے لئے علیحدہ مکان کا کرایہ کہاں سے لاؤں؟ مدرسہ سے آپ کی تنخواہ کا سلسلہ جاری رہا اور آپ نے اپنی اہلیہ سے سختی سے تاکید فرمائی تھی کہ وہ اسی تنخواہ میں گھر کے اخراجات پورے کریں۔ کیونکہ آپ اپنے گھر کے لئے دفتر کی کوئی چیز استعمال نہیں کرتے تھے۔ دفتر کی تمام چیزوں کو مال امام سمجھتے اور ان کے استعمال کے بارے میں دوستوں کو انصاف برتنے کی سختی سے تاکید فرماتے تھے۔

☆☆☆

قیادت کے ایک سال بعد جب آپ کی مشکلات کے پیش نظر دوبئ کے مومنین نے آپ کے لئے کار بھیجی تو آپ نے اپنے ملازمین اور احباب سے کہا کہ کوئی شخص تحریک کے کام کے بغیر اسے ہرگز استعمال کرنے کا نہ سوچے۔ آپ حج پر جاتے یا ملک میں کہیں دورے پر جاتے تو ڈرائیور کو سختی سے منع کرتے کہ ''میرے کسی دوست، رشتہ دار یا اہل خانہ کو ذاتی استعمال کے لئے گاڑی ہرگز نہ دی جائے''۔

ایک مرتبہ آپ دورے سے واپس آئے تو گاڑی کو موجود نہ پایا۔ عبداللہ سے پوچھا تو معلوم ہوا کہ آپ کے انتہائی قریبی رفیق ڈرائیور کے ہمراہ راولپنڈی گئے ہوئے ہیں۔ آپ کا رفیق اس قدر اہم تھا کہ اسے روکنا ملازمین کے بس کی بات نہ تھی۔ لہذا آپ خاموش ہو گئے جب گاڑی آئی تو آپ نے اپنے رفیق سے فرمایا ''میرے بھائی کیا تم بھی مجھے جہنم کے شعلوں میں دھکیلنا چاہتے ہو''؟ اس کے بعد کسی کو گاڑی استعمال کرنے کی جرأت نہ رہی۔

☆☆☆

پاراچنار کے ایک دوست نے بتایا کہ ایک مرتبہ ان کے گھر والے علامہ سید عارف حسین

الحسینی کے گھر پشاور گئے۔ان کا خیال تھا کہ قائد کے گھر کی حالت پاراچنار کے گھر سے کافی مختلف ہو گی مگر وہی صورتحال دیکھ کر وہ کافی حیران ہوئے اور انہوں نے آپ کی اہلیہ سے استفسار کیا۔آپ کی اہلیہ نے فرمایا کہ ''ہمارے گھر میں بیش بہا قیمتی قالین، برتن، کپڑے اور دیگر تحفے آتے ہیں مگر علامہ صاحب یہ تمام تر تحفے ایک کمرہ میں رکھ دیتے ہیں اور قوم کی غریب بچیوں کو شادی کے موقع پر دے دیتے ہیں۔یہی وجہ ہے کہ جو کچھ پاراچنار میں ہمارے گھر میں تھا وہی اب بھی موجود ہے''۔

☆☆☆

شہید کے ۸۰ سالہ معمر دوست نذیر حسین کربلائی نے ماتم کرتے ہوئے ایک واقعہ نقل فرمایا کہ ایک مرتبہ وہ علامہ سید عارف حسین الحسینی کے ساتھ مدرسہ میں بیٹھے ہوئے تھے۔کہ آپ نے کہیں جانے کی تیاری کی اور الماری سے اپنا عمامہ نکال کر مخصوص انداز میں باندھنے لگے۔وہ (کربلائی) بھی اس مخصوص انداز کو غور سے دیکھنے لگے انہوں نے دیکھا کہ عمامہ انتہائی بوسیدہ اور درمیان سے پھٹا ہوا تھا۔ جبکہ عمامہ کا بالشت بھر آخری حصہ اس قدر تار تار اور بوسیدہ تھا کہ آپ نے اسے پھاڑ کر عمامہ سے جدا کر دیا۔جسے فرمائش پر کربلائی صاحب نے حاصل کیا اور یہ ٹکڑا آج بھی ان کے کفن میں موجود پڑا ہے۔

انہوں نے بتایا کہ رونا اس لئے آتا ہے اتنا عظیم رہنما اور اس کے خوبصورت عمامہ کی یہ صورتحال؟

سردار علی جوائنٹ سیکرٹری تحریک نفاذ فقہ جعفریہ پشاور نے آپ کے گھر کی صورتحال کو یوں واضح کیا کہ علامہ سید عارف حسین الحسینی سے ان کے گھریلو مراسم تھے۔جب علامہ سید عارف حسین الحسینی کی شہادت کے بعد ان کے اہل خانہ ایران جانے لگے تو انہوں نے چابیاں ہمارے حوالے کر دیں اور ساتھ تاکید بھی کی کہ ان کے گھر کا خیال رکھا جائے۔

شہید کے بچے ایران چلے گئے تو ہمارے دل میں خیال آیا کہ شہید کے گھر کا قیمتی سامان احتیاط سے اپنے گھر لے آتے ہیں تاکہ نظروں سے محفوظ رہے۔سردار علیؒ نے بتایا کہ ہم اس نیت سے شہید کے گھر میں گئے کہ اندازہ لگا سکیں کہ کتنا سامان ہے اور اس کے منتقل کرنے میں کیا انتظام کرنا پڑے گا۔

انہوں نے شہید کے گھر کا جونہی دروازہ کھولا تو ان کی حیرت کی انتہا نہ رہی کہ کمروں میں

موجود اثاثہ ''چند چٹائیوں'' دو تھرماس، چند مختلف رنگوں کی پیالیوں، چار عدد گلاس، ایک الماری، ایک بوسیدہ قالین کا ٹکڑا، ایک کرسی، ایک میز، ایک ریڈیو، ایک بریف کیس، دو تین دیگچے، تین چار سٹیل کی پلیٹیں، دو چار چمچے، شہید کے چار معمولی جوڑے، چار چپل، دو اٹیچی، ایک صندوق اور چار معمولی بستروں پر مشتمل تھا۔ واللہ عالم! جسے دیکھ کر وہ کافی دیر تک گریہ کرتے رہے کہ شہید کے دفتر میں تو قالین بھی تھے، ائیر کنڈیشنڈ اور فریج بھی مگر گھر کی یہ حالت؟۔۔۔لوگ آپکی خدمت میں انتہائی قیمتی تحائف پیش کرتے تھے۔ مگر آپ وہ تمام تر تحائف ملت کی بیٹیوں کو جہیز میں دے دیتے۔

☆☆☆☆☆

روحانیت (کشف وکرامات)

علامہ سید عارف حسین الحسینی کی قائدانہ صلاحیتوں، ریاضت، خلوص، تقویٰ، روحانیت، علم وحلم اور افکار واظہار سے ان کے احباب یا ملت جعفریہ کے افراد بخوبی آشنا ہوں گے۔ مگر یہ سب کچھ تصویر کا ایک رخ تھا جو عوام کی نظروں کے سامنے رہا۔ لیکن اسی کے ساتھ تصویر کا دوسرا رخ تا حال سربستہ رہا بلکہ سربستہ رکھا گیا۔ جس کے پس پردہ کچھ ایسے واقعات پوشیدہ تھے جن کے اظہار پر خود علامہ سید عارف حسین الحسینی کے حکم کے باعث پابندی تھی۔ اس کی کیا وجوہات تھیں؟ ہر صاحب عقل خود فیصلہ کرسکتا ہے لیکن آپ کی شہادت کے بعد یہ راز بھی راز نہ رہے اور شاید پہلی مرتبہ منظر عام پر لائے جارہے ہیں۔

تصویر کا دوسرا رخ روحانی کشف وکرامات کا تھا جو وقت کی دبیز تہوں میں لپٹا رہا۔ مگر یہاں چند ایک واقعات کی روشنی میں اس ملکوتی شخصیت کا عکس ضرور ابھرے گا اور پھر یہ احساس نشتر بن کر دل میں اترنے لگے گا کہ ''جب قومیں ایسی نعمت خداوندی کا پاس نہیں کرتیں تو خدا ان سے نعمتیں سلب کرلیتا ہے''۔

☆☆☆

حسین علی آف پاراچنار کے بقول کہ جب آپ پاراچنار میں مدرس تھے تو آپ نے حکومت کے خلاف ایک تحریک کا آغاز کیا تھا جس کا تذکرہ تفصیل کے ساتھ گزشتہ صفحات میں ہو چکا ہے۔ چند احباب نے کُرّم ایجنسی کے حالات کے پیش نظر آپ کو اس تحریک پر نظر ثانی کی اپیل کی تو آپ نے اسی دوران ایک شب خواب دیکھا کہ آپ رو بہ قبلہ ہو کر دنبہ ذبح کررہے ہیں۔ صبح آپ

نے احباب کو بلا کر فرمایا ''میں دعویٰ سے کہتا ہوں کہ ہماری تحریک کامیاب ہوگی''۔ پھر وقت کو آپ کے دعویٰ کی حقیقت تسلیم کرنا پڑا اور کرُم ایجنسی کی تاریخ میں پہلی بار حکومت کے خلاف آپ کی تحریک کامیاب ہوئی۔

جب آپ نے قیادت سنبھالی اور پشاور صدر میں تحریک کے مرکزی دفتر کا قیام فرمایا تو آپ کے پاس صرف دو ساتھی حسین علی اور محافظ ضامن حسین ہوا کرتے تھے۔ آپ شب کے پچھلے پہر عبادت کے لئے اٹھتے اور کمرے سے باہر تشریف لے جاتے تھے۔ ایک مرتبہ ان دونوں افراد نے گزارش کی کہ جب آپ باہر جانا چاہیں تو انہیں آگاہ فرمایا کریں تا کہ ماحول کا جائزہ لے لیا جائے۔ آپ نے ان دونوں احباب سے فرمایا ''یاد رکھنا جب موت آئی تو میرے گرد چوکیدار اور محافظ کے دائرے ٹوٹ جائیں گے''۔ اور پھر ایسا ہی ہوا کہ ۱۵ اگست ۱۹۸۸ء کی صبح چوکیدار اور محافظ چند لمحوں کے لئے آپ کے گرد سے ہٹے اور شہادت نے آپ کو سینے سے لگا لیا۔

☆☆☆

قیادت کے دوران آپ نے دوبئی میں مقیم اپنے قریبی اور با اعتماد ساتھی حاجی زائر حسین کو ایک قیمتی وائرلیس سیٹ لانے کو کہا۔ زائر حسین نے دوبئی ائیر پورٹ پر پہنچنے سے قبل آپ کو پشاور فون کیا کہ چیز تو خرید لی ہے مگر ائیر پورٹ پر اس کا لانا انتہائی مشکل ہے اگر وہ یہاں تک لانے میں کامیاب ہو بھی گیا تو اسلام آباد پاکستان ائیر پورٹ سے محفوظ رہنا مشکل ہو جائے گا۔ آپ نے فون پر انہیں ایک آیت بتائی کہ دس مرتبہ پڑھ کر بے خوف و خطر آجائیں اور اسلام آباد ائیر پورٹ پر آپ کی غیبی مدد ہوگی۔ چونکہ زائر حسین آپ کے معتقد تھے انہوں نے ایسا کیا اور دوبئی ائیر پورٹ پر پہنچ گئے۔ بتاتے ہیں کہ ان کے سامنے لوگوں کا سامان کمپیوٹر سے چیک ہو رہا تھا اور بکس میں موجود ایک ایک چیز کمپیوٹر بتائے جا رہا تھا۔ جب اس کا بکس کمپیوٹر کی گرفت میں آیا تو کمپیوٹر نے ایک ایک چیز بتانی شروع کر دی لیکن عین اسی لمحہ کمپیوٹر آپریٹر کو عرصہ سے بچھڑے ہوئے کسی دوست نے قریب سے آواز دی تو وہ بے اختیار اٹھ کر دوست کے گلے لپٹ گیا اور اس طرح حاجی زائر حسین سے

سامان لے جانے کو کہا اور حاجی صاحب پورے اعتماد کے ساتھ وائرلیس سیٹ والے اٹیچی کیس لے کر جہاز میں سوار ہو گئے۔ جب حاجی زائر حسین اسلام آباد پہنچے تو جہاز سے اترنے کے فوراً بعد ایک شخص ان کے قریب آیا اور فرمایا گھبرائیے گا نہیں۔ اس شخص نے حاجی زائر حسین کا ہاتھ پکڑا اور انہیں گیٹ پر لے آیا اور خدا حافظ کہا۔ حاجی زائر حسین کے بقول کہ تھوڑی دیر نظر آنے کے بعد یہ شخص اچانک غائب ہو گیا۔ انہوں نے اس شخص کو تلاش کرنے کی کافی کوشش کی تا کہ کوئی تحفہ دے سکیں مگر وہ شخص نہ جانے کہاں گم ہو گیا تھا۔ حاجی زائر حسین نے علامہ سید عارف حسین الحسینی کو ان کی مطلوبہ چیز فوراً پہنچا دی اور سارا ماجرا سنایا آپ نے تاکید فرمائی کہ اس واقعہ کو اپنے تک محدود رکھیں۔

☆☆☆

ایک مرتبہ عید قربان سے دو دن قبل آپ ملک کے کسی شہر کا دورہ کر کے پشاور گھر تشریف لائے تو عباس ڈرائیور کو بلا کر پانچ سو روپے دیئے کہ وہ آپ کی والدہ محترمہ کے لئے کچھ چیزیں لائے کیونکہ آپ کو اگلے روز عید کے لئے اپنے آبائی گاؤں پیواڑ جانا تھا۔ آپ رقم دے کر گھر کی بالائی منزل پر سونے چلے گئے۔ عباس نے بتایا کہ میں رقم لے کر تھوڑی دیر کے لئے مدرسہ میں بیٹھ گیا اور بازار جانے سے قبل کچھ مایوس ہوا کہ آقا صاحب نے دو ماہ سے تنخواہ نہیں دی دوسرا آج عید کے لئے بھی کچھ عطا نہیں کیا جو کہ خلاف توقع تھا۔

مایوسی اور خیالات میں گم آپ کی گھر کی سیڑھیوں میں بیٹھا یہی سوچ رہا تھا کہ پرسوں عید ہو گی آقا صاحب نے مجھے بچوں کے لئے کچھ بھی نہیں دیا اور اب میں کس سے جا کر قرض مانگوں اور کس سے اپنی مجبوری کا اظہار کروں؟ پھر خیال آیا کہ مدرسہ کے سیکرٹری سے دو ہزار روپے قرض لے لوں اور انے تنخواہ ملنے کے بعد لوٹا دوں گا''۔ میں سوچوں میں گم ہی تھا کہ سیڑھیوں پر آہٹ محسوس ہوئی پیچھے مڑ کر دیکھا تو علامہ عارف حسین الحسینی اپنی جیب میں ہاتھ ڈالے نیند سے بیدار ہو کر آ رہے ہیں میں احتراماً اٹھ کھڑا ہوا آپ نے جیب سے کچھ رقم نکالی اور مجھے دیتے ہوئے فرمایا'' جاؤ بازار سے اپنے بچوں کے لئے بھی چیزیں خرید لو'' میں نے احتراماً عرض کی'' آقا صاحب میرے پاس رقم

ہے''۔میرا جملہ سن کر آپ نے نظروں میں نظریں ڈالتے ہوئے فرمایا''اگر آپ کے پاس رقم تھی تو پھر یہاں بیٹھے کیا سوچ رہے تھے''؟

آپ رقم دے کر واپس گھر چلے گئے عباس نے رقم گنی تو اتنی ہی تھی جتنی وہ اپنی ضروریات پوری کرنے کے لئے سوچ رہا تھا۔بقول عباس کے وہ مسجد میں گیا توبہ کی آئندہ وہ ایسے ملکوتی انسان کے بارے میں کبھی ایسا نہیں سوچے گا۔

☆☆☆

عباس مزید انکشاف کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ عید منانے کے لئے علامہ سید عارف حسین الحسینی اور آپ کے بچے پاراچنار تھے کہ بارشوں کی وجہ سے کرم ایجنسی میں سیلاب آیا ہوا تھا۔پارا چنار سے کچھ میل دور ایک بڑا نالہ بہہ رہا تھا جس کی وجہ سے پوری ٹریفک معطل تھی اور کناروں کے دونوں اطراف سینکڑوں ویگنیں اور ٹرک کھڑے ہوئے تھے۔سینکڑوں لوگ کناروں پر مایوس بیٹھے اپنی اپنی منزل تک پہنچنے کی سوچ رہے تھے۔یہ منظر دیکھ کر عباس ڈرائیور بھی مایوس ہو گئے مگر اسی اثناء میں آپ نے عباس سے فرمایا'' نیچے اتریں اور پانی کی گہرائی اور تیزی کا اندازہ کریں''۔عباس نے جائزہ لینے کے بعد عرض کی'' آقا صاحب اس حالت میں عبور کرنا ناممکن ہے''۔

آپ نے تھوڑی دیر سوچا اور پھر حکم دیا کہ''عباس بسم اللہ کرو اور گاڑی پانی میں ڈال دو''۔عباس نے عرض کی'' آقا صاحب گاڑی سے پانی بلند بھی ہے اور تیز بھی''۔مگر آقا صاحب نے پھر وہی جملہ دہرایا کہ''تم بسم اللہ کرو''۔عباس کہتے ہیں کہ میں نے حکم کی تعمیل کی گاڑی کنارے پر لایا تو کناروں پر موجود لوگ چیخنے لگے کہ خدارا ایسا نہ کرو گاڑی لہروں میں بہہ جائے گی۔مگر عباس نے گاڑی پانی میں ڈال دی۔چند قدم چلنے کے بعد انہوں نے محسوس کیا کہ گاڑی لہروں کی سمت بہنا شروع ہو گئی اور اس دوران مایوس ہو کر اس نے آپ کے چہرے پر نظر ڈالی دیکھا کہ آپ آنکھیں بند کر کے کچھ تلاوت فرما رہے تھے۔بقول عباس کے اسی لمحے انہیں ایسے محسوس ہوا کہ گاڑی کو کسی نے اٹھایا اور دوسرے کنارے پر رکھ دیا۔

☆☆☆

۱۹۸۸ء کو حج کی ادائیگی کے بعد جب سعودی پولیس نے تحریک کے نائب صدر علامہ فاضل حسین موسوی، ڈاکٹر محمد علی نقوی اور سید اعجاز علی شاہ صاحب کو گرفتار کرلیا تو یہ بات زبان زد عام ہوگئی کہ سعودی حکومت ایران اور شیعت دشمنی کی بناء پر ان تمام حضرات کو تختہ دار پر لٹکا دے گی۔ اسی دوران ڈاکٹر محمد علی نقوی کی اہلیہ نے علامہ سید عارف حسین الحسینی کو صورتحال سے آگاہ فرمانے کی گزارش کی تو آپ نے سجاد حسین میکن کے ہاتھوں ڈاکٹر صاحب کے گھر پیغام بھجوایا کہ ''ڈاکٹر صاحب ہر حال میں واپس آئیں گے لہذا آپ بے فکر رہیں''

شب شہادت آپ نے اپنے آفس سیکرٹری، احسان جعفری صاحب سے پوچھا ''جعفری صاحب کیا اسیران مکہ کو سعودی عرب والے چھوڑ دیں گے'' ؟ انہوں نے کہہ آقا صاحب کیا کہہ سکتا ہوں۔ آپ نے فرمایا میں وثوق سے کہتا ہوں کہ وہ ضرور وطن واپس آئیں گے''۔ پھر ایسا ہی ہوا یہ اسیران تو وطن لوٹ آئے مگر خود قائد عظیم الشان نے اپنی جان کا فدیہ دے دیا۔

☆☆☆

برادر انجم رضا لاہور نے واقعہ نقل کیا کہ کبیر والا ضلع ملتان کے ایک خطیب مسجد، شوق زیارت کی غرض سے آپ سے پشاور ملنے گئے تو کسی نے ان کی جیب سے رقم نکال لی۔ وہ بڑی مشکل سے آپ کے مدرسہ پہنچے آپ کے استفسار پر انہوں نے علاقہ کے حالات اور وجہ آمد بتائی مگر گفتگو کے دوران مولانا صاحب کرایہ کے بارے میں سخت پریشان رہے۔ ایسے میں علامہ عارف حسین الحسینی نے فرمایا ''مولانا صاحب آپ حالات سکون اور تفصیل سے بتائیں میں آپ کی موجودہ مشکل سے آگاہ ہوں''

جب مولانا صاحب نے رخصت ہونے کے لئے خدا حافظ کہا تو آپ نے جیب سے تین سو روپے نکال کر مولانا کے حوالے کیے اور فرمایا کہ ''یہ آپ کا کرایہ ہے''۔

☆☆☆

آپ کے قریبی رفیق اور مدرسہ کی تعمیر کے مسئول شبیر علی سے یہ واقعہ نقل ہے کہ ایک دفعہ آپ دس پندرہ دن کے دورے پر پشاور سے باہر چلے گئے۔اس دوران مستریوں، مزدوروں اور سامان دینے والوں نے رقم کے لئے شبیر صاحب کو تنگ کیا ہوا تھا۔ جب قائد محترم تشریف لائے تو شبیر نے حالات سے آگاہ کیا اور مودبانہ کچھ رقم مرحمت کرنے کے لئے عرض کیا۔آپ نے فرمایا کہ رات گزرنے دو، کل شام تک آپ کو مطلوبہ رقم مبلغ پچاس ہزار مل جائے گی۔

بعد میں شبیر علی نے اتفاقاً ڈرائیور سے پوچھا کہ کیا آقا صاحب کے پاس اس قدر رقم ہے؟ تو اس نے کہا کے میرے پاس آقا صاحب کا بریف کیس ہے جس میں صرف پندرہ سو روپے ہیں نہ جانے اتنی رقم کہاں سے لائیں گے؟

صبح ہوگئی رقم نہ ملی، دوپہر کے لمحات بیت گئے رقم نہ ملی عصر کے سائے ڈھلنے لگے مگر رقم نہ ملی، مغرب کا اندھیرا چھانے لگا مگر رقم نہ پہنچی۔قائد محترم پرسکون نماز میں مصروف ہوگئے۔دن بیت گیا تو سارے لوگ پریشان ہوئے کہ آج رقم نہیں ملی۔اس طرح کی باتیں ہو رہیں تھیں مگر آپ انتہائی پرسکون عبادت میں مصروف ہوگئے۔آپ نے عشاء کی نماز ختم ہی کی تھی کہ فون کی گھنٹی بجی ڈرائیور عباس نے فون سنا تو ایک شخص کراچی سے عربی میں بات کر رہا تھا۔ڈرائیور نے آپ کو فون کے بارے میں آگاہ کیا تو آپ مصلیٰ پر ہی مسکرانے لگے، اٹھے فون سنا اور ڈرائیور سے کہا چند گھنٹوں بعد ایک معزز مہمان تشریف لانے والا ہے کھانے کا بندوبست اور ائیر پورٹ پر ان کا استقبال کریں۔چند گھنٹوں بعد وہ شخص مدرسہ میں تشریف لایا مدرسہ کی تعمیر کو غور سے دیکھا۔آپ سے ملت کے حالات پر سیر حاصل بحث کی اور جاتے وقت تقریباً ایک لاکھ روپے آپ کے سپرد کیے کہ یہ اس کا خمس ہے۔آپ جہاں مناسب سمجھیں خرچ کریں۔آپ نے مہمان کے جانے کے بعد اپنے رفیق کو بلایا اور کہا کہ یہ رقم لیں اور وعدہ کے مطابق متعلقہ افراد کا قرض اتاریں۔

آپ کے مدرسہ کی تعمیر کے مسئول برادر نے حلفاً اقرار کیا کہ وہ وقت شہادت مدرسہ میں تھے جونہی فائر کی آواز اور پھر ماتم وگریہ کی آوازیں بلند ہوئیں تو وہ بھی اپنے قائد کی طرف دیوانہ وار دوڑے۔ جب مقتل پر پہنچے تو آقا سید جواد ہادی صاحب اور دیگر طلباء شہید کو ہاتھوں پر اٹھائے

ہوئے تھے۔اور سینہ سے خون مسلسل بہہ رہا تھا۔شبیر علی نے فوراً زمین پر بہنے والے بے گناہ خون پر ہاتھ مارے اور اپنے منہ پر مل لیے۔ بقول ان کے کہ شہید کی اس تازہ لہو سے مہکتے پھولوں کی منفرد خوشبو محسوس ہوئی۔

☆☆☆

عبداللہ چوکیدار باتیں کرتے کرتے جب ضبط کا بندھن توڑ بیٹھا تو سسکیاں لے کر کہنے لگا کہ عارف حسین تو زندہ ہیں۔وہ خواب میں ملتے ہیں جو کہتے ہیں وہی ہوتا ہے۔پھر اس نے آپ کے زندہ ہونے کی مثال یوں دی کہ ''علامہ عارف حسین الحسینی کی اچانک شہادت کے بعد پولیس نے شبہ کی بناء پر مجھے گرفتار کرلیا اور ایک ماہ کی مسلسل تفتیش کے بعد کسی کی طرف ضمانت نہ دینے کی وجہ سے جیل بھیج دیا۔ جب میں جیل چلا گیا تو میرے خلاف پروپیگنڈا ہوا کہ عبداللہ قاتل ہے جس کی وجہ سے کوئی شخص بھی مجھے جیل ملنے نہ آیا۔حالت یہ تھی کہ جیب میں ایک روپیہ تک نہ تھا۔سارا دن جیل میں روتے گزرتا اور رات کو طرح طرح کے خیالات ذہن کو مرتعش کردیتے۔

آخر سزائے موت کے ایک قیدی نے ایک دن مجھ سے بے قراری کی داستان پوچھ لی۔ جب اس نے سنا کہ میں سید عارف حسین الحسینی کا باورچی اور خادم تھا تو اس نے بے ساختہ کہا کہ تم نے ولی کی غلامی کی ہے۔آئندہ کھانا میرے ساتھ کھایا کرو۔کھانے کا مسئلہ حل ہوگیا مگر میں رقم نہ ہونے کے باعث ضرورت کی کوئی چیز بھی نہیں لے سکتا تھا۔انتہائی اداس تھا کہ روتے روتے آنکھ لگ گئی۔دیکھا کہ شہید قائد تشریف لائے ہیں اور پوچھا ''عبداللہ اداس کیوں ہو''؟ میں نے مجبوری ظاہر کی تو آپ نے اپنی جیب سے پانچ سو کا نیا نوٹ نکالا اور مجھے تھما دیا۔میری آنکھ کھلی تو خالی ہاتھ جیل میں تھا۔روتے روتے پھر سوگیا۔صبح ہوئی کوئی دس بجے کا وقت تھا کہ ایک قیدی نے اطلاع دی کہ تمہارے ملاقاتی آئے ہیں۔خوشی خوشی گیٹ پر آیا تو سید امجد علی کاظمی ایڈووکیٹ اور مظفر علی آخوندزادہ آئے ہوئے تھے۔انہوں نے خود مجھے پانچ سو کا نوٹ دیا اور بالکل ویسا ہی تھا جیسا شہید نے خواب میں تھمایا تھا''

☆☆☆

عبداللہ نے مزید انکشاف کیا کہ ''جب بیل ن گزر گئے اور کوئی شخص میری ضمانت کے لئے نہ آیا تو میں ایک دن اداسی کے عالم میں گم تھا کہ اچانک میری بچی کا خط آیا۔ جس پر تحریر تھا کہ ''ابا جان تمھارے خلاف چند لوگوں نے پروپیگنڈہ کیا ہوا ہے کہ تم علامہ عارف حسین الحسینی کے قاتل ہو اگر ایسا ہوا تو خدا تمھیں معاف نہیں کرے گا۔ یہ باتیں سن کر امی دماغی توازن کھو بیٹھی ہیں، اکلوتا بھائی سخت بیمار ہے اور تمہاری ضمانت کرانے کے لئے کوئی شخص بھی تیار نہیں ہے''۔

یہ خط پڑھ کر مجھ پر قیامت ٹوٹ پڑی۔ میں بے پناہ رونے کے بعد سو گیا دیکھا کہ شہید قائد پھر آ گئے۔ اداسی کی وجہ پوچھی میں نے گھر کے حالات بتائے تو آپ نے تسلی دیتے ہوئے کہا'' فکر نہ کرو میں کل کسی کو تمہاری ضمانت کے لئے بھیجوں گا''۔

صبح ہوئی تو پولیس والے نے مجھے اطلاع دی کہ تمھارا ملاقاتی ہے۔ میں گیٹ پر آیا تو احسان اللہ ہزارہ آیا ہوا تھا۔ اس نے مجھ سے کیس کی نوعیت پوچھی پھر بیس ہزار پر میری ضمانت کرائی اور میں دوسرے روز جیل سے باہر آ گیا''۔

☆☆☆

محبت علی حیدری آفس سیکرٹری (جس سے قاتلوں نے پہلی ملاقات کی تھی اور فقیر گل اور بدرے نے مدرسے کا داخلہ فارم وصول کیا تھا) نے اپنا خواب یوں بیان کیا کہ ''قائد کی شہادت کے بعد حسرت تھی کہ کبھی وہ خواب میں ملیں مگر ایک ماہ گزر گیا۔ میری حسرت تشنہ لب رہی۔ ایک ماہ بعد ایک رات مجھے شہید خواب میں ملے اور صرف اتنا کہا ''محبت علی جلدی فون اٹھاؤ''۔ بس یہ کہہ کر آپ غائب ہو گئے۔ میں ملنے کے لئے جلدی سے اٹھ بیٹھا مگر خواب کی بات سمجھ سے بالاتر رہی۔

صبح ہوئی میں تحریک کے دفتر میں پہلا قدم رکھا تو سامنے پڑے ہوئے فون کی گھنٹی بجی میں نے جلدی سے فون اٹھایا تو تفتیشی ٹیم کے پولیس افسر ایس پی زیدی صاحب تھے۔

انہوں نے بتایا کہ ''محبت علی آپ کے قائد کا قاتل جمیل اللہ ساکن خویشگی رات گرفتار ہو گیا ہے اور اس نے جرم کا اعتراف کر لیا ہے''۔ بس مجھے خواب کی تعبیر مل گئی''۔

☆☆☆

برادر محمد علی ڈیرہ غازی خان نے آپ کی روحانیت کا ذکر کرتے ہوئے واقعہ سنایا کہ ''میں نے آئی ایس او کے اجتماعات میں کئی بار سید عارف حسین الحسینی کو دیکھا، کئی بار ان کے قریب بیٹھا مگر کبھی بات کرنے کا موقع نہ ملا کیونکہ آپ کے رعب اور نورانی جلال کی وجہ سے کبھی جسارت نہ ہوئی۔ آپ کی شہادت کے بعد اچانک میں بیمار ہو گیا۔ یہاں تک کہ میرا مرض لاعلاج تصور کیا گیا۔ جب زندگی کی کوئی امید نظر نہ آئی تو میں ایک دن یہی سوچا اس دنیا سے چلا جاؤں گا۔ آئی۔ ایس۔ او کے محبوب دوستوں سے بچھڑ جاؤں گا۔ آئی۔ ایس۔ او کے خوب صورت دلکش اجتماعات ہوں گے مگر میں نہیں ہوں گا۔ یہی سوچتے اور اشک بہاتے بہاتے رات کو سو گیا۔ اچانک خواب دیکھا کہ علامہ سید عارف حسین الحسینی میرے پاس آئے مجھ سے پریشانی کی وجہ دریافت فرمائی۔ میں نے اشک بار آنکھوں سے داستان غم سنائی تو انہوں نے اپنے سر سے عمامہ اتارا اور میرے جسم پر پھیر دیا اور یہ کہہ کر چلے گئے کہ بے فکر رہو۔ بس صبح ہوئی طبعیت سنبھلنے لگی۔ مرض کافور ہونے لگا اور نئی زندگی کے ساتھ میں آج بھی آئی۔ ایس۔ او کے اجتماعات سے لطف اندوز ہوتا ہوں''۔

☆☆☆

آپ کے ڈرائیور غلام عباس نے آپ کے آخری سفر کی داستان سناتے ہوئے ایک منظر کیطرف اشارہ کیا انہوں نے بتایا کہ ''جب ۱۴ اگست ۱۹۸۸ء کی دوپہر آپ اپنے چچا کی ہسپتال سے عیادت کر کے نکلے تو پاراچنار میں ظہرین کی اذانیں ہو رہیں تھیں۔ آپ کا معمول تھا کہ جہاں اذان کی آواز آپ کے کانوں سے ٹکراتی آپ گاڑی روک کر نماز ادا فرماتے مگر آج خلاف معمول ایسا نہیں کر رہے تھے۔ غلام عباس نے سوچا کہ شاید آگے علاقہ ''شبلان'' میں اپنے دوست حاجی کمال

حسین کے ڈیرہ پر نماز ادا کریں گے۔ مگر پارا چنار ختم ہو گیا اور آپ نے نماز کے لئے گاڑی نہ رکوائی۔ آج کی یہ ادا غلام عباس کی سمجھ سے بالاتر تھی۔ آپ ''ٹل'' کے مقام پر پہنچے تو غلام عباس کو گاڑی میں تیل ڈلوانے اور نماز ادا کرنے کے لئے کہا جب کہ آپ نے پیٹرول پمپ کے قریب ایک صاف جگہ پر مصلیٰ بچھایا اور نماز ادا کرنے لگے۔

غلام عباس نے سوچا کہ مسجد میں نماز پڑھ لیتے تو بہتر ہوتا۔ کیونکہ علاقہ خطرناک ہے۔ آپ نماز سے فارغ ہوئے وہاں پر کھڑے طویل دعا مانگی اور پھر چل پڑے۔ بقول غلام عباس کے شہید کا خلاف معمول دیر سے اور پر خطر علاقہ میں لب سڑک نماز پڑھنے کی منطق سمجھ میں نہیں آ رہی تھی۔ آپ کی شہادت کے کچھ عرصہ بعد جب غلام عباس کا اس سڑک سے گزر ہوا تو اسے وہ وقت یاد آیا جب فرزند حسینؑ نے یہاں ظہرین کی آخری نماز ادا کی تھی۔ جونہی غلام عباس نے اس نماز والی جگہ کو دیکھا تو اسے وہاں ایک خوبصورت مسجد دکھائی دی۔ اس سے رہا نہ گیا اس نے مسجد کے بارے میں استفسار کیا تو معلوم ہوا کہ پٹرول پمپ کے مالک کو خواب میں بار بار یہ تاکید کی گئی کہ وہ اس جگہ مسجد تعمیر کرائے۔ یہ مسجد آج بھی راہ کربلا کے مسافر کے سجدہ ظہر کی نشانی ہے۔ جس کی حقیقت سے لوگ ناآشنا ہیں مگر

روشنی تیرے سفیروں کا نشان باقی ہے
دامن شب میں چراغوں کا دھواں باقی ہے
مسکرائیں بھی کسی رت میں تو کیسے عارف
آنکھ میں تیری جدائی کا سماں باقی ہے

☆☆☆☆☆

شہید کے آخری ایام زندگی

۶ جولائی کا تاریخی اجتماع ملت جعفریہ پاکستان کے لئے اگر چہ ایک تاریخی اہمیت کا تھا مگر اس کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے بخوبی لگایا جا سکتا ہے کہ ۷ جولائی ۱۹۸۷ء کو شائع ہونے والے انگریزی، اُردو اخبارت امریکی سفارتخانے میں کثیر تعداد میں منگوائے گئے اور ۶ جولائی کی بیسیوں کیسٹیں امریکہ بھجوائی گئیں۔ جس کی تصدیق ملک کے ایک ممتاز صحافی نے کی

۶ جولائی ۱۹۸۷ء سے ۵ اگست ۱۹۸۸ء کے گیارہ ماہ کے دورانیہ میں شہید علامہ سید عارف حسین الحسینی کی شخصیت، اہل اقتدار کی آنکھوں میں کانٹا بن کر رہ گئی سازشوں کے سامنے چٹان کی مانند ڈٹے رہنے کی صلاحیت اور فیصل آباد، ملتان اور ڈیرہ اسماعیل خان کی یکے بعد دیگرے عظیم اور بے نظیر قرآن و سنت کانفرنسوں نے حکمرانوں اور ان کے آقاؤں کے احساس ستم کو ضرورت میں بدل دیا۔

یہ راز کہ سازش کی تیاری میں کتنا وقت صرف ہوا اور کن شخصیات نے حصہ لیا ابھی تک پوشیدہ ہے البتہ اس کی تکمیل میں سابق صدر ضیاء الحق کی خصوصی حفاظتی ٹیم کا فوجی افسر باعث تکمیل ثابت ہوا۔

علامہ سید عارف حسین الحسینی نے زندگی کے آخری ماہ میں صرف کراچی اور اپنے آبائی گاؤں پاراچنار کا دورہ کیا۔ پہلی بار جب ماجد گیلانی نے قاتلوں سے رابطہ کیا اور انہیں آپ کے مدرسہ کے سامنے اتار کر نشاندہی کی تو آپ کراچی کے دورہ پر تھے۔ اسی دوران قاتل وقتاً فوقتاً آتے رہے آخر آپ کراچی سے واپس آئے تو فقیر گل اور بدرے نے آپ سے پہلی ملاقات کی اور ایک خط لکھوایا جس کا مفصل ذکر آئندہ صفحات کے دامن میں موجود ہے۔

جب آپ کراچی کے آخری دورے پر تھے وہاں بھی آپ کو خدشات سے آگاہ کیا گیا مگر آپ نے زیادہ توجہ نہ دی۔ کراچی سے پشاور واپس آئے تو فوراً پاراچنار چلے گئے۔ کیوں کہ آپ کے بڑے چچا سید آثار الحسین شدید علیل تھے جن کی وجہ سے آپ کے اہل خانہ پاراچنار گئے ہوئے تھے۔ آپ نے پاراچنار ہسپتال میں چچا کی عیادت کی پھر پیواڑ تشریف لے گئے۔ دو چار روز اپنے بچوں کے ہمراہ گزارے اسی دوران اپنے تمام رشتہ داروں سے ملے۔ ۱۳ اگست ۱۹۸۸ کو آئی۔ ایس ۔او پاراچنار کے زیر اہتمام ایک جلسہ میں شرکت فرمائی اور پھر اسی شام اپنی بڑی بہن کو ملنے بستی ملانہ چلے گئے۔ مغربین کی نماز تک اپنی بہن کے گھر رہے وہاں تمام رشتہ داروں سے ملے اور اجازت لے کر پاراچنار واپس آ گئے۔

ملانہ سے واپسی پر راستہ میں ڈرائیور سے کہا کہ مدرسہ جعفریہ پاراچنار میں روٹی کھانا چاہتے ہیں۔ لہذا سیدھا مدرسہ چلیں۔ آپ نے رات مدرسہ میں قیام فرمایا۔ اسی رات آپ کی بڑی بہن نے جسے آپ شام کو مل کر واپس آئے تھے۔ اذان صبح سے کچھ لمحات قبل ایک خواب دیکھا کہ دو حملہ آور شخص ان پر حملہ کرتے ہیں اور وہ شوہر کو بلاتی ہیں مگر شوہر کے پہنچنے سے قبل ان کا دایاں بازو کٹ جاتا ہے۔ اسی ڈراؤنے خواب کی بدولت وہ تڑپ کر بیدار ہوئیں تو ان کے شوہر سید ذاکر حسین کو اپنے خواب سے آگاہ فرمایا اور ساتھ تاکید فرمائی کہ نماز پڑھنے کے فوراً بعد وہ پاراچنار چلے جائیں اگر سید عارف حسین وہاں موجود ہوں تو انہیں پشاور جانے سے روک دیں۔

سید ذاکر حسین نماز صبح سے فارغ ہوتے ہی پاراچنار روانہ ہو گئے۔ پاراچنار مدرسہ پہنچے تو علامہ سید عارف حسین الحسینی کو کسی علاقائی فیصلہ میں مصروف پایا۔ اپنے بہنوئی کو مدرسہ میں دیکھ کر آپ خود کمرے سے باہر آئے اور آنے کی وجہ دریافت کی۔ سید ذاکر حسین نے آپ کو آپ کی بہن کے خواب اور گذارش سے آگاہ کیا آپ نے یہ بات سن کر سر جھکا لیا تھوڑی دیر کے لئے خاموش کھڑے رہے۔ پھر سر اٹھایا سید ذاکر حسین کی طرف دیکھا اور لمبی آہ بھرتے ہوئے الحمد للہ کہا اور پھر خاموش ہو گئے۔ ایک دو لمحے بعد اپنے بہنوئی سے گزارش کی کہ وہ یہ خواب انکی والدہ صاحبہ کو نہ سنائیں لیکن اب وہ پشاور ہر حال میں جائیں گے۔

یہ ۱۴ اگست کی صبح تھی سید ذاکر حسین چلے گئے علامہ سید عارف حسین الحسینی پھر فیصلہ کرنے میں مصروف ہو گئے فیصلہ سے فارغ ہوئے تو تمام احباب اور مدرسہ کے تمام طلباء کو نہایت شفقت سے ملے۔ پاراچنار سے رخصت ہونے لگے تو آپ نے اپنے دونوں بیٹوں محمد اور علی کو ساتھ لے لیا۔ظہرین کی نماز سے کچھ پہلے پاراچنار کے ہسپتال گئے اپنے چچا کی عیادت کی اور ان سے اجازت طلب کی اور ہسپتال سے باہر نکل گئے جہاں موجود تمام لوگوں نے آپ کو رخصت کیا۔

آپ روانہ ہونے لگے تو پاراچنار میں ظہرین کی اذانیں بلند ہونے لگیں بقول ڈرائیور عباس کہ آپ کا معمول تھا جہاں اذان سنتے وہاں پر نماز ادا کرتے مگر یہ پہلا موقع تھا کہ آپ نے ظہرین کی آخری نماز پاراچنار سے کافی دور ٹل کے مقام پر ادا کی۔

نماز کی ادائیگی کے بعد روانہ ہوئے پشاور کے قریب ایک مقام پر گاڑی رکوائی اور وہاں سے تربوز لئے۔ پشاور مدرسہ پہنچے تمام ملازمین سے ملے خیریت دریافت کی اور کمرے میں بیٹھ گئے۔ کچھ دیر بعد مظفر علی اخوندزادہ آئے اور وہ بھی آپ سے گھر کے حالات اور خیریت دریافت کرنے بیٹھ گئے۔ابھی آپ مصروف گفتگو ہی تھے کہ ملزم فقیر گل اکیلا مدرسہ میں داخل ہوا۔ ملازمین سے علیک سلیک کرتا سیدھا علامہ صاحب کے کمرے میں چلا گیا۔ یہ اس کی دوسری ملاقات تھی علامہ سید عارف حسین الحسینی نے فقیر گل سے آنے کی وجہ دریافت کی تو اس نے اپنے روایتی مکارانہ انداز میں مظلومانہ روپ دھارا اور کہنے لگا'' علامہ صاحب مجھ سے آپ کا پہلا خط کہیں جیب سے رومال نکالتے وقت گر گیا ہے لہذا مجھے آپ کا دوسرا خط درکار ہے''۔آپ نے آفس سیکرٹری محبت علی حیدری کو بلوایا اور ان سے کاغذ قلم طلب فرمایا اور اس مہمان کی تواضع کے لئے چائے لانے کو کہا۔آپ نے فقیر گل کو چائے پلائی اور دو خط لکھ دیئے تھوڑی دیر بعد فقیر گل نے اجازت طلب کی تو آپ نے ایک گلاس شربت منگوایا اور اپنے ہاتھوں سے اسے پیش کیا۔ یہ شخص جلدی میں رخصت لے کر نکلا تو اس کی چادر کمرے میں رہ گئی پھر چادر لینے کے لئے واپس لوٹا اور چادر اٹھا کر چلا گیا۔مظفر علی نے کہا آقا صاحب ان کے ارادے درست نہیں ہیں تو آپ نے بھرپور جواب دیا'' خدا اس سے پوچھ لے گا''۔

فقیر گل چلا گیا۔۔۔شام ہوگئی آپ نے تمام ملازمین کے ساتھ نماز مغربین با جماعت ادا کی۔ یہ شب جمعہ تھی آپ کا معمول تھا کہ ہر شب جمعہ دعائے کمیل ملازمین اور مدرسہ کے طلباء کے ساتھ پڑھتے مگر یہ پہلا موقع تھا کہ آپ نے دعائے کمیل ملازمین وطلباء کے ساتھ نہ پڑھی بلکہ بقول ضامن علی کے رات کے پچھلے پہر اس نے آپ کو دعائے کمیل اور دعائے توسل پڑھتے دیکھا۔

آپ نماز سے فارغ ہوئے تو مدرسہ کے صحن میں تھوڑی دیر کے لئے آ گئے اور پھر کمرے میں چلے گئے۔ جہاں آپ کے ساتھ علامہ سید محمد جواد ہادی صاحب بھی کافی دیر تک بیٹھے اہم امور پر تبادلہ خیال کرتے رہے۔

کچھ دیر بعد علامہ محمد جواد ہادی صاحب اپنے کمرے میں سونے کے لئے چلے گئے آپ نے صبح بروز جمعہ لاہور میں کسی سیمینار میں شرکت کے لئے جانا تھا۔ضامن علی نے کپڑے استری کرنے کے بارے میں پوچھا تو آپ نے جواب دیا فی الحال اپنے کپڑے استری کرلو میرے کپڑے رہنے دو۔ پھر ضامن علی سے آفس سیکرٹری محبت علی کے بارے استفسار کیا۔ معلوم ہوا کہ وہ پشاور کینٹ میں گھر گیا ہوا ہے تو آپ نے فرمایا کہ محبت علی کو جلدی لے آؤ اور میری ڈاک دے دو۔ آپ نے ملک بھر سے آئے ہوئے خطوط کے جوابات دیئے۔ محبت علی آیا تو اس سے مدرسہ کا تمام حساب لیا اور ایک ایک حساب کو خود چیک کیا۔ چند لوگوں کی موجود امانتوں کے بارے تاکید فرمائی کہ صبح ہی انہیں لوٹا دیں پھر پونے پانچ لاکھ روپے کی کثیر رقم جو دوبئی کے مومنین نے سانحہ گلگت کے متاثرین کے لئے بھیجی تھی ضامن علی کے حوالے کرتے ہوئے فرمایا کہ یہ متاثرین گلگت کی امانت ہے لہٰذا اسے بھی رات کے ڈھائی بجے پاک ہوٹل میں دے کر آئیں۔ تاکہ کل ہی مولانا شیخ علی مدد پاراچنار کو پہنچ جائے کیونکہ وہی گلگت کے امور کے مسئول تھے۔

امانتیں لوٹا کر تمام حساب چیک فرما کر آپ اپنے کمرے میں چلے گئے۔ اور عبادت خدا میں مصروف ہو گئے۔ حفاظت پر مامور ضامن علی نے بتایا کہ جب وہ رات کو قائد کے کمرے کے قریب گیا تو دروازہ تھوڑا سا کھلا ہوا تھا۔ اور عبادت خدا کے دوران آپ کے گریہ کی آوازیں آ رہی تھیں۔ غالباً دعائے کمیل پڑھ رہے تھے۔ ضامن علی نے مزید بتایا کہ آپ ایک آدھ بار کمرے سے

باہر بھی آئے مدرسہ کے صحن میں کھڑے ہوکر مدرسہ کی درودیوار کو بڑے غور سے دیکھا اور پھر کمرے میں چلے گئے۔

آپ کے ڈرائیور غلام عباس نے بتایا کہ جب رات کے آخری پہر قائد کے کمرے کے قریب سے گزرا تو اس وقت دروازہ کھلا ہوا تھا اور آپ سجدہ کی حالت میں گریہ کرتے یہی ورد کررہے تھے۔

تَوْبَةً قَبْلَ الْمَوْتِ وَ رَاحَةً عِنْدَ الْمَوْتِ وَ مَغْفِرَةً بَعْدَ الْمَوْتِ

آخر ۱۵ اگست کی صبح کی پوہ پھوٹی، صبح ہوئی تو آپ کا محافظ ضامن علی چلا گیا۔ جبکہ طلباء کو نماز کے لئے اٹھایا جارہا تھا۔ عبداللہ مین گیٹ پر جاگ رہا تھا۔ آپ اپنے کمرے سے نکل کر ساتھ مسجد میں آگئے نماز ادا فرمائی تلاوت کی اور مصلیٰ سے اٹھ کر بالائی منزل پر چلے گئے۔ جہاں علامہ سید جواد ہادی صاحب بھی وضو کرنے پہنچ گئے۔

آپ کے مصلیٰ سے اٹھنے اور بالائی منزل تک جانے کے دوران مین گیٹ سے عبداللہ بھی بستر لپیٹ کر اندر آ گیا۔ اسی اثنا میں وقت کا ابن ملجم جمیل اللہ اور بدرے چلے آئے۔ عبداللہ نے کمرے میں نماز پڑھنا شروع کی اور یہ دونوں قاتل آپ کے کمرے تک پہنچ گئے۔ جمیل اللہ نے کمرہ میں جھانکا مگر آپ کو موجود نہ پایا۔ عجیب اتفاق تھا کہ اس سے قبل جمیل اللہ نے آپ کو دیکھا تک نہ تھا جبکہ بدرے، فقیر گل کے ساتھ ایک بار پہلے آپ سے مل چکا تھا اور وہی جمیل اللہ ابھی بدرے کو بتا رہا تھا کہ کمرے میں مولانا صاحب نہیں ہیں اتنے میں سیڑھیوں سے اترتے دکھائی دیئے۔ بدرے نے جمیل اللہ کو اشارہ دیا۔ اور جمیل اللہ نے آپ کے سینہ پر فائر کر دیا۔ بقول جمیل اللہ کے وہ دوسرا فائر کرنا چاہتا تھا مگر اس کا ہاتھ جواب دے گیا۔ جو آج تک شل ہے۔

یہ دونوں قاتل مختلف راستوں سے بھاگ گئے۔ مدرسہ کے ایک طالب علم سید توصیف حیدر نے جمیل اللہ کو فرار ہوتے دیکھا مگر تمام لوگ فائر کی آواز سن کر جلدی جلدی اس طرف بھاگے جہاں سید جواد ہادی خون میں لت پت محبوب قائد کو اٹھائے ماتم کررہے تھے۔

ڈرائیور گاڑی لایا آپ کو لیڈی ریڈنگ ہسپتال لے جایا گیا مگر آپ راستے میں ہی اپنے

خالق حقیقی کے حضور سرخ چہرہ لئے سرخرو ہو گئے۔اسی دوران قاتل فرار ہونے میں کامیاب ہو گئے۔ ضامن علی واپس آیا تو مدرسہ کے گیٹ پر شہید قائد کے دو یتیم بیٹوں محمد و علی کو روتے دیکھا۔ضامن علی نے رونے کی وجہ پوچھی تو جواب ملنے پر اس کا دل پھٹ گیا۔وہ موٹر سائیکل پر سیدھا ہسپتال آیا۔ شہادت کی خبر سن کر واپس لوٹا۔مدرسہ آتے ہی کلاشکوف تھامی اور اپنے دل میں گولی اتار دینے کی کوشش کی کہ ایسے میں ساتھ کھڑے ہوئے ایک شخص نے کلاشنکوف کو پکڑنے کی کوشش کی تو گولی دل میں اترنے کی بجائے ۱۳ انچ دور لگ گئی۔اور یوں ضامن علی اپنے قائد سے اکٹھے چلنے کا وعدہ وفا نہ کر سکا مگر آج بھی اپنے گھر میں شل جسم کے ساتھ اپنی زندگی کے دن پورے کر رہا ہے۔اس کی چارپائی کے سامنے شہید قائد کی مسکراتی تصویر آویزاں ہے۔جسے سارا دن تکتے تکتے ضامن علی کی آنکھیں پتھرا جاتی ہیں۔

ضامن علی کے بقول شہید کی شہادت کے بعد آٹھ سال تک وہ جس دردناک کیفیت سے دوچار رہا ہے وہ ناقابل بیان ہے۔مگر شہید حسینیؒ سے توسل کے صدقے میں آج اسے ہر تکلیف و درد سے نجات مل چکی ہے اور اس نے آج تک شہید حسینی سے جس خواہش کا بھی اظہار کیا ہے اسکی تکمیل ہوئی ہے۔

عبداللہ چوکیدار کی طرف سے چمکنی پشاور میں نامعلوم ملزمان کے خلاف ایف۔آئی۔آر درج کرائی گئی اور اتحاد بین المسلمین کے عظیم علمبردار کی شہادت کی خبر نے پورے ملک کو ماتم کدہ بنا دیا۔

☆☆☆☆☆

قتیل سحر

علامہ سید عارف حسین الحسینی ۵ اگست ۱۹۸۸ء کی صبح اپنے مدرسہ جامعۃ المعارف الاسلامیہ پشاور میں شقی القلب حکمرانانِ وقت کے ستم کا نشانہ بن کر شہید ہوئے۔ اگرچہ آپ نے شہادت کی عظیم سعادت اور قربت خداوندی حاصل کر لی مگر ملت اسلامیہ پاکستان ایک حقیقی عاشق اسلام اور ایک بابصیرت، صالح اور خدا رسیدہ قیادت سے محروم ہوگئی۔

آپ نماز صبح کی ادائیگی کے بعد مدرسہ کی بالائی منزل پر گئے کہ اپنے وقت کا ابن ملجم مسجد کوفہ فرزند علیؑ کے خون سے رنگین کرنے پہنچ گیا۔ آپ بالائی منزل سے نیچے آرہے تھے۔ کہ سیڑھیوں کے قریب گھات میں کھڑے ہوئے قاتل نے آپ کے سینہ پر ۳۲ بور کے پستول سے فائر کر دیا۔ آپ نے اپنے لہو سے وضو کر کے نماز شہادت کی تیاری کی اور قاتل فرار ہوگیا۔

علامہ سید محمد جواد ہادی جو بالائی منزل پر وضو کر رہے تھے، نے کسی کے گرنے کی آواز سنی۔ وہ جلدی سے نیچے اترے تو آپ کو سیڑھیوں کے قریب تشہد کی حالت میں پایا۔ وہ سمجھے کہ شاید آپ سیڑھیوں سے گر پڑے ہیں مگر انہوں نے جونہی آپکا بازو پکڑ کر اٹھانے کی کوشش کی تو آپ کے سینہ سے خون کا فوارہ جاری دیکھا۔ انہوں نے سر پیٹتے ہوئے ایک ندا دی کہ ''ملت اسلامیہ یتیم ہوگئی''۔ مدرسہ کے طالب علم سید توصیف حیدر نے ایک نامعلوم شخص کو فائر کر کے دوڑتے ہوئے دیکھا۔ آواز سن کر مدرسہ کے دیگر احباب اپنے کمروں سے باہر نکل کر فوراً نیچے آئے تو آپ کو زخمی پایا۔ یہ منظر دیکھ کر وہاں پر موجود تمام احباب ماتم کرنے لگے۔ آپ نے احباب اور مدرسہ کے در و دیوار کو

الوادعی نظروں سے دیکھا اور انہی نظروں میں بہت سے سوالات کا جواب دے کر بچھڑنے کی تیاری کر لی۔

آپ کو لیڈی ریڈنگ ہسپتال لے جایا گیا مگر آپ ہسپتال پہنچنے سے پہلے ہی شہادت کا سرخ چہرہ لئے رب العزت کے حضور سرخرو ہو گئے۔

اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ

ملت اسلامیہ پاکستان کے اقبال کا آفتاب غروب ہوا تو یہ خبر جنگل کی آگ کی طرح پھیلی اور مسلمانوں پر بجلی بن کر گری۔ ہر دل میں یہ سانحہ نشتر بن کر چبھا۔ ہر گھر سے چیخیں، بین اور ماتم کی صدائیں اٹھیں۔ پورا ملک آہ و بکا کے دردناک سمے میں ڈوب گیا۔ آپ کے محافظ ضامن حسین نے احساس جدائی کو برداشت نہ کرتے ہوئے اپنے اوپر کلاشنکوف سے فائر کر ڈالا۔

آپ کی شہادت کی خبر وطن کے ہر در و دیوار سے ٹکرائی اور ہواؤں کے دوش پر دنیا کے کونے کونے میں پھیل گئی۔ ملت مسلمہ کے ہر ذی شعور انسان نے اس سانحہ پر دلی دکھ کرا اظہار کیا۔ ولی فقیہ امام خمینیؒ کے دل سے پھر ایک آہ چھلک گئی ''میں اپنے عزیز فرزند سے محروم ہو گیا''۔

ملت جعفریہ کے لاکھوں افراد ماتمی لباس پہنے، سروں میں خاک ڈالے اور علماء اپنے عمامے سروں سے اتارے پشاور پہنچ گئے۔ ملک بھر کے مختلف علاقوں سے آئے ہوئے ماتمی ایک دوسرے سے لپٹ لپٹ کر روئے، آہوں، سسکیوں اور ماتم کا لامتناہی سلسلہ شروع ہوا۔

☆☆☆

۱۶ اگست کو نماز جنازہ سے قبل اس وقت ایک معنی خیز حقیقت بھی سامنے آئی جب آیت اللہ جنتی شہید کے لاشہ کے قریب پہنچے اور اپنا عمامہ اٹھا کر سلام پیش کیا۔ عین اسی وقت زمین کو زلزلہ آ گیا اور شہید کا چہرہ باقاعدہ آیت اللہ جنتی کی طرف مڑ گیا۔ اس منظر کو کیمرہ مین نے ضبط کرنا چاہا مگر اس کے ہاتھ سے کیمرہ گر گیا۔ اس منظر کو جنازہ کے پاس ڈیوٹی پر مامور کئی ایک برادران نے دیکھا۔

نماز جنازہ کا اعلان ہوا تو سوگواران حسینی ایک جلوس کی شکل میں مدرسہ سے جناح باغ کی طرف روانہ ہو گئے۔ جبکہ شہید کے جسد خاکی کو ایمبولینس میں رکھ کر وہاں لے جایا گیا۔ وہاں صدر ضیاء الحق کی شرکت کی بھی اطلاع موصول ہوئی۔ ماتمی نوجوان اشتعال میں آ گئے۔ مگر علماء نے خصوصی احکامات کے ساتھ حالات پر قابو پالیا۔ جونہی ضیا الحق سامنے آیا تو ''قاتل قاتل'' کے نعرے بلند ہوئے۔ پھر اسٹیج سے زوردار نعرہ لگوایا گیا۔ ''تم کس کس کو مرواؤ گے یہ ساری قوم حسینی ہے''۔ ''میرے قائد کا قاتل امریکہ۔ مردہ باد، امریکہ''۔

نماز جنازہ کی ادائیگی کے بعد ضیاء الحق اپنے احباب سمیت امام خمینیؒ کے وفد سے بھی ملا اور کہنے لگا کہ ''علامہ صاحب کے قتل میں غیر ملکی ہاتھ ہے۔ تو آقای جنتی نے کہا کہ ''کیا آپ اس غیر ملکی ہاتھ کی نشاندہی کر سکتے ہیں''۔ یہ سن کر ضیاء الحق بالکل خاموش ہو گیا۔

شہید کی میت کو پشاور سے الوداع کرنے کا وقت آیا تو گریبان چاک ہوئے، در و دیوار روئے، ہیلی کاپٹر میں لاش رکھی گئی تو لاکھوں افراد نے دھاڑیں مار کر الوداع کیا، ہیلی کاپٹر اڑا اور اس کہرام میں تحریک کا ایک باب ختم ہو گیا۔

آپ کا جسد خاکی پاراچنار پہنچا جہاں کرم ایجنسی کے غیور عوام اور قبائل آپ کا آخری دیدار کرنے کی خاطر پہلے جمع ہو چکے تھے۔ قیامت صغریٰ کے مناظر یہاں بھی دیکھے گئے۔ ہر گھر سے بچے اور خواتین ماتم کرتے ہوئے مرکزی امام بارگاہ میں جمع ہو گئے، عوام کی فرمائش پر ایک رات کے لئے آپ کا جسد مبارک کو پاراچنار ٹھہرانا پڑا۔ جہاں صبح آپ نے اپنے آبائی گاؤں پیواڑ کی مٹی کی گود میں سونے کے لئے روانہ ہونا تھا۔ چنانچہ میت کو مرکزی امام بارگاہ کے صحن میں آخری دیدار کے لئے رکھ دیا گیا۔

برادر عاشق حسین طوری سابق ڈویژنل جنرل سیکرٹری آئی۔ ایس۔ او پشاور کے بقول ان کی ڈیوٹی شہید کے سرہانے تھی۔ لوگ ساری رات صف بنا کر آپ کی زیارت کرتے رہے۔ اذان صبح کے وقت جب مؤذن نے اللہ اکبر کی صدا بلند کی تو ان کی نظر شہید قائد کے چہرے پر پڑی دیکھا کہ شب بیدار عابد کی دونوں آنکھوں سے اشک جاری تھے۔ وہ حیران و ششدر رہ گئے اور خود بھی

تڑپ کر روتے ہوئے وہ گراں بہا آنسو سمو لئے اور اس روئی کو کفن کے ساتھ رکھ دیا گیا۔

اگلی صبح آپ کے جسد مبارک کو پیواڑ لے جانے کی تیاریاں شروع ہو گئیں جب آپ پاراچنار کی فضاوں کو الوداع کہنے لگے تو زن و مرد، پیر و جواں آپ کے تابوت سے لپٹ کر روئے ایک کہرام برپا تھا، لوگ فرط غم سے بے ہوش ہو کر زمین پر گر رہے تھے۔ ہر آنکھ کے سامنے شہید کا کردار نمایاں تھا۔ پاراچنار اور پیواڑ کا فاصلہ انتہائی رقعت انگیز لمحات میں گزرتا جا رہا تھا۔ آپ کو آپ کی آخری آرام گاہ کے قریب لایا گیا۔ بیسوں عقیدتمند بے ہوش ہوئے اور سینکڑوں نے پہاڑوں کے پتھر اٹھا کر اپنے سر پھوڑے۔

آخر کار جانثاران عارف پیواڑ کے پہاڑوں کے دامن میں اپنے محسن اور عظیم الشان قائد کو سپرد خاک کر کے اٹھ کھڑے ہوئے۔

☆☆☆

ذہن سن اور بدن لرزہ براندام تھے اب قاتلوں کی تلاش اور سید الشہداءؑ کے سچے فرزند کے قتل کے پیچھے سازش کو بے نقاب کرنے کا مرحلہ تھا۔ وقوعہ کے بعد تھانہ چمکنی پشاور میں عبداللہ چوکیدار نے نامعلوم ملزمان کے خلاف ابتدائی رپورٹ (FIR) درج کرادی تھی آئی۔جی اور ایس۔ایس۔پی پشاور نے بظاہر پندرہ پولیس افسران پر مشتمل ایک تفتیشی ٹیم تیار کی۔

پہلے روز سے ہی شک تھا کہ یہ قتل اجرتی قاتلوں کے ذریعے کروایا گیا ہے۔ لہٰذا پولیس نے پشاور اور گردونواح کے تھانوں سے اجرتی قاتلوں کا ریکارڈ طلب کیا۔ آغاز میں کچھ اپنے بھی زیر تفتیش آئے عام خیال یہ تھا کہ پاکستان کے پہلے تمام بڑے رہنماؤں کے قتل کی طرح یہ قتل بھی طشت از بام نہ ہوگا۔ نہ کوئی قاتل پکڑا جائے گا، نہ کوئی مجرم ٹھہرے گا۔ مگر وہ لوگ جو شہید عارف حسین الحسینی کی روحانیت اور آپ کے مقام سے آشنا تھے روز اول سے کہہ رہے تھے کہ یہ خون مقتل میں چھپے گا نہیں بلکہ کوچہ و دیوار میں آنکلے گا اور اس کے اثرات بہت جلد زمانہ پر عیاں ہوں گے۔

ابھی آپ کی شہادت کے تذکرے پورے ملک میں زیر زبان تھے اور آپ کے

پرستاروں کے اشک خشک نہیں ہوئے تھے کہ ۱۷ اگست کو صدر ضیاء الحق کا خصوصی طیارہ سی ۱۳۰ بہاولپور کے قریب بستی لال کمال کے مقام پر گر کر تباہ ہو گیا۔ یہ ملکی سطح پر اپنی نوعیت کا بہت بڑا سانحہ تھا۔ جس پر ہر شعبہ زندگی کے ہر فرد نے اپنی رائے قائم کی۔ البتہ ملت جعفریہ کو جہاں آمریت سے نجات ملی وہاں ملت کے ہر فرد نے یہ باور کیا کہ یہ قدرت کا کام ہے کہ جس نے ان کے شہید قائد کے خون ناحق کا شاید خود ہی قصاص لے لیا ہے۔

آغاز میں ایک طے شدہ پلان کے ساتھ سید عارف حسین الحسینی کے خون کو مقتل میں چھپانے، حقائق کو مسخ کرنے اور تاریخ کا رخ موڑنے کی بھیانک سازشیں کی گئیں تا کہ یہ خون مقتل تک محدود رہے مگر خدا کو کچھ اور منظور تھا۔

☆☆☆☆☆

قاتلوں کا سراغ

آپ کے قتل کے سانحہ کی تفتیش ہو رہی تھی کہ تفتیشی ٹیم کے اہم رکن بیغم شاہ انسپکٹر نے اپنے افسر محمد اسماعیل سے ۱۰ اگست کو ایک دن گھر جانے کی چھٹی لی۔ وہ اپنے گاؤں گیا تو وہاں مرگ ہو چکی تھی جس کے فاتحہ خوانی کے لئے ترلاندی گاؤں کی چند خواتین بھی آئی ہوئیں تھیں۔ وہ تعلق داری کی بناء پر بیغم شاہ کے گھر بھی آئیں باتوں باتوں میں انہوں نے شبہ ظاہر کیا کہ پشاور میں قتل ہو جانے والے مولانا کے قاتل ترلاندی گاؤں کے سراج اور بدرے ہیں اور آج کل یہ بات ان کے علاقہ میں گردش کر رہی ہے کہ انہوں نے یہ قتل اجرت پر کیا ہے۔

دوسرے روز بیغم شاہ نے اپنے افسر بالا تک یہ بات پہنچا دی اور یوں تفتیش کرنے والوں کو ایک صحیح راستہ مل گیا۔ افسر بالا نے نوشہرہ میں تعینات ڈی۔ایس۔ پی اور تفتیشی ٹیم کے اہم افسر عبدالعلی خان بنگش تک یہ بات پہنچائی تو انہوں نے نوشہرہ کے ایک با اثر فرد قاضی جہانزیب سے رابطہ کیا۔ کیونکہ عبدالعلی خان کو سراج اور جہانزیب کے تعلق کا پہلے سے علم تھا۔ قاضی جہانزیب گرفت میں آیا تو اس نے اس شرط کے ساتھ کہ اسے کچھ نہیں کہا جائے گا اس راز سے پردہ اٹھایا اور واضح کیا کہ علامہ سید عارف حسین الحسینی کے سینہ پر فائر کرنے والا شخص جمیل اللہ ترکھان ہے جو اس وقت خویشگی پایاں کا سکونتی ہے۔

عبدالعلی خان بنگش جو ایک دیانتدار اور فرض شناس پولیس افسر تھے ان کا تعلق ہنگو ضلع کوہاٹ کے شیعہ گھرانے سے تھا وہ جہاں صوبہ سرحد میں اپنے فرائض کی بجا آوری اور دیانت میں معروف تھے وہاں یہ مقدمہ ان کے لئے ذاتی حوالہ سے بھی ایک اہمیت کا حامل تھا۔ لہذا ان دو

وجوہات کی بناء پر وہ عزم کر چکے تھے کہ قاتل خواہ کتنے خونخوار اور بااثر ہی کیوں نہ ہوں اگر زندگی نے ساتھ دیا تو وہ انہیں بے نقاب کر کے دم لیں گے۔

قائد کی شہادت سے ٹھیک ایک ماہ بعد ۵ ستمبر ۱۹۸۸ء کو عبدالعلی خان نے پولیس کی ایک بھاری نفری کے ساتھ جمیل اللہ ترکھان کو اس کے گاؤں سے گرفتار کیا اور زیر تفتیش لایا۔ ملزم نے پہلے مرحلہ پر تمام حقائق سے پردہ اٹھایا اور اپنے ضمیر کا مدعا کھل کر بیان کیا۔ جہاں اس نے اپنے مکروہ فعل کا اعتراف اور دیگر قاتلوں کی نشاندہی کی۔ وہاں اس نے اپنی جیب سے ایک ڈائری نکال کر اس پر لکھے ہوئے ایک فون نمبر ۸۵۲۵۲۵ کے بارے میں انکشاف کیا کہ یہ فون نمبر راولپنڈی کے کسی آدمی کا ہے جس کے کہنے پر یہ قتل کیا گیا ہے۔ وہ ذاتی طور پر اس شخص سے آشنا نہیں ہے البتہ دیگر ملزمان نے اسے بتایا تھا کہ یہ کام راولپنڈی کے ایک آدمی کے ایماء پر کیا جا رہا ہے۔

تفتیش کے دوران جمیل اللہ نے اس قتل کا ذمہ دار سراج سکنہ ترلاندی کو ٹھہرایا اور اسی سازش میں ملوث دیگر افراد شیر گل، فقیر گل اور بدرے کی بھی نشاندہی کی۔ جمیل اللہ کی تفتیش اور دیگر ملزمان کی نشاندہی کے بعد مسئلہ راولپنڈی کے فون نمبر کا سامنے آیا۔ جب اسلام آباد کی ٹیلی فون ڈائری سے یہ نمبر تلاش کیا گیا تو ڈائری کے صفحہ ۳۳ پر یہ نمبر سید غالب رضا گیلانی گلی ۲۹ مکان ۱۵۔B الیف۔۱۸ اسلام آباد کا نکلا۔

۷ ستمبر کو پولیس مذکورہ پتہ پر اسلام آباد پہنچی تو اس مکان سے ایک سوزوکی کار نمبر جھنگ ۹۷۰۰ برآمد ہوتی دیکھی۔ پولیس نے فوراً گاڑی کو اپنی تحویل میں لیا اور گاڑی کے ڈرائیور محمد رمضان کو گرفتار کر کے پشاور لے آئی۔ پولیس نے گاڑی کی تلاشی لی تو مالک کے دیگر ذاتی سامان کے علاوہ گاڑی کے ڈائس بورڈ سے مدرسہ جامعۃ المعارف پشاور (موجودہ جامعۃ الشہید عارف حسین الحسینی) کا داخلہ فارم بھی برآمد ہوا جو فقیر گل نے ۱۷ جولائی ۱۹۸۸ کو مدرسہ کے آفس سیکرٹری محبت علی سے لیا تھا۔ مدرسہ کے فارم کی برآمدگی کے بعد پولیس کے تمام شکوک شبہات کو یقین میں بدل دیا کیونکہ یہ مدرسہ فارم ملزم فقیر گل نے مدرسہ سے حاصل کر کے ماجد گیلانی کو دیا تھا۔

ڈرائیور رمضان سے تفتیش کی گئی تو اس نے آغاز میں ہی یہ واضح کر دیا کہ یہ گاڑی جھنگ

کے سید غالب رضا گیلانی اور ماجد گیلانی کی ہے اور وہ ان کا خاندانی ڈرائیور ہے۔

جمیل اللہ نے اپنے بیان میں جن چار افراد کو ملوث بتایا ان میں سے پہلا ملزم شیر گل ڈرائیور ے ستمبر کو گرفتار ہوا جس نے اپنے اعترافی بیان میں جمیل اللہ کے بیان کی تصدیق کی۔ پولیس کے سامنے ملزمان کے دفعہ ۱۶۱ کے تحت بیانات کی چونکہ قانونی اہمیت نہ تھی اس لئے عبدالعلی خان نے ذاتی دلچسپی کی بناء پر قانونی تقاضے پورے کرنے میں عجلت کی اور ملزمان کے ۱۲ ستمبر تک عدالت کے سامنے دفعہ ۱۶۴ کے بیانات قلمبند کرا لئے۔ اب ان عدالتی بیانات کے بعد ملزمان قانون کی حفاظت میں تھے اس لئے ان پر کسی زاویہ سے اثر انداز ہونا مشکل تھا۔

جب عبدالعلی نے اپنے ایک افسر کو ملزمان کے بیانات قلمبند ہو جانے کی اطلاع دی تو اس کے پاؤں تلے زمین نکل گئی اور انہوں نے غصہ میں کہا ''اگر تم ایسے کر بھی آئے ہو تو پھر اوپر والوں کو جواب خود دینا'' اس پولیس افسر کے انداز سے معلوم ہوتا ہے کہ شاید پولیس کو حکومت سرحد (فضل حق) کی طرف سے ہدایات تھیں کہ وہ ہر پل کی اسے اطلاع دے۔

ایک اور بات جو علامہ سید عارف حسین الحسینی کی شہادت کے چند روز بعد قاتلوں کی نشاندہی میں معاون ثابت ہوئی وہ شہید کا ایک شخص کو خواب میں مل کر اپنے قاتلوں سے آگاہ کرنا تھا۔ کچھ شبہات تو پہلے بھی جنم لے چکے تھے۔ مگر ان کا تذکرہ ابھی تک تفتیشی ٹیم تک محدود تھا۔ مگر خواب دیکھنے والے شخص کا انکشاف تصدیق بن گیا۔

پولیس مصروف تفتیش تھی۔ ایک روز علامہ سید محمد جواد ہادی کو ایک رقعہ موصول ہوا جو پشاور کے مضافات سے لکھا گیا تھا جس میں درج تھا کہ قاتل ترلاندی گاؤں سے تعلق رکھتے ہیں اور آج کل وہ رقم کی تقسیم پر اختلافات کا شکار ہیں۔ رقعہ لکھنے والے نے اپنا نام پوشیدہ رکھتے ہوئے یہ بھی لکھا چونکہ یہ قتل ایک بہت بڑے عاشق اسلام کا ہے اس لئے ایک مسلمان ہونے کے ناطے اظہار کر رہا ہوں تا کہ خدا کے روبرو سرخرو ہو سکوں۔

چند دنوں بعد ایک شخص علامہ سید جواد ہادی صاحب کے پاس مدرسہ میں آیا اور کہا کہ آپ سے خفیہ بات کرنا مقصود ہے۔ مولانا صاحب نے کمرے میں بیٹھے ہوئے ایک آدھ فرد کو باہر جانے

کو کہا تو اس اجنبی شخص نے سب سے پہلے کمرے میں آویزاں علامہ سید عارف حسین الحسینی کی تصویر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے سوال کیا'' یہ وہی سید ہیں جو ابھی قتل ہو چکے ہیں'' جواب ہاں میں ملا تو انہوں نے اپنی بات کو طول دیتے ہوئے اپنا تعارف کرایا کہ'' میں وہی شخص ہوں جس نے چند روز قبل آپ کو ایک رقعہ میں قاتلوں کی نشاندہی کرائی تھی۔ لیکن آج خود اسلئے حاضر ہوا ہوں کہ آپ کو تمام حالات سے آگاہ کروں۔ اس شخص نے اپنی داستان یوں شروع کی کہ علامہ سید عارف حسین الحسینی کی شہادت کے بعد ہمارے علاقہ میں کافی افسردگی چھا گئی کیونکہ ہم سنتے تھے کہ وہ بہت بڑے عالم اور بہترین مسلمان ہیں۔ مجھے چند روز قبل قاتلوں کی نقل و حرکت اور اختلافات کا علم ہوا۔ تو ایک مسلمان ہونے کے ناطے آپ کو آگاہ کر دیا تھا مگر جی چاہتا تھا کہ آپ کو مفصل آگاہ کروں لیکن یہ سوچتے ہی دل میں خوف آتا تھا کہ قاتلوں کا سرغنہ سراج کہیں اس کے خاندان کو تباہ نہ کر دے۔ آخر اسی تذبذب میں ایک صبح نماز پڑھنے کے بعد سویا تو خواب میں دیکھا'' میرے گھر کے کمرے میں علامہ سید عارف حسین الحسینی ایک بڑی کرسی پر بیٹھے ہوئے مجھے بلا رہے ہیں۔ میں نے کمرے میں داخل ہونے کی کوشش کی تو دیکھا کہ آپ کی کرسی کے دونوں طرف بڑے بڑے اژدھا کھڑے ہیں۔ میں خوفزدہ ہوا اور علامہ صاحب سے اندر آنے کی معذرت اور خوف کا اظہار کیا۔ یہ سنتے ہی علامہ صاحب اپنی کرسی سے اٹھے پہلے دائیں اور پھر بائیں اژدھا کو ہاتھ سے پکڑ کر ٹکڑے ٹکڑے کر کے پھینک دیا اور پھر مجھے اندر آنے کو کہا ایسے میں میری آنکھ کھل گئی''۔ اسی خواب کے بعد میں اس نتیجہ پر پہنچا کہ یہ قتل ایک روحانی مسلمان کا ہے جس نے میرے دل میں منڈلانے والے خوف کو کافور کر دیا ہے لہذا ایک مسلمان ہونے کے ناطے اپنے فرائض کی بجا آوری کرتے ہوئے آپ کو آگاہ کر رہا ہوں کہ اس قتل میں ملوث قاتلوں کا سرغنہ سراج ساکن ترلاندی ہے جو ایک معروف قاتل اور خونخوار شخص ہے۔ جس کے خوف سے علاقہ میں وحشت طاری ہے کیونکہ یہ شخص موجودہ حکمرانوں کا بڑا قریبی ہے۔ اپنا نام پوشیدہ رکھنے کی درخواست کے ساتھ یہ شخص روانہ ہوا۔ سید جواد ہادی صاحب نے اس کا انتہائی شکریہ ادا کر کے رخصت کیا۔

☆☆☆☆☆

قاتل جمیل اللہ کی گرفتاری اور انکشافات

قتل کی سازش کو پایہ تکمیل تک پہچانے والے جمیل اللہ نامی شقی القلب شخص جس نے سینہ نور پر دم صبح گولی چلائی اور مقتول شہادت کی سعادت سے ہمکنار ہوا۔ خود وہ ابن ملجم کا کردار ادا کر کے غضب خدا کا مستحق بنا۔ اس کے اعتراف جرم کے مفصل بیان سے اس کا مکروہ کردار مزید واضح ہوتا ہے۔

بیان

جمیل اللہ اپنے اعتراف میں سازش قتل سے پردہ اٹھاتے ہوئے اپنے جرم کو یوں بیان کرتا ہے۔

عید قربان کے پانچ چھ روز بعد وہ اپنے گاؤں خویشگی پایان میں بیٹھا ہوا تھا کہ سراج گاڑی میں اپنے دوستوں بدرے مسلح با کلاشنکوف اور ڈرائیور شیر گل کے ہمراہ اس کے پاس آیا۔ اس نے انہیں شربت پلایا اور آنے کی وجہ پوچھی تو سراج نے تنہائی میں بات بتانے کا اشارہ کیا۔ سراج مجھے چند قدم دور لے گیا اور پھر ہم بیٹھ گئے۔ سراج نے سب سے پہلے میری غربت کی تنگی کا رونا رویا اور پھر غربت مٹانے کا عزم کرتے ہوئے مجھے اعتماد میں لینے کی کوشش کی۔ ساتھ اشارہ کر دیا کہ صرف ایک کام کرنا ہے۔

مزید کہتا ہے کہ سراج نے پختہ گھر تعمیر کرنے اور گاڑی خرید کر دینے کے لالچ کے ساتھ ساتھ امریکہ کی سیر و تفریح کا بھی لالچ دیا۔ اتنے بڑے انعامات کا سن کر میرے منہ میں پانی بھر آیا۔ مگر

میں بار بار پوچھتا رہا کہ آخر کام کیا کرنا ہے۔تو سراج نے جواباً کہا کہ ''پشاور کے ایک معمولی مولوی کا قتل کرنا ہے''۔تو میں نے کہا کہ میں ایسا کام نہیں کر سکتا غریب آدمی ہوں میرا تو کوئی وارث نہیں ہے۔ یہ سب باتیں کر کے سراج چلا گیا اور جاتے وقت کہا کہ تمہاری مرضی ویسے بھی یہ کام تمھیں اکیلے نہیں کرنا تھا۔ہم چاہتے تھے کہ تمھیں بھی ساتھ ملالیں۔تا کہ تمہاری غربت ختم ہو جائے۔یہ کہہ کر وہ چلے گئے۔

تقریباً چار دن بعد یہ گروپ واپس آیا۔مگر اس بار ان کے ساتھ فقیر گل نامی شخص بھی تھا۔ سراج نے اس کا تعارف کرایا کہ یہ ان کا دوست ہے جو اس گروپ میں شامل ہو گیا ہے لہذا تم کو ایک بار پھر دعوت دیجاتی ہے کہ تم اپنی دنیا بنالو اس مرتبہ میں نے سراج سے پوچھا کہ یہ کام تم کس طرح کرو گے۔تو سراج نے جواب میں کہا کہ یہ سب کاروائی راولپنڈی کے ایک شخص کی نگرانی میں کی جائے گی جو اس کے بھائی کا دوست اور امریکہ کا ایجنٹ ہے۔

جمیل اللہ مزید کہتا ہے کہ سراج نے مجھے تسلیاں دیتے ہوئے کہا کہ تمھیں خوف زدہ ہونے کی ضرورت نہیں عام سے مولوی کا قتل ہے اور جو لوگ قتل کے خواہش مند ہیں وہ ہمیں تحفظ فراہم کریں گے لیکن میرے دل میں بار بار خیال آتا رہا اور پوچھا بھی یہ کیسا عام سا مولوی ہے جس کے قتل کی اجرت اتنی بڑی ہے؟ سراج نے کہا اسے چھوڑ دو تم خود دیکھ لو گے۔یہ باتیں سن کر میں سراج کی باتوں سے مطمئن ہوا اور لالچ میں آ گیا۔

چنانچہ عصر کے وقت میں ان کے ساتھ روانہ ہوا۔راستے میں یہ سارا گروپ مجھے تسلیاں دے رہا تھا کہ گھبرانے کی ضرورت نہیں ہے۔باتیں کرتے کرتے ہم گاڑی پر سراج کے گاؤں پہنچے اور یہ رات سراج کے حجرہ (ڈیرہ) پر گزاری اور قسمیں کھاتے رہے۔دوسرے دن صبح نو بجے سراج، شیر گل، فقیر گل، بدرے اور میں سراج کی موٹر کار میں براستہ چارسدہ پشاور پہنچے اور سیدھا مدرسے کی طرف چلے گئے۔ہم نے مدرسہ کے بالمقابل جی ٹی روڈ پر کچھ چکر لگائے آخر کچی سڑک پر فقیر گل کو اتار دیا جبکہ ہم لوگ اس کچی سڑک پر ایک جگہ جس کی نشاندہی میں کر سکتا ہوں موٹر کار سے اتر کر سامنے شربت والے کی دوکان پر بیٹھ گئے اور فقیر گل کا انتظار کرنے لگے کیونکہ فقیر گل مدرسہ کے اندر مولانا کو دیکھنے گیا

تھا۔تقریباایک گھنٹے بعد فقیر گل واپس آیااور ہمیں بتایا کہ مولوی صاحب موجودنہیں ہیں۔

ہم تمام افراد موٹر کار میں بیٹھ کر سیدھا اسی روڈ پر نوشہرہ قاضی جہاں زیب کے گھر پہنچ گئے۔ قاضی جہاں زیب کا گھر دریائے کابل کے کنارے واقع ہے۔ہم نے دوپہر کا کھانا اس کے ہاں کھایا اور آرام کیا۔قاضی کے گھر جانے کا یہ میرا پہلا اتفاق تھا۔لیکن سراج اور بدرے کے قاضی سے دیرینہ مراسم تھے۔

قاضی جہانزیب ،سراج ،بدرے اور فقیر گل سے تنہائی میں نصف گھنٹہ تک باتیں کرتا رہا اور ڈرائیور شیر گل علیحدہ بیٹھا رہا۔ مجھے یہ معلوم نہیں کہ انہوں نے تنہائی میں کیا کچھ کہا۔

قاضی جہانزیب سے ملاقات کے بعد سراج اس کے ہاں ٹھہر گیا اور ہم کو پشاور جانے کی ہدایت کی اور ساتھ یہ بھی حکم دیا کہ رات پشاور میں بسر کریں اور مکمل پتہ کریں کہ وہ مولوی کب آرہا ہے؟

سراج کی اس ہدایت پر ہم اس گاڑی میں پشاور آئے اور کوہاٹ روڈ پر واقع ایک پٹرول پمپ پر جا کر گاڑی میں پٹرول ڈلوایا۔ یہ پٹرول پمپ والا شیر گل کا رشتہ دار تھا اس نے ہمیں چائے بھی پلائی تھی۔ہم چائے سے فارغ ہوئے تو بدرے نے کہا کہ اسی روڈ پر واقع فلورمل کا ایک ملازم صبح نو بجے روزانہ چار پانچ لاکھ بینک لے جاتا ہے۔(یہ بات بدرے کو اس کے رشتہ دار نے بتائی تھی جو اس مل میں ملازم تھا)لہذا ہم اس کے اسکوٹر کو ٹکر مار کر گرادیں گے اور رقم چھین کر فرار ہو جائیں گے۔تمام افراد نے ہامی بھر لی مگر میں نے معذرت کرتے ہوئے کہا''میں پہلے بھی ڈکیتی کیس میں ناکام اور سزا پا چکا ہوں اس لئے مجھے ڈکیتی کرتے ہوئے ڈر لگتا ہے چونکہ ہمارا شکار موجود نہیں اسلئے مجھے آپ لوگ گھر چھوڑ آئیں''۔

چنانچہ انہوں نے مجھے''سوری پل''زیارت کے پاس موٹر کار سے اتار دیا اور کہا ہم کل صبح سات بجے تمہیں اسی پل پر لینے آئیں گے۔

اگلی صبح ٹھیک سات بجے میں اسی سوری پل پر پہنچ گیا مگر موٹر کار موجود نہ تھی میں انتظار کرنے بیٹھ گیا تقریباپونے آٹھ بجے یہ سارے لوگ پہنچ گئے۔اور سراج بھی ساتھ تھا۔اس وقت بدرے مسلح

باکلاشنکوف، فقیر گل مسلح با ۳۰ بور پستول اور شیر گل مسلح با ۳۲ بور تھا۔ جبکہ میرے پاس بھی ۳۲ بور پستول تھا۔ جس کا ایک مرتبہ قاضی جہاں زیب سے تبادلہ کیا تھا اس نے ۳۰ بور لے لیا تھا مگر وقوعہ سے ایک روز قبل اسے چیک کیا تو وہ ٹھیک نہیں تھا۔ ہم دھوکہ نہیں کھانا چاہتے تھے اس لئے قاضی جہانزیب کو ۳۰ بور واپس کر کے ۳۲ بور پھر لے لیا۔

میں نے بدرے سے پوچھا کہ وہ فلورمل والی ڈکیتی کا کیا بنا؟ تو اس نے بتایا کہ وہ ناکام ہو گئی ہے۔ اور ابھی تک وہ مولوی بھی نہیں آیا۔ ہم موضع ''شبقدر'' پہنچے جہاں رحمان ولد ملک شہزادہ کے ڈیرہ پر گئے وہاں چائے پی جبکہ سراج پہلے کہیں اتر گیا تھا۔ تھوڑی دیر انتظار کرنے کے بعد ملک رحمان بھی پہنچ گیا۔ علیک سلیک کے بعد بدرے اور فقیر گل اس کے ساتھ علیحدہ کمرے میں چلے گئے اور اس نے چائے کا آرڈر دے دیا۔ فقیر گل، ملک رحمان کمرہ سے باہر آئے۔ یہ ملاقات ایک گھنٹے تک رہی۔ ہم وہاں سے ''پچگلی'' روانہ ہوئے۔ ''پچگلی'' گاؤں ایک شخص کے ڈیرے پر پہنچے جس کی نشاندہی میں کر سکتا ہوں۔ وہ شخص ہمیں اچھے طریقے سے ملا اور رات بدرے سے گرم جوشی سے ہاتھ ملایا۔ غالباً بدرے کا دوست لگتا تھا۔ وہیں ہم نے رات گزاری اس شخص نے رات کو ہمارے لئے مرغ پکایا اور تواضع کی۔ اس شخص کا نام مجھے یاد نہیں البتہ یہاں بیٹھے ہوئے ایک شخص نے بدرے سے پوچھا تھا کہ یہ گاڑی جس پر تم پھر رہے ہو فلاں میجر کی ہے ناں۔۔۔؟ مگر بدرے نے جواب دیا کہ یہ گاڑی میجر کی نہیں ہے ہم نے اس کی نمبر پلیٹ تبدیل کی ہوئی ہے اصل نمبر پلیٹ قاضی جہانزیب کے گھر پڑی ہوئی ہے۔

ہم نے یہاں رات گزاری اور صبح سویرے تقریباً سات آٹھ بجے پشاور روانہ ہوئے۔ کوہاٹ روڈ پر واقع اسی پٹرول پمپ پر پہنچے۔

کھانا کھانے کے بعد مدرسہ کے قریب پہنچے، گاڑی سڑک پر کھڑی کی فقیر گل اور میں مدرسہ میں چلے گئے جبکہ مدرسہ کے چوکیدار عبداللہ سے ملاقات ہوئی وہ برآمدے میں بیٹھا ہوا تھا میں نے باتوں باتوں میں اسے اپنا تعارف یوں کرایا کہ ''میں بڑھئی ہوں اور مستری کا کام خوب جانتا ہوں لہذا مدرسہ میں اگر مستری کی ضرورت ہو تو میں مزدوری کرنے کا خواہش مند ہوں''۔ مگر عبداللہ نے جواب

دیا کہ یہاں مستری پہلے سے کام کر رہے ہیں۔ پھر ہم نے مولانا صاحب کا پوچھا کہ وہ کہاں ہیں۔۔۔؟ تو عبداللہ نے ٹالتے ہوئے جواب دیا وہ پاراچنار گئے ہوئے ہیں پھر فقیر گل نے استفسار کیا کہ وہ کب آئیں گے؟ تو بتایا کہ وہ چار پانچ روز تک واپس آجائیں گے۔ ہم مدرسہ کا جائزہ لے کر واپس اپنی موٹر کے پاس آگئے جہاں بدرے اور شیر گل ہمارے منتظر تھے۔ انہیں صورت حال سے آگاہ کیا اور واپس پچگلی روانہ ہوگئے۔ ہم موٹر کار میں جارہے تھے کہ پشاور ڈ بگری بازار میں ایک عورت نے شیر گل کو اشارہ کیا جسے شیر گل نے تو نہیں دیکھا البتہ بدرے نے شیر گل کو اشارہ کر کے بتادیا۔ شیر گل نے موٹر کار کھڑی کی، دونوں اس عورت کے پاس چلے گئے جہاں دس پندرہ منٹ انہوں نے باتیں کیں پھر ہم وہاں سے روانہ ہوگئے البتہ راستے میں خیال آیا کہ یہ عورت ان کی دوست ہے یا اسی سازش کا کوئی حصہ۔۔۔؟ بہر حال چارسدہ روڈ پر شیر گل نے نہر کے ساتھ گاڑی کھڑی کی۔ مجھے اور فقیر گل کو یہاں اتار دیا جبکہ وہ اور بدرے کہیں چلے گئے۔ اور یوں فقیر گل اور میں نہر کے قریب ہوٹل میں چائے پینے اور شیر گل اور بدرے کا انتظار کرنے بیٹھ گئے۔

تقریباً دو گھنٹے بعد شیر گل اور بدرے واپس آئے اور ہمیں ساتھ بٹھا کر پچگلی روانہ ہوئے۔ ہم عصر کے وقت پچگلی میں پھر اسی شخص کے پاس پہنچے جو بدرے کا دوست تھا۔ رات دوبارہ اسی کے ڈیرہ پر گزاری، کھانا بھی اس کے ہاں کھایا مگر یہاں بیٹھے بیٹھے بدرے کے اس دوست نے بدرے کو باتوں باتوں میں کہہ دیا کہ ایسا کام نہ کرو۔ میں بات سمجھ گیا تو میں نے بھی اس شخص کو اپنے ارادہ سے آگاہ کیا اس نے واضح طور پر ہمیں باز رہنے کی تلقین کی۔ اس شخص کا نام مجھے یاد نہیں آرہا البتہ وہ جگہ اور شکل کی شناخت کر سکتا ہوں۔

جمیل اللہ بات کو جاری رکھتے ہوئے کہتا ہے کہ صبح سویرے ہم نے اسی ڈیرہ پر چائے پی اور پراٹھے سے ناشتہ کیا اور پھر پشاور روانہ ہوگئے۔ ڈ بگری میں بدرے ہمیں اپنے دوست کے پاس لے گیا جہاں ہم نے چائے پی تقریباً ایک گھنٹہ گپ شب کے بعد روانہ ہوئے تو ٹرک پر دو پولیس والے دکھائی دیئے۔ بدرے نے گاڑی رکوائی اور ان کے پاس گیا اور ان سے ۱۰۰ روپے لئے جس میں سے ۵۰ روپے کا ہم نے گاڑی میں پٹرول ڈلوایا۔

ہم چگلی روڈ پر روانہ ہوئے تو راستے میں بدرے نے کہا کہ قریبی گاؤں میں اس کی بہن بیمار ہے لہذا اس کی مزاج پرسی کر لی جائے۔ وہاں پہنچ کر معلوم ہوا کہ اس گاؤں کا نام ''خوش مقام'' ہے ہم وہاں ایک حجرہ میں بیٹھ گئے جہاں ایک بوڑھا شخص پہلے سے بیٹھا ہوا تھا۔ بدرے اپنی بہن کے گھر چلا گیا اور ہم نے رات کا کھانا وہیں کھایا۔ ارادہ تھا کہ رات یہاں بسر کریں مگر پھر مشورہ کیا گیا تو فیصلہ ہوا کہ یہاں نہیں ٹھہرنا چاہیے۔ رات کے ۱۰ بجے ہم یہاں سے بذریعہ موٹر کار روانہ ہو کر دوسرے گاؤں منتقل ہو گئے۔ یہ گوجروں کا گاؤں تھا جس کی نشاندہی کر سکتا ہوں۔ غالباً یہ لوگ بدرے کے رشتہ دار تھے یہاں ہم نے رات کو آرام کرنے کا فیصلہ کیا۔

صبح آٹھ بجے ہم نے چائے پی اور پشاور روانہ ہوئے اور راستہ میں طے پایا کہ کام کو جلدی مکمل کریں وگرنہ سراج ناراض ہو جائے گا۔ ہم ایکبار پھر بدرے کے دوست رحمٰن کے ہاں پہنچے جو ڈیرہ پر موجود نہیں تھا۔ البتہ وہاں پر موجود دو چار افراد نے ہمیں اچھی نظر سے نہ دیکھا۔ ہم فوراً سمجھ گئے کہ انہیں ہمارا آنا ناگوار گزرا ہے۔ لہذا ہم وہاں سے روانہ ہو کر ایک درزی کی دوکان پر پہنچے اس کے ساتھ کافی وقت گزارا اور دوپہر کا کھانا بھی وہیں کھایا۔ اسی دوران بدرے غائب ہو گیا اور بتلایا کہ وہ رقم کا بندوبست کرنے جا رہا ہے۔

دن کے ساڑھے تین بج چکے تھے، ہم بیٹھے ہی تھے کہ سراج جس کے ساتھ صرف ایک ڈرائیور تھا جسے پشتو نہیں آتی تھی غالبا پنجابی تھا جسے دیکھنے پر پہچان سکتا ہوں۔ سوزوکی کار نمبر ۹۷۰۰ پر وہیں آ گئے۔

یہاں سراج نے شیر گل اور فقیر گل سے کچھ باتیں کیں اور پھر اسی پنجابی ڈرائیور کے ساتھ موٹر کار میں واپس چلا گیا۔ اس کے جانے کے بعد بدرے نے بتایا کہ یہ پنجابی اس راولپنڈی والے افسر کا ڈرائیور ہے جو یہ سارا کام کروا رہا ہے۔

شیر گل، فقیر گل اور میں سراج والی موٹر کار میں بیٹھ کر چگی کی طرف روانہ ہو گئے۔ تقریبا عصر کے وقت اڈہ چارسدہ کے آگے جب ایک ورکشاپ کے قریب پہنچے تو اسی اثناء میں سراج اور بدرے آ گئے۔ جو کہ موٹر کی بیٹری خریدنے گئے تھے۔ سراج نے ہمیں ہدایت کی کہ آج شام فلاں

مستری سے موٹر گاڑی اچھی طرح ٹھیک کرالو تا کہ کہیں یہ دھوکا نہ دے جائے۔لہٰذا ہم شام کے وقت گاڑی لے کر واپڈا کوارٹر سراج کے دوست کے پاس گئے۔ ہم نے رات وہاں گزاری۔ اگلے روز متعلقہ شخص حجرے پر موجود نہ تھا۔ پھر ہم سراج کے دوسرے دوست کے پاس پہنچے اور اس کی ورکشاپ میں گاڑی کھڑی کی۔

رات کو ایک ملازم کے ساتھ رکشہ میں بیٹھ کر اس شخص کے گھر گئے لیکن وہ شخص موجود نہ تھا چنانچہ اسی رکشہ کے ذریعہ ہم موٹر کار کے پاس آئے اور یہاں سے موضع ''ادیزئی'' کے قریب لال نامی ایک شخص جو چیرمین ہے کے حجرہ (ڈیرہ) پر چلے گئے یہاں پولیس کے کافی افراد موجود تھے سراج نے پولیس والوں سے خوب گپ شپ لگائی اور ایک تھانیدار کے ساتھ تو گپ شپ میں گالی گلوچ تک میں بات کی تو میں سمجھ گیا کہ واقعی سراج تعلق رکھنے والا شخص ہے۔

ہم نے رات کا کھانا بھی لال نامی شخص کے پاس کھایا۔رات بارہ بجے گپ شپ لگاتے سو گئے۔صبح ناشتہ کیا اور سیدھا مستری کے پاس پشاور پہنچے۔موٹر مستری کے حوالے کر دی۔تین چار گھنٹے میں مستری نے ہمیں فارغ کر دیا۔موٹر ٹھیک ہوئی تو ہم سراج کے گاؤں ترلاندی پہنچ گئے۔ جہاں چائے پی اور پھر قاضی جہانزیب کے پاس نوشہرہ جانے کا پروگرام بنایا۔شام کے وقت قاضی کے گھر پہنچے اور رات کا کھانا بھی وہیں کھایا۔سراج بدرے اور قاضی دیر تک علیحدہ باتیں کرتے رہے جبکہ ہم رات گئے تک ٹی وی دیکھتے رہے۔ مجھے نہیں معلوم کہ تنہائی میں سراج، بدرے اور قاضی کے درمیان کیا باتیں ہوئیں۔

صبح ہوئی، ناشتہ کیا اور قاضی جہانزیب نے دس عدد انگریزی ساخت کے ۳۲ بور کارتوس سراج کے حوالے کئے جو سراج نے مجھے آٹو میٹک پستول کے ساتھ دیئے تھے پھر دس بجے کے قریب ہم نوشہرہ سے روانہ ہوئے اور سیدھا موضع ''جھگڑا'' آ گئے جہاں سراج کے ایک دوست جس کی نشاندہی کر سکتا ہوں کے پاس وقت گزارا اور دوپہر کا کھانا بھی وہیں کھایا۔

کھانے سے فارغ ہوئے تو سراج نے پشاور روانہ ہونے کا اشارہ کیا اور ہدایت کی کہ کام جلدی کرو کیونکہ اوپر والے لوگ بے چین ہیں۔ہم چار افراد فقیر گل، بدرے، شیر گل اور میں پشاور روانہ

ہوئے جبکہ سراج وہیں رہ گیا۔تھوڑی دیر بعد ہم مدرسہ کے قریب پہنچ گئے موٹر کار مدرسہ کے ساتھ نہر کے کنارے روڈ پر کھڑی کی۔ بدرے اور شیر گل کو موٹر کے پاس رکنے کا فیصلہ کیا جبکہ میں اور فقیر گل مدرسہ کی طرف بڑھے۔ مدرسہ سے چند قدم کے فاصلے پر فقیر گل نے مجھے ٹھہرنے کا حکم دیا۔ جبکہ خود مدرسہ میں چلا گیا۔ جاتے ہوئے فقیر گل نے اپنی جیب سے چند کاغذات نکالے اور میرے سپرد کرتے ہوئے کہا انہیں سنبھال کر رکھنا مجھے خوف ہے کہیں اس مرتبہ مدرسہ کے افراد مجھے پکڑ نہ لیں۔ فقیر گل مدرسہ گیا اور میں نے کاغذات کا جائزہ لینا شروع کر دیا۔ ایک کاغذ پر موٹر کار جھنگ ۹۷۰۰ اور راولپنڈی کا فون نمبر ۸۵۲۵۲۵ لکھا ہوا دکھائی دیا۔ چونکہ مجھے باتوں باتوں میں علم ہو چکا تھا کہ یہ موٹر کار اور فون نمبر اس شخص کا ہے جو مولوی صاحب کو قتل کروانا چاہتا ہے لہذا جلدی سے میں نے یہ دونوں نمبر نوٹ کر لیے اور پھر فقیر گل کا انتظار کرنے بیٹھ گیا۔

کچھ دیر بعد فقیر گل واپس لوٹا تو اس کے چہرے پر خوشی کے آثار تھے اس نے بتایا کہ مولوی صاحب آ چکا ہے اور اس سے ملاقات بھی کر لی ہے اور دو عدد خط بھی وصول کیے ہیں جو انہوں نے پارا چنار کے ایک مولوی صاحب کے نام دیئے ہیں۔ فقیر گل نے مزید بتایا کہ مولوی صاحب اس سے پوچھ رہے تھے کہ وہ پہلے والا خط کہاں ہے؟ تو فقیر گل نے بتایا کہ وہ جیب سے کہیں گر گیا ہے۔ جب یہ ساری باتیں فقیر گل نے جھگڑہ میں جا کر سراج کو بتائیں تو سراج مجھ پر کافی غصے ہوا اور برا بھلا کہنے لگا کہ تم نے مولوی کو قتل کیوں نہیں کیا لہذا اب ہر حال میں صبح قتل کر کے آنا ہے۔

رات کو کچھ منصوبہ بندی ہوئی کہ جمیل اللہ قتل کرے گا۔ رات مختلف خیالات میں اور سوچوں میں گزر گئی۔ نہ جانے کب نیند آئی۔ اذان کا وقت تھا کہ سراج نے ہمیں جگا دیا۔ ہم نے منہ ہاتھ دھوئے اور مدرسہ کی طرف روانہ ہو گئے۔ اس وقت مسجدوں سے اذانوں اور سلام کی آوازیں آ رہی تھیں۔ ہم مدرسہ کے قریب والی نہر پر پہنچے تو اندھیرا کچھ ہلکا ہو چکا تھا۔ ہم نے حسب معمول اپنی گاڑی سڑک پر کھڑی کی اور اس کا منہ مغرب کی طرف کر دیا تا کہ فرار ہونے میں کوئی رکاوٹ پیش نہ آئے۔

سراج، فقیر گل اور شیر گل موٹر میں رہے جبکہ بدرے اور میں قتل کرنے کی نیت سے مدرسہ کی جانب بڑھے۔ ہم آہستہ آہستہ بغیر کسی رکاوٹ کے ائیر کنڈیشنڈ کمرے کے دروازے پر پہنچ گئے جہاں

مولانا صاحب کی موجودگی کا بتایا جاتا تھا۔ کمرے میں روشنی تھی میں نے جھانکا تو مولانا موجود نہ تھے۔ میں نے بدرے سے کہا کہ مولانا صاحب موجود نہیں ہے کیونکہ میں نے مولانا صاحب کو دیکھا بھی نہیں تھا البتہ فقیر گل جو بار بار مل چکا تھا نے مجھے حلیہ بتایا تھا۔

تقریباً صبح پانچ بج چکے تھے میں انہیں سوچوں میں گم تھا کہ مولانا کون اور کیسے ہیں کہ قریب کی سیڑھیوں سے کسی کے اترنے کی آواز آئی میں اور بدرے نے جلدی سے مُڑ کر دیکھا تو ایک مولانا نیچے اتر رہے تھے۔ بدرے نے مجھے اشارہ کیا تو میں نے چند فٹ کے فاصلے سے فائر کر دیا جو انہیں سینہ میں لگ گیا میں دوسرا فائر بھی کرنا چاہتا تھا مگر میرا ہاتھ مجھے شل محسوس ہوا جس کے بعد بدرے مدرسہ کے برآمدے اور میں صحن کے راستہ فرار ہوا۔ چونکہ میرا ایک پاؤں پہلے حادثہ میں مفلوج تھا اسلئے مجھے دوڑنے میں دشواری پیش آئی مگر میں موٹر کے قریب پہنچا جب کہ ایک دو بار راستہ میں بھی گر گیا مگر سراج اور شیر گل نے مجھے آگے بڑھ کر تھاما اور موٹر میں ڈال دیا۔ موٹر پہلے ہی اسٹارٹ تھی ہم نے جلدی سے گیٹ بند کئے اور تیزی سے جی ٹی روڈ پر نکل آئے۔ شیر گل نے تیزی سے موٹر چلانا شروع کی تو گھبراہٹ کی وجہ سے اس سے بھی گاڑی بے قابو ہونے لگی جسے سراج نے حوصلہ دیتے ہوئے کہا کہ وہ جائے وقوعہ سے کافی دور نکل آئے ہیں لہذا گھبرانے کی ضرورت نہیں اور دوسرا اس قتل کے پیچھے حکومت کا ہاتھ ہے آپ تمام لوگ بے فکر رہیں۔

سوری پل عبور کر کے چار سدہ روڈ پر شیر گل نے گاڑی کھڑی کی اور نیچے اتر کر نمبر پلیٹ کے نمبر ۹۰۵۰ کے آخری ہندسہ صفر سے کاغذ اتار دیا۔ پھر ہم سراج کے سسرال کے گاؤں ''ہری چند'' روانہ ہو گئے۔ تقریباً سات بجے صبح سراج کے سسرال پہنچ گئے۔ وہاں چائے پی لمحہ بہ لمحہ میری طبعیت بگڑتی گئی میں چادر تان کر تھوڑی دیر کے لئے سو گیا۔ تقریباً دس بجے آنکھ کھلی تو ان تمام لوگوں کو خوش پایا۔ پھر خود بھی ریڈیو کی خبروں میں مولانا کے قتل کی خبر سنی تو مجھے بے حد دکھ ہوا کہ مجھ بد بخت سے ایک عالم دین قتل ہو گیا ہے پھر انکی شخصیت کا اس وقت اندازہ ہوا جب صدر پاکستان اور دیگر تمام سرکاری عہدیدار اور ملک کی نامور شخصیات نے گہرے رنج و غم کا اظہار کیا۔ میں نے دل میں سوچا کہ سراج تو مجھ سے کہتا تھا کہ عام سا مولوی ہے۔ یہ تو بہت بڑی شخصیت تھا۔

وقت گزر رہا تھا مگر نہ جانے میرا دل کیوں پستا جا رہا تھا۔ مجھے انعام اکرام سب کچھ بھول رہے تھے۔شاید میری کیفیت دیکھ کر شام چار بجے سراج نے مجھے ایک سو روپے دیتے ہوئے رخصت کیا کہ یہ تمہارا کرایہ ہے جلدی سے گھر بھاگ جاؤ باقی رقم حسب وعدہ مل جائے گی۔

میں کڑھتے دل کے ساتھ اپنے گاوں خویشگی پایان پہنچا۔ گھر پہنچتے ہی میں بے اختیار رونے لگا۔ بیوی نے حال پوچھا تو بے ساختہ ساری داستان سنا دی۔ میرے ساتھ میری بیوی بھی رونے لگی اور مجھے بے حد برا بھلا کہنے لگی۔ ہم میاں بیوی دیر تک روتے رہے پھر میرے سسر آ گئے۔ میں نے انہیں بھی صورتحال سے آگاہ کیا تو انہوں نے بے حد برا منایا اور کہنے لگے کہ ''تم نے ایک ولی کو قتل کیا ہے تمہارا انجام عبرتناک ہوگا۔ دیکھو تو سہی کہ پورا پشاور اس کے مریدوں سے بھر چکا ہے''۔

میں نے مولانا صاحب کے جنازے کے حالات بھی سنے تو پھر احساس نے مزید رلایا کہ واقعاً یہ کوئی ولی تھا۔ بلکہ آج تک بھی خواب دیکھتا ہوں یا اپنے ساتھ گزرنے والے لمحات کا جائزہ لیتا ہوں تو مجھے احساس ہوتا ہے کہ ''مجھ سے وقت کا کوئی پیغمبر قتل ہو گیا ہے''۔

اس حادثہ کے تقریباً دس گیارہ دن بعد جب میں بستر بیماری پر عجیب کیفیت میں تھا تو سراج کا لڑکا المعروف میجر اور اس کا بھتیجا جس کا مجھے نام یاد نہیں میرے پاس آئے اور مبلغ پچیس ہزار کی رقم دیتے ہوئے سراج کا یہ پیغام دیا کہ تم جلد از جلد گلگت چلے جاؤ ورنہ تمہارا انجام اچھا نہیں ہوگا۔ میں نے پچیس ہزار میں سے گاؤں کے دکانداروں کے قرض اتارے۔

(قارئین) جمیل اللہ کے گاؤں کے دکانداروں کے روزنامچوں کے ریکارڈ کے مطابق جن میں جمیل اللہ اور اس کے بیٹے سردار اللہ کے نام کے کھاتے درج ہیں جو بالترتیب ۴۲۴، ۲۶۰ اور ۳۸۶ روپے بنتے تھے۔ اگست ۱۹۸۸ء کو ادا کئے گئے) سات سو اور چھ سو دو دو کانداروں کو بطور قرض دیئے۔ اکاون سو (۵۱۰۰) روپے پولیس نے میرے قبضہ سے برآمد کئے جبکہ گیارہ ہزار میرے گھر میں پڑے ہیں بقیہ رقم کا میں نے اپنے بیٹے سردار اللہ کی شادی کے لئے کچھ سامان خریدا ہے۔

جمیل اللہ نے مزید انکشاف کرتے ہوئے یہ بھی واضح کیا کہ آج سے چھ سات دن قبل سراج نے میرے گھر کے باہر فائرنگ بھی کرائی اور بعض افراد کے ذریعے ڈرانے دھمکانے کی کوشش

بھی کی کہ میں گلگت چلا جاؤں مگر میں دلی طور پر سراج سے اس قدر متنفر ہو چکا تھا کہ ایک دن اس کے سسرال گیا صرف اس نیت سے کہ یا سراج کو قتل کر ڈالوں یا وہ مجھے قتل کر دے۔ کیونکہ مجھے زندگی موت سے بدتر محسوس ہو رہی تھی۔ مجھے یہ اطلاع بھی مل چکی تھی کہ سراج میرے گاؤں میں میرے قتل کے لئے بھی کئی بار آ چکا ہے۔ یہ اطلاع مجھے نذیر گڈریا نے دی تھی لہذا میں اس کے تعاقب کے لئے ہری چند گیا۔ جہاں اس کے سالے نے مجھے صورت حال سے آگاہ کیا پولیس سراج کی تلاش میں ہے۔ لہذا تم یہاں سے جتنی جلدی ممکن ہو بھاگ جاؤ۔ میں اس کی تلاش میں شبقدر بھی گیا مگر ناکام لوٹا۔ ان دنوں سراج کے بارے میں سوچ رہا تھا کہ پولیس نے مجھے گاؤں سے گرفتار کر لیا۔

☆☆☆☆☆

قاتلوں کے باہمی تعلقات

ایک اور سوال جو ہر ذی شعور کے ذہن پر دستک دیتا ہے کہ اتنی بڑی شخصیت کا قتل بغیر کسی رکاوٹ کے کیسے ہوا اور قاتلوں کا گٹھ جوڑ کیسے عمل میں آیا۔۔؟لہذا پہلے قاتلوں کے گروپ کی تشکیل کے مراحل کا جائزہ لینا ہوگا کہ آیا قاتلوں کا گروہ اچانک تشکیل پایا یا کہ یہ پہلے سے مربوط تھا؟ خاصی جستجو کے بعد معلوم ہوا کہ سازشی ٹولے اور قاتلوں کا گروہ کا تعلق کچھ یوں ہے۔

(۱) سراج اور فقیر گل:۔

سراج اور فقیر گل پرانے ساتھی اور ایک ہی علاقہ کے رہائشی ہیں۔سراج اپنے والد شیر دل کے قتل کا بدلہ لینے سبز علی نامی شخص کے قتل کے بعد پشاور جیل میں زیر دفعہ PPC۳۰۲ تھا کہ انہی دنوں فقیر گل زیر دفعہ ۴۸۹ ج جیل میں آیا اور جرائم کے حوالے سے انکی دوستی نے یہیں سے نیا رخ لیا۔

(۲) سراج اور بدرے:۔

یہ دونوں ایک ہی گاؤں ترلاندی کے سکونتی اور پڑوسی ہیں بدرے بھی ایک جرائم پیشہ نوجوان ہے جبکہ سراج ایک بدنام اجرتی قاتل اور اثر رسوخ رکھنے والا انسان ہے۔ہمسائیگی کی بدولت سراج بدرے کے جرائم کی پشت پناہی کرتا رہتا ہے اسی طرح سراج نے پہلے بھی ایک دو

مرتبہ ہاشم خان کے توسط سے اسے مختلف مقدمات سے بری کروایا تھا۔

(۶) ہاشم خان و فضل حق:۔

سالہ بہنوئی۔۔۔۔فضل حق وزیر اعلیٰ سرحد اور ہاشم سینٹر تھا۔

(۷) ہاشم خان و فقیر گل:

فقیر گل کی والدہ عرصہ دراز تک ہاشم خان کے گھر نوکرانی رہی اور یوں یہ ایک دوسرے سے مربوط رہے۔

(۸) ماجد گیلانی:۔

صدارتی سیکورٹی کا اہم رکن، فضل حق کے لئے بڑے صاحب کا قاصد، امریکہ کی طرف سے سازش کے لئے مامور کیا جانے والا۔

☆☆☆☆☆

وعدہ معاف گواہ کے انکشافات

ماجد گیلانی نامی فوجی افسر ترلاندی گاؤں کے سراج نامی اجرتی قاتل سے حکومت سرحد کے خصوصی توسط سے ملا اور اپنا مدعا بیان کیا۔ ماجد نے متعدد ملاقاتوں میں سراج سے یقیناً بہت کچھ کہا۔ کہنے والے کو کم مگر ذہن میں نقش کرنے والے کو بہت کچھ یاد ہے۔ اس لیے کہ اسے عمل کرنا تھا۔ اب دیکھتے ہیں کہ ماجد گیلانی کے رازداں اور سرحد کے حکمرانوں کے آلہ کار سراج نے خود وعدہ معاف گواہ کی حیثیت سے عدالتوں میں کیا کہا؟ اپنی یاداشت کو تحریر میں لا کر ظلم کی اس داستان کو کیسے دہرایا؟

سراج کے انکشافات:۔

علامہ سید عارف حسین الحسینی کے قتل سے بیس پچیس روز قبل میں سودا سلف خریدنے کی غرض سے تحصیل بازار چارسدہ گیا ہوا تھا کہ وہیں میرا دوست فقیر گل مجھے ملا اور کہنے لگا کہ اسے تمہارے ساتھ ایک ضروری کام ہے اور وہ تمہارے لیے گاؤں ترلاندی آرہا تھا۔ میں نے کہا پھر چلو گاؤں ہی چلتے ہیں گپ شپ بھی ہوگی اور حالات پر تفصیلی بحث بھی۔

سودا سلف خریدنے کے بعد فقیر گل اور میں بذریعہ بس ترلاندی پہنچے مغرب کا وقت تھا ابھی میں گھر میں داخل نہیں ہوا تھا کہ میرے بھتیجے نے مجھے ایک رقعہ تھمایا جس پر درج تھا کہ کل صبح ہر حال میں ہاشم خان سے ملوں اور میں کل شام چھ بجے آپ کے ڈیرہ پر ضرور آؤں گا۔ مفہوم تو سمجھ میں آگیا مگر تحریر کنندہ کا نام درج نہ ہونے کے باعث پریشان ہوا۔ فقیر گل سے ذکر کیا کہ کل چھ بجے آنے

والا کون ہوسکتا ہے؟ فقیر گل نے کہا جو بھی ہوگا آجائے گا۔ پہلے ہاشم خان سے تو مل آؤ، چلو اچھا ہے مجھے بھی ملنا ہی تھا اور اسے اپنی بیوی کے تبادلہ کی درخواست پیش کرنا تھی۔ میں نے بھی حامی بھر لی۔ صبح ہوئی ہم نے ناشتہ کیا اور ہاشم خان کو ملنے اس کے گھر چار سدہ روانہ ہو گئے۔ ہم ہاشم خان کے حجرے (ڈیرے) پہنچے کچھ ملاقاتی پہلے بھی منتظر تھے ہم نے بھی اپنا پیغام بھجوا دیا۔

تھوڑی دیر بعد ہاشم خان گھر سے نکلا۔ برآمدہ میں بیٹھے ہوئے لوگوں سے علیک سلیک کی اور مجھے ایک کمرے میں آنے کے لئے اشارہ کیا۔ جب ہم کمرے میں بیٹھ گئے تو ہاشم خان نے آنے کی وجہ دریافت کی۔ میں نے اس خط کا حوالہ دیا جو کسی نے کل شام میرے گھر چھوڑا تھا۔ میری وجہ آمد جان کر ہاشم خان نے اسی کمرے میں سوئے ہوئے ایک آدمی کو جگایا اور باہر نکل جانے کو کہا۔ وہ شخص جلدی سے باہر نکل گیا تو ادھر ادھر دیکھ کر ہاشم نے مجھ سے گفتگو کا یوں آغاز کیا۔ ''سراج! کل والی چٹ ایک فوجی کپتان کی تحریر کردہ تھی وہ لالہ فضل حق کا خاص آدمی ہے اس کا کوئی اہم کام ہے جو تمہیں ہر حالت میں کرنا ہوگا'' پھر ہاشم خان مجھے ایک کمرے میں لے گیا جہاں سرخ رنگ کا ٹیلیفون پڑا تھا۔ انہوں نے اس فون کو ڈائل کیا وہ چاہتا تھا کہ فضل حق صاحب سے میری بات ہو سکے اور تصدیق بھی کہ فوجی کپتان ان کا خاص بندہ ہے مگر فون پر معلوم ہوا کہ جنرل صاحب موجود نہیں ہیں۔

ہم نے چائے وغیرہ پی پھر میں نے فقیر گل کی بیوی کی درخواست بھی ہاشم خان کو تھما دی۔ چونکہ دن ڈھل چکا تھا میں نے ہاشم خان سے اجازت طلب کی تا کہ چھ بجے شام فوجی کپتان کو مل سکوں۔ ہاشم خان نے اجازت دیتے ہوئے کہا کہ اب تم جاؤ اس سے ملو۔۔۔۔ اس کی بات سنو اور کل میرے پاس پھر آجاؤ۔ ہم نے خدا حافظ کہا اور واپس گاؤں چل پڑے۔ راستے میں بات زیر غور رہی کہ فوجی کپتان کو ہم سے کیا کام ہوسکتا ہے؟ اور پھر وہ بھی ایسا کام جو جنرل فضل حق اور ہاشم خان کا سفارش شدہ ہے خیر ہم گھر پہنچ گئے اور اس کا انتظار کرنے لگے۔

چند گھنٹے بعد ایک سوزوکی کار مجھے اپنے حجرے کی طرف بڑھتی دکھائی دی تو میں سمجھ گیا کہ وہی مہمان ہے۔ گاڑی رکی۔۔۔ ہم آگے بڑھے۔۔۔۔ وہ مہمان گاڑی سے نکلا اور ہم سے ملا۔ اسے پشتو نہیں آتی تھی اس نے اردو میں پوچھا کہ سراج کون ہے؟ مجھے اس سے ملنا ہے۔ میں نے کہا

جی سراج میرا نام ہے۔۔۔۔کیا کل آپ آئے تھے؟ تو اس مہمان نے مثبت میں جواب دیا اور اپنا نام یونس بتایا۔

میں نے اسے بٹھایا۔۔۔چائے پی۔۔۔۔باتیں ہوئیں۔۔۔تو اس نے سب سے پہلے یہی پوچھا کہ ہاشم خان اور جنرل فضل حق صاحب سے ملے ہو تو میں نے جواب دیا ہاشم خان سے تو مل آیا ہوں البتہ جنرل صاحب سے ملاقات نہیں ہوسکی کیونکہ ہاشم خان نے فون پر پتہ کیا تو وہ پشاور میں موجود نہ تھے۔وہ میری بات سن کر کافی مطمئن ہوا اور تعریفی کلمات بھی کہے پھر اپنی جیب سے شناختی کارڈ نکال کر مجھے دکھایا جس پر وردی والی تصویر لگی ہوئی تھی اور نام ماجد رضا گیلانی تحریر تھا۔میں نے پہلے بتائے گئے نام یونس اور لکھے گئے نام ماجد کا پوچھا تو وہ خاموش رہا البتہ مجھے اشارہ کیا کہ علیحدگی میں بات کرنا ہے۔میں نے کہا جو کچھ بھی کہنا ہے ادھر ہی کہیں پھر اس نے فقیر گل کی طرف سوالیہ اشارہ کیا۔میں نے بتایا کہ یہ میرا بھائی ہے۔

یہ کپتان تھوڑی دیر چپ رہنے کے بعد بولا کہ وہ صدر مملکت جنرل ضیاء الحق صاحب کا آدمی ہے اور صدر موصوف کے ساتھ خاص ڈیوٹی پر مامور ہے اور وہ جنرل فضل حق اور ہاشم خان کی وساطت سے یہاں تک پہنچا ہے۔پوچھا کیا معاملہ ہے تو اس نے کہا بات راز کی ہے پہلے قرآن مجید لاؤ تا کہ دونوں حلف لیں پھر بات بتاؤں گا۔میں نے کہا کہ اتنی جلدی قرآن مجید لانے کی ضرورت نہیں اگر ایسی خفیہ اور اہم بات ہے تو میں پہلے جنرل صاحب سے مل لیتا ہوں جیسا حکم ہوگا۔میری بات سن کر کپتان راضی ہوگیا اشارتاً کہہ دیا کہ بس دو چار مولویوں کا صفایا کرنا تھا۔میں نے پوچھا ان بے چاروں کا گناہ کیا ہے؟ تو کپتان کہنے لگا انہوں نے ملک میں فسادات برپا کر رکھے ہیں۔

میں نے کہا جنرل صاحب سے مل کر بتاؤں گا تو اس نے کہا ٹھیک ہے۔تم جنرل صاحب سے ملو۔میں پھر تیسرے روز تک تمھارے پاس آؤں گا۔یہ کہہ کر کپتان چلا گیا۔ابھی ہم بیٹھے ہی تھے کہ بدرے اپنے کندے پر کلاشنکوف لٹکائے میرے حجرے پر آ گیا اور آتے ہی پوچھا ماما! گاڑی والا کون تھا۔۔۔۔۔۔کیا کرنے آیا تھا؟ میں نے جواب دیا دو چار مولویوں کو مروانے کے لئے آیا تھا تو بدرے نے کلاشنکوف کندھے سے اتارتے ہوئے کہا ''بیس مولوی قتل کردوں گا دو چار کیا ہیں''

میں نے بدرے کو خاموش کراتے ہوئے کہا چپ رہو بات پکی ہوگئی تو تمھیں اپنے گروپ میں شامل کرلیں گے۔

میں نے فقیر گل کو رخصت کیا اور اسے اگلی صبح تحصیل چوک چارسدہ میں ملنے کا کہا۔ اگلی صبح میں اور بدرے چارسدہ پہنچے میں نے بدرے کو فقیر گل کی طرف روانہ کیا کہ وہ ہاشم خان کے حجرہ پر آجائے۔ میں خود ہاشم خان کے حجرے پر پہنچا تو فقیر گل پہلے سے موجود تھا۔

ہماری اطلاع پا کر ہاشم خان گھر سے نکل آیا اور یہ کہہ کر ایک کمرے میں چلا گیا کہ وہ فضل الالہ سے بات کرلے۔ اس نے جنرل صاحب کو فون کیا باہر نکلا تو ہمیں اشارہ کیا کہ تیار ہو جاؤ پشاور چلنا ہے۔ ہاشم خان نے گاڑی نکالی میں اور ہاشم خان آگے جبکہ فقیر گل اور ہاشم خان کا گن مین پیچھے بیٹھ گئے۔ راستہ میں باتوں باتوں میں ہاشم خان نے مجھے کہا کپتان کا کام کرو اور بے خوف وخطر رہو تمہیں انتظامیہ یا پولیس کچھ بھی نہیں کہے گی اور اب تمہیں لالہ فضل حق سے ملوانے جارہا ہوں۔

ہم فرنٹیر ہاؤس پشاور پہنچے گاڑی باہر کھڑی کی اور ہاشم خان اکیلا جنرل صاحب سے ملنے اندر چلا گیا جبکہ ہم گاڑی میں بیٹھے رہے۔ تقریباً آدھ گھنٹہ بعد ہاشم خان واپس آیا اور مجھے کہا فضل حق کہہ رہے ہیں کہ کپتان کا کام کرو اور میں تمھیں ''بریٰ چارسدہ'' میں ملوں گا کیونکہ یہاں گورنر ہاوس میں ملنا مناسب نہیں ہے۔ ہاشم خان یہیں رہ گیا جبکہ ہم چارسدہ روانہ ہوگئے جب ہم چارسدہ پہنچے تو بدرے تحصیل چوک پر بیٹھا ہوا تھا۔ یہیں فقیر گل اپنے گاؤں پڑانگ چلا گیا جبکہ میں اور بدرے واپس اپنے گاؤں ترالاندی آگئے۔

حسب وعدہ تیسرے روز فوجی کپتان شام کو آگیا جبکہ فقیر گل بھی آچکا تھا لہٰذا ہم تین افراد بدرے، فقیر گل اور میں اسے ملے۔ چائے پلائی تو اس نے پھر وہی پوچھا کہ جنرل صاحب سے مل آئے ہو۔ میں نے مثبت میں جواب دیا تو وہ بے حد خوش ہوا اور کہنے لگا اب تو قرآن مجید لے آؤ۔ میں اپنے گھر سے قرآن مجید لایا اور ہاتھ رکھ کر کہا کہ دھوکا نہیں کروں گا اور راز اپنے تک محدود رکھوں گا۔

ماجد مطمئن ہوا تو کہنے لگا یہ تین چار شیعہ مولوی ہیں جو ملک میں شیعہ، سنی فسادات پھیلا

رہے ہیں امریکہ جو پاکستان کا دوست ہے اس کے خلاف پروپیگنڈہ کرتے ہیں جس کی وجہ سے ہمارے ملک پر بُرا اثر پڑ رہا ہے۔ اگر تم لوگوں نے ان تیں مولویوں کو قتل کر دیا تو تمہیں دس لاکھ بطور انعام بھی ملیں گے جو تم تین آدمیوں کے ہوں گے باقی ہماری رقم بیرون ملک سے آئے گی۔ لہذا پہلے پشاور کے ایک مولوی عارف حسین الحسینیؒ کو قتل کرنا ہے جس کا معاوضہ تین لاکھ روپے ہے۔ انعام کا سن کر بدرے اور فقیر گل نے کہا کہ ہمیں اس قتل کا پانچ لاکھ چاہئے۔ آخر بات ساڑے چار لاکھ پر طے ہوئی۔

ماجد نے ہمیں گاڑی میں بٹھایا اور مدرسہ عارف حسین الحسینی جی ٹی روڈ پشاور کے سامنے گاڑی کھڑی کر کے محل وقوع سمجھایا اور پھر ہم نوشہرہ چلے گئے۔ راستہ میں ماجد نے مجھ سے پوچھا آپ کو اس کام کے لئے موٹر کار کی بھی ضرورت پڑے گی تو ہم نے جواب دیا بہت ضروری ہے۔ لہٰذا اس نے چوتھے دن پچاس ہزار روپیہ پہچانے کا وعدہ کیا اور ہمیں نوشہرہ اتار کر خود اسلام آباد چلا گیا۔

ہم واپس اپنے گاؤں آئے اور فقیر گل و بدرے کو مولوی کی تلاش کا کام سونپ دیا۔ کہ وہ انہیں ملیں اور مدرسہ کے محل وقوع کا جائزہ لیں۔ اب میرے دل میں خیال آیا کہ اپنے پرانے ساتھی شیر گل ڈرائیور کی خدمات حاصل کروں ایک تو وہ گاڑی اچھی سی خرید کر دے گا دوئم وہ ہمارے ساتھ گاڑی چلانے اور منصوبہ کو انجام تک پہنچانے میں مددگار ثابت ہوگا۔

اگلی صبح میں اور بدرے تحصیل چوک چارسدہ آئے جہاں فقیر گل پہلے سے ہمارا انتظار کر رہا تھا ہم تینوں ''رجڑ'' گئے اور وہاں تیل ڈپو پر شیر گل سکنہ عمرزئی سے ملے۔ اسے میں نے علیحدگی میں لے جا کر پروگرام سے آگاہ کیا اور گاڑی خریدنے کے لیے مدد چاہی اس نے دوکان بند کی اور ہم چاروں افراد پشاور روانہ ہو گئے۔ پشاور پہنچتے ہی بدرے اور فقیر گل سے کہا کہ تم دونوں جاؤ اور مدرسہ و مولوی کا جائزہ لو۔ وہ مولوی کی تلاش میں چلے گئے اور ہم نے موٹر سنٹرز دیکھنا شروع کر دیئے۔ چونکہ ہماری جیب میں پیسے نہیں تھے اس لیے ہمیں ادھار پر گاڑی دینے کے لئے کوئی بھی رضا مند نہیں تھا۔ آخر ایک موٹر کار ہم نے پسند کر لی مگر رقم کے نہ ہونے کے باعث واپس لوٹ آئے اور حسب وعدہ جی ٹی ایس اڈہ پر سارے احباب اکھٹے ہو گئے۔

فقیر گل نے بتایا کہ وہ مولوی سے مل آئے ہیں اور ان سے پاراچنار کے ایک اور مولوی کے نام خط بھی وصول کیا ہے۔ میں نے فقیر گل سے خط لیا اور واپس ترلاندی گاؤں چلے گئے اور کپتان کا انتظار کرنے لگے۔ آخر ٹھیک چوتھے روز کپتان پہنچ گیا اس نے مجھے علیحدگی میں ڈالر دیتے ہوئے کہا یہ پچاس ہزار ڈالر ہیں میں نے کہا صاحب ہمیں پاکستانی رقم چاہیے۔ ہم ان کو نہیں جانتے تو اس نے اپنی جیب میں ڈالتے ہوئے کہا کہ چلو پھر کل تم پاکستانی نوٹ لینا۔

دوسری شام تقریباً چھ بجے ماجد پچاس ہزار پاکستانی نوٹ لایا اور میرے حوالے کرتے ہوئے کہا کام جلدی کریں میں نے اسے مولوی صاحب کا رقعہ بھی دے دیا جو فقیر گل نے مجھے دیا تھا۔ ماجد نے خوشی خوشی میرا کندھا تھپکا اور کہا تم بڑے کام کے آدمی ہو۔ اس نے یہ رقعہ اپنی جیب میں ڈال دیا۔ اور پھر ملنے کا وعدہ کر کے چلا گیا مگر جب دوسری بار ملا اس نے تصدیق کی کہ واقعا یہ تحریر اسی مولانا کی ہے جسے قتل کرنا مقصود ہے۔

اگلی صبح ہم رقم اٹھائے پشاور پہنچے جہاں المدینہ بارگین سنٹر سے ہم نے ۲۹۰۰۰ روپے میں موٹر کار نمبر RPM۹۰۵۰ خریدی اور باقی رقم میں سے پانچ پانچ ہزار روپے اپنے ساتھیوں کو دیئے اور پانچ ہزار خود بھی رکھ لیے۔ ہم گاڑی پر اپنے گاؤں پہنچے تو ماجد پھر آ گیا گاڑی کی مبارکباد دی۔ تھوڑی دیر گپ شپ لگائی اور پھر مجھے اگلے روز راولپنڈی پہنچنے کو کہا اور یہ بھی بتایا کہ وہ جی ٹی ایس اڈہ راولپنڈی صدر مسجد گیٹ پر انتظار کرے گا تا کہ دو اور مولویوں کی نشاندہی ہو سکے۔

اگلے روز میں اور فقیر گل راولپنڈی پہنچے جہاں ہم نے کھانا کھایا اس ہوٹل کی نشاندہی کر سکتا ہوں پھر اکیس روپے میں کمرہ لیا اور آرام کرنے کے لئے لیٹ گئے۔ وقت کے مطابق ہم مسجد کے اس گیٹ پر پہنچے جس کی ماجد نے نشاندہی کی تھی۔ ٹھیک چھ بجے ماجد مسجد کے گیٹ پر پہنچ گیا اور بڑے پرتپاک انداز میں ملا اور مجھے گاڑی میں بٹھایا جبکہ فقیر گل کو وہیں رہنے کو کہا۔

ماجد مجھے گاڑی میں بٹھائے اسلام آباد لے گیا ایک سڑک سے گزرے ہوئے اس نے ایک بنگلے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا کہ یہ اس کا ہے۔ آخر ہم شاہ فیصل مسجد کے قریب ایک خوبصورت اور بہت بڑے بنگلے میں داخل ہو گئے۔ ماجد نے مجھے گاڑی میں بیٹھنے کو کہا اور خود اتر کر

اندر چلا گیا۔

چند لمحوں بعد ماجد ایک غیر ملکی جوڑے کے ساتھ برآمدہ میں نکلا اور باتیں کرنے لگا۔ میں گاڑی میں بیٹھا دیکھ رہا تھا کہ وقفے وقفے سے یہ تینوں میری طرف دیکھتے اشارہ کرتے اور پھر سر جھکا کر باتوں میں مصروف ہو جاتے تھے۔ آخر ماجد ان سے ہاتھ ملا کر جدا ہوا اور گاڑی میں واپس آیا تو مجھے بتانے لگا کہ یہ وہی لوگ ہیں جو مولویوں کو قتل کروا رہے ہیں اور یہی لوگ ہمیں رقم دیں گے اور آپ تمام لوگوں کو امریکہ کی سیر بھی کرائیں گے۔

ہم پھر راولپنڈی لوٹے اور مسجد کے دروازے پر پہنچے تو فقیر گل کو منتظر پایا۔ ماجد نے فقیر گل کو گاڑی میں بٹھایا اور ہمیں ٹرنک بازار راولپنڈی لے آیا جہاں سے ایک مکان کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا کہ یہاں بھی ایک مولوی رہتا ہے جس کا نام غالباً مولوی ساجد بتایا تھا اسے پشاور والے مولوی کے فوراً بعد قتل کرنا ہے جبکہ دو اور مولوی ملتان اور کوئٹہ میں ہیں۔

پھر ماجد فلائنگ کوچ کے اڈہ پر لایا ٹکٹ خرید کر دیئے اور ساتھ بنگلے اور دفتر کا فون نمبر بھی لکھ کر دیا اور تاکید کی کہ وہ کسی ایمرجنسی میں اسے فون کرے اور اپنا نام وحید بتائے اور یہی میرا کوڈ نام تھا۔

ہم تقریباً گیارہ بجے رات کو پشاور پہنچے رات فقیر گل کے رشتہ داروں کے ہاں گزاری اگلی صبح اپنے گاؤں پہنچے۔ ہم پشاور سے اپنے گاؤں براستہ نوشہرہ آتے جاتے تھے کیونکہ ہاشم خان نے منع کیا تھا کہ وہ چارسدہ کا راستہ استعمال نہ کریں۔ دوسری صبح پھر نوشہرہ پہنچے جہاں قاضی جہانزیب کے ہاں وقت گزارا اور پھر پشاور چلے گئے۔ فقیر گل نے مدرسہ سے مولوی صاحب کا پتہ کیا تو معلوم ہوا کہ وہ پارا چنار کسی رشتہ دار کی بیمار پرسی کے لئے گئے ہیں پھر ہم شیر گل کے رشتہ دار کے پٹرول پمپ پر چلے گئے وہاں چائے وغیرہ پی اور اپنے گاؤں کو روانہ ہو گئے۔

ہم اپنے گاؤں ترلاندی پہنچے تو ماجد کو اپنے حجرہ میں پایا۔ ماجد نے کاروائی کے بارے میں پوچھا تو میں نے کہا کہ مولوی پارا چنار گیا ہوا ہے یہ سن کر ماجد کافی برہم ہوا اور کہا کہ تم لوگ ٹال مٹول کر رہے ہو تمہیں نہیں معلوم کہ مجھ پر کتنا دباؤ ہے۔ لہذا جتنی جلدی ہو سکے کام مکمل کرو کیونکہ اس کے بعد

بھی کام کرنے ہیں۔ جب تک تم یہ کام کر نہیں لیتے اس وقت تک اوپر والے لوگوں کو منہ نہیں دکھا سکتا۔ لہٰذا میں عید الضحیٰ اسلام آباد نہیں جھنگ مناؤں گا اور عید کے فوراً بعد تمہیں ''دوہا ہوٹل'' پشاور پر ملوں گا۔ میری موجودگی کا علم تمہیں میری گاڑی سوزوکی نمبر جھنگ ۹۷۰۰ سے ہوگا۔ یہ کہہ کر ماجد چلا گیا۔

عید سے ایک روز قبل ہاشم خان نے مجھے کہا کہ لالہ فضل حق عید پر گھر آ رہا ہے لہٰذا تم اسے ملو اور فقیر گل کو بھی ساتھ لاؤ۔ چنانچہ عید کے روز میں اور فقیر گل وزیر اعلیٰ جنرل فضل حق سے عید ملنے کے لئے اس کے گھر گئے، پہلے ہاشم خان سے ملے پھر ہاشم خان نے مجھے فضل حق سے ملوایا۔ جس کے بعد جنرل صاحب نے خود ہی پوچھا فوجی کپتان سے ملے ہو؟ میں نے ہاں میں جواب دیا تو انہوں نے پھر پوچھا کہ کیا اس نے کوئی کام بتایا؟ میں نے کہا ہم کام کر رہے ہیں جنرل صاحب نے کہا سراج یہ کپتان صاحب خاص آدمی ہے جو بھی کہے تعمیل کرو اور پولیس وغیرہ سے بالکل بے فکر رہو بس اتنا اشارہ کافی ہے۔

میں ملاقات کے بعد باہر نکلا ہاشم خان نے مجھے کہا کہ جاؤ کام کرو اور آئندہ ہمارے حجرہ (ڈیرے) یا دفتر میں ملنے مت آنا اور پشاور آتے جاتے چارسدہ کا راستہ اختیار کرنا۔

ہم نے اجازت لی اور اپنے گاؤں روانہ ہوئے میں گھر پہنچا تو اسی روز جمیل اللہ مجھے عید مبارک دینے کے لئے آ گیا چونکہ معاشی حالت سے آشنا تھا اس لیے میں نے اسے مولوی کے قتل کے لئے رقم کی لالچ کا اشارہ کر دیا اگلی صبح جمیل اللہ اپنے گاؤں چلا گیا البتہ اس کی آمادگی کا اظہار تسلی بخش نہیں تھا۔

عید کے چوتھے دن، بدرے، فقیر گل اور شیر گل جمیل اللہ سے ملنے اس کے گاؤں گئے اور میں نے اسے تیس ہزار کا لالچ دیا اور وہ آمادہ ہو گیا۔ ہم نے اسے گاڑی میں بٹھایا اور جی ٹی روڈ پر واقع مدرسہ عارف حسین الحسینی کے سامنے آ گئے۔ فقیر گل کو مولانا صاحب کی تلاش کے لئے بھیج دیا تھوڑی دیر بعد فقیر گل واپس آیا اس نے بتایا کہ مولوی صاحب ابھی تک نہیں آیا البتہ دو چار روز تک اس کی آمد متوقع ہے۔

پھر ہم ماجد سے ملنے ''دوہا ہوٹل'' چلے گئے کیونکہ ماجد نے کہا تھا کہ وہ اس کام کی تکمیل

تک وقتاً فوقتاً یہیں رہے گا مگر ''دوہا ہوٹل'' کے باہر ماجد کی گاڑی نہ پا کر ہم کوہاٹ روڈ پر واقع پٹرول پمپ پر چلے گئے۔ میں وہاں اتر گیا جبکہ باقی چار افراد گاؤں شب قدر چلے گئے کیونکہ وہاں بدرے نے فاتحہ خوانی کرنی تھی۔ میں ابھی پٹرول پمپ پر موجود تھا کہ ماجد گیلانی کا ڈرائیور سوزوکی کار میں وہیں آ گیا کیونکہ ہم نے ماجد کو اپنے ملنے کی جگہ یہی پٹرول پمپ بتائی تھی اور اس نے کہا کہ صاحب ''دوہا ہوٹل'' میں آ چکا ہے اور آپ سے ملنا چاہتا ہے۔ میں ماجد کی گاڑی میں ہوٹل آیا اور وہ برہم ہوا اور کہا تم لوگ نہ جانے کیوں ٹال مٹول کر رہے ہو کوئی مسئلہ ہے تو بتاؤ مگر دیر نہ کرو۔ میں نے کہا کہ میں ابھی فقیر گل کو آپ سے ملواتا ہوں۔ ماجد کا ڈرائیور اور میں شب قدر پہنچے تو یہ لوگ موجود تھے میں نے فقیر گل کو اپنے ساتھ بٹھایا اور دوہا ہوٹل لے آیا اس نے ماجد کو صورتحال سے آگاہ کیا تو ماجد کچھ مطمئن ہوا اور اسلام آباد چلا گیا۔

دوسرے روز ہم پھر مدرسہ کے سامنے آئے گاڑی کھڑی کی فقیر گل اور جمیل اللہ کو مدرسہ بھیجا وہ مدرسے کے لوگوں سے ملے جمیل اللہ نے انہیں بتایا کہ وہ مزدوری کرنا چاہتا ہے۔ یہ واپس آئے تو بتایا کہ مولوی صاحب ابھی تک نہیں آیا پھر ہم اپنے گاؤں چلے گئے۔ اگلے روز پھر اسی مدرسے کے قریب آئے اور عصر تک مولوی صاحب کا انتظار کرتے رہے مگر وہ نہ آئے پھر ہم ''دوہا ہوٹل'' گئے کہ کہیں ماجد نہ آیا ہو مگر ماجد نہ آیا اور ہم اپنے گاؤں لوٹ گئے۔ دوسرے صبح پھر اکٹھے ہوئے براستہ نوشہرہ پشاور پہنچے اور سیدھا دوہا ہوٹل چلے گئے۔ وہاں ماجد کو موجود پایا، میں اور فقیر گل اس سے ملے اور تھوڑی دیر بعد وہ ہم سے رخصت ہوا اور جاتے وقت کہا کہ جس دن مولوی آئے اسے اسی دن ختم کر دو۔ اگر یہ کام آج یا کل ہو گیا تو پھر چوتھے دن تم چھ بجے شام اسلام آباد پہنچو میرا ڈرائیور رمضان پیرودھائی اڈہ پر تمہارا انتظار کرے گا۔

ہم نے منصوبہ بندی کی کہ کل بروز جمعہ اذان صبح کے وقت مولوی کو قتل کریں گے چنانچہ وہاں سے ''ملوگی'' علاقہ جا کر رات کا کھانا ایک دوست کے پاس کھایا۔ علی الصبح اذان کے وقت اٹھے اور مدرسہ کی طرف روانہ ہو گئے۔ مدرسہ کی مغربی جانب موٹر کار کھڑی کی اور جمیل اللہ اور بدرے کو مولوی صاحب کو قتل کرنے کے لئے بھیج دیا جبکہ میں، فقیر گل اور شیر گل اپنی گاڑی میں مسلح بیٹھے

رہے۔

تھوڑی دیر بعد مدرسہ میں پستول کا ایک فائر ہوا تو ہم چونک گئے ہم نے دیکھا کہ جمیل اللہ لڑکھڑاتا ہوا آرہا تھا میں آگے بڑھا اور اسے تھاما اور جلدی سے گاڑی میں ڈال دیا۔ ہم جلدی سے روانہ ہوئے تو پیچھے سے چند فائر کی آوازیں سنیں مگر ہم تیزی سے نکل آئے اور ہم نے ہری چند کا رخ کیا کیونکہ وہاں میرے سسرال ہیں۔ ہم ہری چند پہنچے تو سورج نکل چکا تھا راستے میں جمیل اللہ نے بتایا تھا کہ مولوی صاحب سیڑھیوں سے اتر رہا تھا کہ اس نے سینہ پر فائر کر دیا جس کے بعد مولوی منہ کے بل گر گیا تھا۔

میں نے ہری چند میں ان تمام افراد کو چائے پلائی، ناشتہ کرایا اور جمیل اللہ کا پستول ۳۲ بور اپنے سالہ کو صاف کرنے کے لئے دیا پھر خبروں میں سنا کہ علامہ عارف حسین الحسینی کو نامعلوم افراد نے آج صبح قتل کر دیا۔ ہم نے جمیل اللہ کو کرایہ دے کر گھر روانہ کیا جبکہ باقی لوگ ''باٹل ضلع دیر'' چلے گئے۔ تیسرے دن واپس آئے تو معلوم ہوا کہ جمیل اپنا پستول میرے سالے سے لے گیا ہے۔

چونکہ کام ہو چکا تھا پشاور میں بے پناہ ہجوم اور چرچا تھا ہم وعدہ کے مطابق ماجد سے ملنے براستہ نوشہرہ راولپنڈی چلے گئے۔ رمضان ڈرائیور پیر ودھائی اڈہ پر منتظر تھا اس نے ہمیں گاڑی میں بٹھایا اور اسلام آباد لے گیا ہم نے ایک ہوٹل میں چائے پی تو تھوڑی دیر بعد ماجد آ گیا اور کہا حالات کی وجہ سے وہ ذالرتبدیل نہیں کرا سکا لہذا تیسرے روز وہ نوشہرہ پل پر انعام دینے آئے گا۔ میں نے پوچھا ''صاحب خوش تو ہونا'' ماجد نے جواب دیا Very good میں بہت خوش ہوں''

ہم چار افراد تیسرے روز نوشہرہ پل پر اکھٹے ہوئے کچھ دیر بعد ماجد اپنے ڈرائیور کے ساتھ آ گیا گاڑی کو سڑک کے کنارے پر کھڑا کر دیا اور ہر ایک کو ایک لاکھ ساڑھے بارہ ہزار روپے بطور انعام دیئے۔ اجرت دینے کے بعد کہا کہ سراج وہ پچاس ہزار جو تمہیں پہلے دیئے تھے وہ تمہارا خصوصی انعام ہے۔ رقم دینے کے بعد وہ جانے لگا تو کہا کہ پانچ دس دن بعد اسلام آباد آنا تا کہ جلدی سے دوسرا کام بھی کیا جا سکے۔ ماجد خوشگوار موڈ میں چلا گیا میں نے باقی دوستوں سے جمیل اللہ کا حصہ طلب کیا جو انہوں نے مجھے دے دیا۔

میں فوراً پڑانگ غار چلا گیا اور وہاں ایک دوست کے ہاں رہنے لگا تھوڑے دن بعد میں نے اپنے بیٹے ساجد عرف میجر جو ایف اے کا امتحان دے رہا تھا کو کسی طریقہ سے بلایا اور پچیس ہزار کی رقم دے کر اسے جمیل اللہ کیطرف روانہ کیا جو اس نے پہنچادی۔ میں ''پڑانگ غار'' میں تھا کہ چند دن بعد دوستوں نے مجھے اطلاع دی کہ پولیس تمھارے لئے چھاپے مار رہی ہے پھر دوستوں نے بھی تصدیق کی کہ وہ میرے رشتہ داروں کو کافی تنگ کر رہی ہے۔

میں نے اپنے بھتیجا کو ہاشم خان کے پاس بھجوایا مگر وہ نہ ملے پھر اسے ایک اور معزز شخصیت کے پاس بھیجا کہ وہ ہاشم خان تک رسائی حاصل کرے اور انہیں صورتحال سے مطلع کرے تاکہ پولیس میرے رشتہ داروں کو تنگ کرنا چھوڑ دے۔ ہاشم خان نے پیغام بھیجا کہ یہ کیس انتہائی خطرناک ہے لہذا خود کو بچاؤ۔ مجھے پیغام ملا تو میں کابل روانہ ہوا اور پھر ''خوست'' چلا گیا چند دن بعد ''اتمان خیل'' آ گیا تقریباً ساڑے تین ماہ بعد میں نے ایک بار پھر اپنے بھائی کو ہاشم خان کے پاس بھیجا تاکہ صورتحال کا صحیح اندازہ ہو۔ میرا بھائی ہاشم خان سے ملا، حالات معلوم کئے تو ہاشم خان نے میرے نام رقعہ لکھا کہ الیکشن ہونے والے ہیں تمہاری اشد ضرورت ہے لہٰذا تم آجاو۔ تمھاری ضمانت کروادیں گے جبکہ میرے بھائی نے مجھے لکھا کہ خبردار مت آنا ہاشم خان وغیرہ نے تمھارے قتل کے لئے منصف باچہ نامی شخص کو مقرر کر دیا ہے۔ دوم یہ کہ تم افغان مہاجرین اور ملیشاء والوں سے خود کو بچاؤ کیونکہ فضل حق نے انہیں تمہارے قتل کا حکم دے دیا ہے۔

چند روز بعد میرا بھائی میرے پاس آیا اور مجھے ہاشم خان و فضل حق کی نیت سے آگاہ کیا اور میرے بیٹے ساجد نے مجھے اطلاع دی کہ ''بابا اپنے آپ کو پولیس کے حوالے کردو ورنہ تمہاری زندگی بے حد خطرے میں ہے''۔ حالات کی شدت اور تقاضوں کے باعث میں نے اپنی زندگی محفوظ کرنے کی غرض سے اپنے آپ کو بخوشی پولیس کے حوالے کر دیا اور یہ بیان بھی بخوشی دے رہا ہوں اور میں اس سانحہ کا وعدہ معاف گواہ ہوں۔

☆☆☆

۷ جون ۱۹۸۹ء کو سراج کے قلمبند ہونے والے بیان سے وطن عزیز کا کوئی فرد بھی آشنا

نہیں صرف قائدین اور تفتیشی افسران ہی واقف تھے مگر ۸ جون ۱۹۸۹ کو سراج کے اقبالی بیان سے ملک بھر کی تمام اخبارات میں اشاعت کے بعد زلزلہ سا محسوس ہوا اور ایک بار پھر شہید قائد عارف حسین الحسینی کا مظلومانہ قتل موضوع بحث بن گیا۔ شہید کے پیروکاروں، اور حامیوں کا الزام سچا ثابت ہوا کہ ان کے قائد کا قتل حکمرانوں کی ملی بھگت کا نتیجہ تھا۔

سراج کے بیان میں ''دوہا پیلس ہوٹل'' پشاور کا ذکر بھی موجود ہے جہاں ماجد گیلانی قیام کرتا تھا اور سراج اس سے ملاقاتیں کر کے ہدایات لیتا رہا۔ دوہا پیلس ہوٹل کے مینجر سید کمال شاہ نے پہلے زیر دفعہ ۱۲۴ مجسٹریٹ کے سامنے اور بعد عدالت کے روبرو اپنا بیان ریکارڈ کروایا جس نے سراج کے بیان کی تائید و تصدیق کر دی۔

☆☆☆☆☆

ماجد گیلانی کا فرار

متعلقہ بریگیڈ سے جب پولیس نے رابطہ کیا تو معلوم ہوا کہ کیپٹن ماجد گیلانی ۲۸ اگست سے مفرور ہے اور اپنا استعفیٰ تحریر کر کے چھوڑ گیا ہے جس میں تحریر ہے:

I honestfeel that my own community requires my services much more that this army needs.It is requested that my resignation may please be accepted. So that I can participate in coming or coming after election represent my community in National Assembly.

۸ ستمبر ۱۹۸۸ کو پولیس کی بھاری نفری نے جھنگ میں اس کے گھر ریڈ کیا۔ اس وقت ماجد و غالب دونوں بھائی موجود تھے اور پولیس کی گرفت میں آئے غالب نے پولیس سے یہ کہہ کر کہ یہ ان کا مہمان ہے۔ ماجد کو رہا کروا دیا اور دھوکہ دیا کہ ماجد تو ملک سے باہر فرار ہو چکا ہے۔ ایک اطلاع کے مطابق پولیس نے ماجد کو بھی گرفتار کر لیا تھا مگر وزیر اعلیٰ فضل حق کے کہنے پر اسے چھوڑ دیا تھا۔

۱۹۸۸ء کے انتخابات کے بعد کی سیاسی صورتحال یکسر تبدیل ہو گئی تھی۔ فضل حق چار صوبائی نشستوں سے شکست کھا چکا تھا۔ مرکز اور صوبہ سرحد میں پیپلز پارٹی کی حکومت قائم ہو رہی تھی۔ تفتیش کا سلسلہ جاری تھا۔ سراج کی گرفتاری کے لئے کوششیں ہو رہی تھی۔ کہ اچانک قاتلوں کا سرغنہ سراج خود پولیس کے سامنے حاضر ہوا اور اس نے وعدہ معاف گواہ بن کر تمام رازوں کو بے نقاب کر دیا۔ یوں خون حسینی مقتل کے پس دیوار تک محدود رہنے کی بجائے کوچہ و بازار میں آ گیا۔ پھر بے گناہ خون کی صدا گونجتی رہی۔۔۔ زمانہ اسے سنتا رہا۔۔۔ اور تاریخ اسے اپنے دامن میں محفوظ کرتی رہی

عبدالعلی بنگش کی شہادت

سید سعادت علی شاہ آئی جی پولیس صوبہ سرحد کی زیر صدارت ایک اہم میٹنگ منعقد ہوئی جہاں پندرہ پولیس افسران پر مشتمل تحقیقاتی ٹیم تشکیل دی گئی جنہیں سختی سے حکم دیا گیا کہ وہ اپنی تمام مصروفیات بالائے طاق رکھ کر اس اہم کیس کی تہہ تک پہنچ کر صورتحال کو واضح کریں۔

سب سے پہلے اس قتل کے شبہ کا اظہار تفتیشی ٹیم کے ایک اہم افسر نے پانچویں روز ہی کر دیا۔ انہیں اس راز کا اشارہ اس وقت ملا جب ان کے گھر ترلاندی گاؤں کی کچھ عورتیں آئیں اور انہوں نے اس کیس میں سراج اور بدرے سکنہ ترلاندی کے ملوث ہونے کا شک ظاہر کیا۔ البتہ سازش کو منظر عام پر لانے کا تمام سہرا عبدالعلی خان بنگش ڈی ایس پی نوشہرہ کے سر ہے۔ جنہوں نے ایک حقیقی جذبہ اور فرائض کی بجا آوری کے تحت ملت مسلمہ پر بہت بڑا احسان کیا اور اس قتل میں ملوث بڑے بڑے پردہ نشینوں کو بے حجاب اور پوری دنیا میں رسوا کر دیا۔

ہوا یوں کہ نوشہرہ کی ایک شخصیت جو کسی حد تک قاتلوں سے آگاہ تھی کو عبدالعلی خان نے اعتماد میں لیا جس کے باعث قاتلوں تک رسائی حاصل کی اور ٹھیک ایک ماہ بعد یعنی ۵ ستمبر ۱۹۸۸ء کو مبینہ قاتل جمیل اللہ کو گرفتار کر لیا گیا۔

۷ ستمبر کو جمیل اللہ کی نشاندہی پر اسلام آباد سے محمد رمضان ڈرائیور کی گرفتاری عمل میں لائی گئی پھر جمیل اللہ کے بیان کی روشنی میں ۱۰ ستمبر کو شیر گل ڈرائیور گرفتار ہوا۔ عبدالعلی خان نے ان تینوں کے عدالتی بیان قلمبند کرانے کے بعد اعلیٰ افسروں کو اطلاع دی۔ عدالتی بیانات کے بعد پانی سر سے گزر چکا تھا۔ صوبہ سرحد کا کوئی اعلیٰ افسر یا وزیر اعلیٰ اس انکشاف کا سد باب نہیں کر سکتا تھا۔ تینوں

ملزموں نے اس سازش کا سرغنہ سراج سکنہ تیرا لاندی کو ٹھہرایا جو بعد میں وعدہ معاف گواہ بن کر منظر عام پر آیا اور جس نے فضلِ حق سابق وزیر اعلیٰ سرحد و ہاشم خان سے اپنے قریبی تعلق کا اظہار کیا۔ جمیل اللہ، محمد رمضان اور شیر گل کی گرفتاری کے بعد عبدالعلی خان کی کوشش تھی کہ سازش کے سرغنہ سراج کو گرفتار کرے چونکہ سابقہ حکمرانوں کے راز سراج کے سینہ میں پوشیدہ تھے۔ ادھر چند اعلیٰ شخصیات کو عبدالعلی کا جذبہ ناگوار گزرا تو انہیں ایک طے شدہ منصوبہ کے تحت ''چراٹ میں'' سراج کی موجودگی کا اشارہ دیا گیا۔ جونہی عبدالعلی خان سراج کی گرفتاری کے لئے علاقہ ''چراٹ'' اپنی گاڑی پر روانہ ہوئے تو راستے میں ان پر قاتلانہ حملہ ہوا اور وہ موقع پر شہید ہو گئے۔

چونکہ اس وقت یہ سازش منکشف نہیں ہوئی تھی اس لئے زمانے کو عبدالعلی خان کے بہیمانہ قتل کی سازش اور پس پردہ حقائق کا علم تک نہ ہو سکا جبکہ تحریک نفاذ فقہ جعفریہ پاکستان کے قائدین نے اپنے بیانات میں واضح کر دیا تھا کہ شہید عارف حسین الحسینیؒ کی تفتیشی ٹیم کے اہم رکن اور شیعہ افسر کا قتل ایک سازش کا نتیجہ ہے۔

بہر حال عبدالعلی خان خود سرخرو ہو کر ظالموں کو رسوا کر گئے۔ جیسا کہ گزشتہ صفحات میں ذکر کیا جا چکا ہے کہ اس مقدمہ قتل کا پہلا ملزم جمیل اللہ ۵ ستمبر کی شام گرفتار ہوا اور اس نے نہ صرف اس سازش میں ملوث صرف اجرتی قاتلوں کے گروہ کا انکشاف کیا بلکہ ان پس پردہ عناصر کا بھی اشارہ دیا جو اس سازش کی تکمیل کے خواہاں تھے۔ جمیل اللہ کی نشاندہی پر ۷ ستمبر کو شیر گل ڈرائیور اور اسلام آباد سے محمد رمضان ڈرائیور دونوں گرفتار کر لئے گئے جہاں شیر گل نے قاتلوں کے گروہ کے سرغنہ سراج سکنہ ترا لاندی کو قرار دیا وہاں محمد رمضان نے کیپٹن ماجد گیلانی کا کردار اور اس سازش کا پس منظر بتایا۔

تفتیشی ٹیم کے لئے سراج کا نام جرائم کے حوالے سے نیا نہیں تھا بلکہ وہ ایک عادی مجرم کے حوالے سے پورے صوبہ سرحد میں بدنام تھا۔ البتہ ایک عالم دین اور بین الاقوامی شخصیت کے قتل کی پشت پناہی کرنے میں پاکستان آرمی کے ایک کیپٹن کا نام ضرور باعث حیرت تھا۔ کیونکہ جہاں ایک معروف عالم دین کا قتل قابل افسوس ٹھہرا وہاں ملک کی آرمی کے ایک افسر کا کردار پاک فوج کے تقدس پر کاری ضرب لگانے کا باعث بھی تھا۔

ہاشم خان کا عدالت سے فرار

۸ جون ۱۹۸۹ء کو ملک کے تمام اخبارات میں جلی سرخیوں کے ساتھ شائع ہونے والے وعدہ معاف گواہ سراج کے بیان نے ملک میں طوفان برپا کر دیا اور ملک کا ہر شہری اس سازش سے آگاہ ہو کر سابقہ حکمرانوں کی سیاہ کاریوں پر تبصرے کرنے لگا۔ ملت جعفریہ کا ہر پیرو و جوان سراپا احتجاج بن گیا اور ۹ جون ۱۹۸۹ء کے اخبارات اور ملک بھر کی دیواروں پر فضل حق، ہاشم خان اور ماجد گیلانی کی گرفتاری کے مطالبے نظر آنے لگے۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ حالات میں شدت اور تیزی آتی گئی۔ تحریک نفاذ فقہ جعفریہ پاکستان کی یونٹ سے لے کر مرکز تک حکومت سے قاتلوں کی گرفتاری کا مطالبہ شدت اختیار کرتا گیا۔ خبیر سے کراچی اور کوئٹہ سے گلگت تک ایک ہی نعرہ سنائی دینے لگا ''پھانسی دو پھانسی دو'' ہاشم خان کو ''پھانسی دو''، فضل حق کو ''پھانسی دو''۔

۴ جون ۱۹۸۹ء کو سراج نے پولیس کے روبرو اقرار کیا اور ۷ جون ۱۹۸۹ء کو پشاور کی عدالت میں اس نے بحیثیت وعدہ معاف گواہ بیان ریکارڈ کرایا۔ ریکارڈز کیمطابق سراج کا یہ بیان بعد از دو پہر تک جاری رہا اور ۷ جون ۱۹۸۹ء کو سراج کے عدالتی بیان سے قبل ہی ہاشم خان نے عدالت کو درخواست ضمانت قبل از گرفتاری پیش کی اور ۱۲ بجے دن تک اپنے مچلکے بھی جمع کرا دیئے حالانکہ اس روز اڑھائی بجے تک سراج کا بیان قلمبند ہوتا رہا یہ بات چور کی داڑھی میں تنکا ثابت ہوئی اور یوں مقدمہ کی حیثیت اور حقیقت کو تقویت مل گئی۔

۷ جون ۱۹۸۹ء کو ہاشم خان کی طرف سے دی جانے والی درخواست ضمانت قبل از گرفتاری کی ۲۴ جون سیشن کورٹ پشاور میں پیشی طے ہوئی۔ ہر دو جانب سے سینکڑوں افراد عدالت کے باہر جمع ہوئے۔ وکلاء نے بحث کی ۔۔۔۔ بحث مکمل ہوئی تو سیشن کورٹ کے جج رضا

خان نے دونوں فریقین کو باہر انتظار کرنے کے لئے کہا۔ جب لوگ باہر چلے گئے تو تھوڑی دیر بعد جج صاحب نے ہاشم خان کو اپنے چپڑاسی کے ذریعہ بلوایا۔

ہاشم خان اکیلا اندر گیا تو علامہ سید جواد ہادی نے اپنے وکیل کو بھی اندر جانے کا کہا۔ ابھی وکیل صاحب عدالت میں داخل ہو ہی رہے تھے کہ ہاشم خان تیزی سے باہر نکلا۔ جب وکیل نے جج سے فیصلہ کا استفسار کیا تو انہوں نے جواباً کہا کہ ہاشم خان کی درخواست ضمانت مسترد ہو چکی ہے۔ جب وکیل صاحب باہر نکلے اور اپنے احباب کو فیصلہ سنایا تو وہ حیران ہو گئے کیونکہ ہاشم خان جج کا فیصلہ سن کر تیزی سے باہر نکلا اور ایک طے شدہ پروگرام کے تحت یہ شور مچایا اور مبارکباد دینا شروع کر دی کہ ضمانت ہو گئی ہے اور یہ شور کرتے ہوئے وہ اپنے بھائی اے آئی جی پولیس اعظم خان کی معاونت سے ڈرامائی انداز میں فرار ہو گیا۔

☆☆☆☆☆

فضل حق کا فرار اور گرفتاری کا منظر

سراج کے بیان اور ہاشم خان کے فرار کے بعد اس مقدمہ کے بڑے ملزم فضل حق کی گرفتاری مطلوب تھی۔ اسی دوران اس نے امریکی سفیر سے سیاسی پناہ کی بھیک مانگی مگر انہوں نے اسے ٹھکرا دیا۔

فضل حق سراج کے بیان کے بعد پنجاب آچکا تھا اور اسے حکومت پنجاب کا آشیر باد حاصل تھی۔ صوبہ سرحد کی پولیس اور مرکزی حکومت کی خواہشات کے باوجود بھی پنجاب پولیس اسے گرفتار کرنے میں ٹال مٹول کر رہی تھی لہٰذا فضل حق کو پنجاب ہاؤس میں بطور سرکاری مہمان ساتھ ہی رکھا گیا تھا اور ساتھ ہی قانونی تحفظ کے لئے ملک کے نامور قانون دان ایس۔ ایم۔ ظفر کی بطور وکیل قانونی خدمات حاصل کی گئیں۔ جس کا تذکرہ ملک کے مختلف جرائد میں یوں آیا ہے کہ ایس۔ ایم ظفر صاحب کو بڑا مرغا مل گیا ہے۔ فضل حق نے ۱۲ جولائی ۱۹۸۹ء کو پنجاب ہائیکورٹ سے قبل از گرفتاری عبوری ضمانت کرالی۔ ۲۲ جولائی ۱۹۸۹ کو اسے پشاور ہائیکورٹ سے اپنی ضمانت کنفرم کرانی تھی۔

پشاور کی تاریخ میں ۲۲ جولائی ۱۹۸۹ء کا یہ دن ایک خصوصی اہمیت کا حامل ہے کیونکہ اسی صوبہ سرحد کا سابق گورنر، سابق وزیر اعلیٰ اور کئی سالوں تک سرحد کے سیاہ و سفید کا مالک آج ایک عظیم روحانی عالم دین کے قتل کے الزام میں عدالت کے کٹہرے میں کھڑا ہونے کے لئے آرہا تھا۔ ملکی و بین الاقوامی ذرائع ابلاغ عدالت میں موجود تھے پولیس مضطرب اور ہر دو جانب سے جمع شدہ ہزاروں افراد فیصلے کے لئے بے قرار تھے۔ فضل حق کو عدالت میں ۹ بجے صبح پکارا گیا تو وہ ابھی تک نہیں آیا تھا جبکہ اس کے وکلاء موجود تھے یہ بات عدالت کو بھی ناگوار گزری۔ آدھے پونے گھنٹے کے بعد فضل حق مرجھائے ہوئے چہرے اور خشک ہونٹوں کے ساتھ عدالت میں حاضر ہوا۔۔۔۔ بحث

شروع ہوئی تو ایس ایم ظفر نے ملزم کے دفاع میں چار گھنٹے تک دلائل دیئے۔

پھر وکیل استغاثہ جسٹس ریٹائرڈ شوکت علی نے وعدہ معاف گواہ کے بیان کی روشنی میں مختصر مگر جامع دلائل پیش کئے انہوں نے وعدہ معاف گواہ سراج کے بیان کے ایک اقتباس پر زور دیا جس میں سراج نے کہا تھا کہ وہ ۲۴ مئی ۱۹۸۸ کو جنرل فضل حق سے ''بریٹی چارسدہ'' میں ملا تھا اور فضل حق نے اسے فوجی کپتان کے کام کو مکمل کرنے کا حکم دیا تھا اور ساتھ ہی اپنے تعاون کا بھی یقین دلایا تھا۔ وکیل استغاثہ نے وزیر اعلیٰ ہاوس کے شعبہ ٹرانسپورٹ کا ریکارڈ بھی عدالت میں پیش کیا جس میں واضح طور پر ۲۴ جولائی کو فضل حق کی وزیر اعلیٰ ہاوس سے بذریعہ اسکاٹ وین PRK۱۳۸ اور پائلٹ جیپ PRK137 برائے بریٹی چارسدہ روانگی درج تھی۔

سرکار کے اسپیشل پراسکیوٹر آصف جان نے وعدہ معاف سراج کے بیان کو درست ثابت کرنے کے لئے ماجد گیلانی کی بریگیڈ سے چھٹیوں کا ریکارڈ پیش کیا جس سے واضح ثبوت ملتا تھا کہ ۲۴ جون سے ۲۸ جون ۱۹۸۸ء، ۲۷ جولائی سے ۳۱ جولائی ۱۹۸۸ء اور ۱۲ اگست سے ۱۴ اگست ۱۹۸۸ء کو حاصل کردہ چھٹیوں میں ماجد اسلام آباد سے وقتاً فوقتاً سراج سے اس کے گاؤں ترلاندی اور پشاور دوہا ہوٹل میں ملتا رہا ہے۔ یہی تواریخ سراج کے بیان میں بھی درج تھیں۔ انہوں نے کہا کہ ماجد گیلانی کا فرار بھی اس بات کی تصدیق ہے کہ وہ اس مقدمہ میں ملوث ہے۔

آصف جان نے عدالت کے سامنے ماجد گیلانی کی سوزوکی کار JG9700 اور اس کے ڈائس بورڈ سے برآمد ہونے والے مدرسہ کے داخلہ فارم جو مدرسہ کے آفس سیکرٹری سے جاسوسی کرنے والے ملزم فقیر گل نے لیا تھا کا ریکارڈ پیش کیا نیز اسی کار کے ڈرائیور اور ماجد گیلانی کے خاندانی ملازم محمد رمضان کے بیان کا بھی حوالہ دیا جس کی بنا پر واضح ہوا کہ سراج کے بیان میں مبینہ ملزم ماجد گیلانی اس جرم میں شامل ہے لہذا اس ضمن میں سراج کا فضل حق کو ملزم ٹھہرانا بھی بجا ہے۔

ایس ایم ظفر نے اپنے موکل کا دفاع کرتے ہوئے کہا'' وعدہ معاف گواہ سراج ایک عادی مجرم ہے اور کئی بار اجرت پر ایسے کام کر چکا ہے اور وہ کئی بار سزائے موت کا قیدی بھی رہا لہٰذا اب پیپلز پارٹی کی حکومت کی دلچسپی اور عباس خان آئی جی پولیس صوبہ سرحد (جو کہ آفتاب شیر پاؤ کا

کزن ہے) کی فضل حق سے ذاتی رنجش کی بناء پر سراج کو وعدہ معاف گواہ بنایا گیا ہے۔ میرا موکل کوئی معمولی آدمی نہیں بلکہ سابق جرنیل، صوبہ سرحد کا سابق وزیر اعلیٰ اور سابق گورنر ہے لہٰذا ایسی شخصیت کو کسی من گھڑت الزام میں ملوث کرنا مناسب نہیں''۔

وکیل استغاثہ نے واضح کیا کہ ہاشم خان کا سراج کے بیان کے ریکارڈ ہونے سے قبل درخواست ضمانت دینا اور پھر عدالت میں ڈرامائی فرار اختیار کرنا سراج کے بیان کو صحیح قرار دینا ہے لہٰذا فضل حق سراج کے صحیح بیان کی روشنی میں بجا طور پر ملزم ہے۔

عدالت کی اس کاروائی کے دوران مکمل سناٹا چھایا ہوا تھا۔۔۔ پنکھوں کی معمولی سی آواز بھی سکوت میں خلل ڈال رہی تھی۔۔۔ وکلاء بحث کر رہے تھے جبکہ دیگر بیٹھے ہوئے افراد کی نظریں فضل حق پر جمی ہوئی تھیں۔ بحث ختم ہوئی جج نے دو چار منٹ توقف کیا اور فیصلہ سنایا کہ ''درخواست ضمانت مسترد کی جاتی ہے''۔

یہ ایک ایسا فیصلہ تھا جس کے اعلان کے بعد سکتہ طاری ہو گیا کمرہ عدالت میں فوراً پولیس داخل ہوئی انہوں نے وکلا اور دیگر افراد کو باہر جانے کا حکم دیا تا کہ وہ اپنے انداز میں فضل حق کو گرفتار کر سکے۔ تحریک کے وکلاء اور چند افراد باہر آ گئے۔ کمرہ عدالت کے باہر عجیب طرح کی ہلچل مچ گئی۔ صحافی اپنے مراکز کو اطلاع دینے کے لئے ادھر ادھر دوڑنے لگے تحریک کے کارکنان فضل حق کو زنجیروں میں جکڑا دیکھنے کے لئے بے قرار تھے جبکہ فضل حق کے حامی شش و پنج کے عالم میں تھے۔ فضل حق ابھی تک عدالت کے کمرہ میں اپنے وکیل ایس ایم ظفر سے گلو خلاصی کی راہیں نکالنے کی درخواستیں کر رہا تھا ایسے میں ایک مرحلہ پر ایس ایم ظفر نے اسے کمرہ عدالت میں رہنے کو کہا اور خود اسلام آباد سپریم کورٹ میں عبوری ضمانت کے حصول کے لئے روانہ ہوا۔ اتفاق سے اسے پرواز مل گئی اور وہ اسلام آباد پہنچ گیا جہاں اس نے سپریم کورٹ کے جسٹس عثمان علی شاہ صاحب سے ملاقات کرنے کی درخواست دی مگر انہوں نے رد کر دی۔ پولیس وقفہ وقفہ سے فضل حق کے گرد دائرے تنگ کر رہی تھی۔ بار بار پولیس افسران اس کے پاس آ رہے تھے کہ وہ کمرہ عدالت سے باہر نکلے اور گرفتاری دے کیونکہ کمرہ عدالت میں گرفتار کرنا خلاف قانون تھا اب کمرہ عدالت ہی فضل حق

کو اپنی پناہ گاہ نظر آ رہا تھا وہ بار بار دھیمے لہجے میں پولیس افسران سے کہتا تھا کہ میرا وکیل سپریم کورٹ پہنچ چکا ہے اور میری ضمانت ہونے والی ہے مگر تھوڑی دیر بعد اسے اس امر سے بھی آگاہ کر دیا گیا کہ سپریم کورٹ کا وقت ختم ہو چکا ہے اور تمہاری ضمانت نہیں ہو سکتی لہذا آپ گرفتاری دیں۔

اتنے میں پولیس کے ایک گروپ کی کمان میں تحریک کے علماء اور عہدیدران کو مدرسہ جامعۃ المعارف پشاور پہنچا دیا گیا۔ فضل حق کمرہ عدالت میں اکیلا بیٹھا ہوا تھا۔ آخر عدالت کا چپڑاسی کمرہ میں داخل ہوا اس نے بلب اور پنکھوں کو بند کرتے ہوئے عدالت کا وقت ختم ہونے کا اعلان کیا۔ پولیس نے گرفتاری دینے کو کہا مگر اس مرتبہ اس نے لیٹرین جانے کی درخواست کی اور عذر پیش کیا کہ اسے مثانہ کی تکلیف ہے مگر پولیس بضد تھی کہ پہلے گرفتاری دے پھر اس کی درخواست پر غور کیا جائے گا۔ آخر وہ قریب والی سیڑھیاں چڑھنے لگا تو ایک سپاہی نے اسے پکڑ لیا۔ اقتدار کی بڑی بڑی کرسیوں میں دھنس کر بیٹھنے والا اگر دسے اٹی سیڑھیوں پر بیٹھ گیا۔ یہاں بیٹھتے ہی اس نے پولیس والوں سے پانی مانگا مگر جواب ملا پہلے گرفتاری پھر پانی۔۔۔۔ اس اثناء میں ایک چھوٹے پولیس افسر نے اسے سیڑھیوں سے نیچے اتارنے کی کوشش کی تو فضل حق نے اسے تھپڑ دے مارا اور یوں قریب کھڑے ہوئے چند سپاہیوں نے بھی مکوں سے جواب دیا وہ گرفتاری سے اس لئے گریز کر رہا تھا کہ یہ بات اس کے ذہن میں نقش ہو چکی تھی کہ بھٹو کی طرح گرفتار ہونے کے بعد وہ پھر کبھی زندہ واپس نہیں لوٹے گا۔

آخر ایک اعلیٰ پولیس افسر اس کے قریب گیا اور غالباً یہی کہا کہ تمام صحافی اپنے اور پرائے آپکی تذلیل ہوتی دیکھ رہے ہیں مرد آہن رہیں اور حالات کا مقابلہ کریں۔ پھر فضل حق نے پولیس کو گرفتاری دی جس کے بعد اسے لیٹرین جانے کے اجازت ملی۔ تقریباً آدھے گھنٹے کے بعد وہ لیٹرین سے نکلا تو اس کے تمام کپڑے گیلے تھے اس نے اپنے بیٹے کے ذریعے اپنا بریف کیس منگوایا، کپڑے تبدیل کئے اور پولیس کی تحویل میں نوشہرہ ریسٹ ہاؤس چلا گیا۔

فضل حق کی رہائی

جب ایس ایم ظفر کی فضل حق کی حمایت میں سپریم کورٹ اسلام آباد میں پذیرائی نہ ہوئی تو وہ لاہور پہنچے جہاں سپریم کورٹ لاہور بینچ میں درخواست ضمانت دائر کردی۔تحریک کے قائدین کو ان کی اس کوشش کی اطلاع مل گئی۔ چنانچہ انہوں نے اپنے وکلاء کو۲۳ جولائی سپریم کورٹ میں پیش ہونے کی ہدایات جاری کردیں۔

ادھر ایس ایم ظفر نے ۲۳ جولائی کو ہائیکورٹ پشاور کے فیصلے کے خلاف رٹ دائر کردی جس کی بحث ۲۴ جولائی کو قرار پائی اس سلسلہ میں امجد کاظمی اور جسٹس (ریٹائرڈ) شوکت علی آپس میں کیس پر گفتگو کر رہے تھے تو اچانک وہاں پر پڑے ہوئے ٹیلی فون پر نحیف سی گھنٹی بجی، ریسیور اٹھایا تو لاہور سے ایس ایم ظفر کے جونیئر وکیل اعجاز اور پشاور سے فضل حق کے وکیل کیس کی موجودہ صورتحال پر بحث کر رہے تھے۔اسطرح انہوں نے ٹیلی فون پر مخالف وکلاء کی گفتگو سنی اور جسٹس شوکت کو بھی سنائی دی وہ حیران رہ گئے کہ یہ ٹیلی فون کیسے آپس میں مل گئے۔امجد کاظمی نے اسے شہید کے خون کا معجزہ قرار دیا۔

۲۴ جولائی کو سپریم کورٹ کے دو جسٹس صاحبان جسٹس شفیع الرحمان اور جسٹس سعد مسعود جان کی عدالت میں ایس ایم ظفر اور وکیل استغاثہ جسٹس (ریٹائرڈ) شوکت علی اپنے احباب کے ساتھ پیش ہوئے۔آغاز ایس ایم ظفر نے کیا اور اپنے مؤکل کی درخواست ضمانت قبول کرنے کی اپیل کی۔مگر عدالت نے یہ کہتے ہوئے کہ ملزم گرفتار ہو چکا ہے لہذا ضمانت بعد از گرفتاری اور قانون کے ضابطے پورے کرنے کے لئے ضروری ہے کہ سپریم کورٹ کی بجائے درخواست

پشاور سیشن کورٹ میں دائر کی جائے اور اسے مرحلہ وار آگے بڑھایا جائے۔ایس ایم ظفر نے یہاں چوہدری ظہور الٰہی کیس کا حوالہ دیتے ہوئے کہا کہ ان کی ورخواست ضمانت قبل از گرفتاری سیشن کورٹ نے مسترد کی تھی اور وہ دوڑ کر ہائیکورٹ پہنچے تھے جہاں ان کی درخواست قبول کی گئی تھی۔ عدالت نے جواب دیا کہ وہ گرفتار نہیں ہوئے تھے جبکہ آپ کا مؤکل گرفتار ہو چکا ہے لہذا قبل از گرفتاری اور بعد از گرفتاری کے ضابطے مختلف ہیں پھر ایس ایم ظفر نے عدالت سے ذاتی اپیل کی کہ یہ ان کی عزت کا مسئلہ ہے تو عدالت نے کہا کہ ایسا کرنے سے قانون کے ضابطے بدلنے پڑیں گے تو ایس ایم ظفر نے برجستہ کہا کہ

Let us change the history of criminal laws in Pakistan.

۲۴ جولائی کی اخبارات میں یہ خبر شائع ہو چکی تھی کہ فضل حق کے وکلاء نے ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ کی عدالت میں درخواست ضمانت دائر کر دی ہے یہ خبر پڑھتے ہی عدالت نے ایس ایم ظفر کو مخاطب ہوتے ہوئے کہا کہ ''پشاور کے وکلاء نے صحیح ضابطہ اختیار کیا لہذا آپ کی درخواست ضمانت مسترد کی جاتی ہے''۔

قانون کے ضابطوں کے مطابق سیشن کورٹ نے سماعت کی۔اس بار فضل حق کی جانب سے ایس ایم ظفر پیش نہ ہو سکے بعض اطلاعات کے مطابق ان کے درمیان کچھ اختلافات پیدا ہو گئے تھے کیونکہ وہ تمام تر کوششوں کے باوجود ملزم کو ضمانت پر رہا نہ کروا سکے تھے جبکہ انہوں نے فضل حق کو سو فیصد کامیابی کا یقین دلایا تھا مگر اب فضل حق باقاعدہ قانون کی گرفت میں تھا۔اس بار ملزم کی طرف سے پشاور کے ممتاز قانون دان سردار عالم خان اور ظہور الحق بیرسٹر جبکہ وکیل استغاثہ ریٹائرڈ جہانزیب رحیم پیش ہوئے۔

یہاں سردار عالم خان نے اپنے مؤکل کی شخصیت کو زیر بحث لایا کہ ان کا مؤکل سابق جرنیل، سابق وزیر اعلیٰ اور سابق گورنر ہے اس کی خدمات ناقابل فراموش ہیں لہذا اس کی عزت کا

تقاضہ ہے کہ اسے ضمانت پر رہا کیا جائے۔اس کے برعکس وکیل استغاثہ نے قرآن مجید کی سورہ آل عمران کی آیت ۲۶ کہ ''تو جسے چاہے عزت دے'' کا حوالہ دیتے ہوئے اپنی گفتگو کا آغاز کیا اور اپنے مقتول کی شخصیت کے بارے میں کہا کہ علامہ عارف حسین الحسینی ملزم سے بہت بلند و بالا شخصیت کے مالک تھے وہ خدا کے برگزیدہ انسان، صالح اور شہید ہیں اور قرآن مجید کی رو سے تمام عزت صالح اور شہداء کے لئے ہے۔حکمران جس قدر محترم و معزز ہوتے ہیں ان پر اپنی رعایا کی ذمہ داری بھی اتنی ہی زیادہ عائد ہوتی ہے مگر یہاں صورت حال مختلف ہے کہ ملزم وزیر اعلیٰ کے منصب پر فائز ہوتے ہوئے اپنے شہر کی معزز ترین شخصیت کی حفاظت کرنے کی بجائے اس کے قتل میں ہمکار رہا ہے جو ایک ظلم ہے'' وکیل استغاثہ کے اس بیان کو اخبارات نے کافی پذیرائی دی۔، گویا سیشن کورٹ سے بھی ملزم کی درخواست ضمانت مسترد ہوئی تو اس کے وکلاء نے پھر ہائیکورٹ میں اپیل دائر کر دی۔

ہائیکورٹ میں سماعت کے وقت ملزم کی جانب سے ملتان کے نامور قانون دان شیخ اکرم اور دیگر چند مقامی وکلاء پیش ہوئے جبکہ استغاثہ کی طرف سے بدستور جسٹس (ریٹائرڈ) شوکت علی اور سرکاری طور پر ڈپٹی اٹارنی جنرل آصف جان رہے۔،ملزم کے وکیل نے بڑی دقیق انگریزی میں گفتگو کی اور درجن بھر اشعار پڑھے مگر ان کا کوئی نکتہ یا دلیل عدالت کو متوجہ نہ کر سکی بلکہ ہر بار عدالت نے اسے سوالات میں الجھایا جبکہ جسٹس (ریٹائرڈ) شوکت علی کے دلائل بدستور مضبوط رہے البتہ آصف جان نے اس مرتبہ فضل حق کی کارکردگی کا چارٹ پیش کیا جس میں اس کو نارکوٹکس کے دھندے میں ملوث ہونے کے حقائق نمایاں تھے۔لہذا کافی سوچ بچار کے بعد ایک مرتبہ پھر فضل حق کی درخواست ضمانت مسترد کر دی گئی اور آخر کار ملزم کے وکلاء نے ضمانت کے لئے سپریم کورٹ کے دروازے پر دستک دی۔

یہاں اس امر کا اظہار بھی ضروری ہے کہ فضل حق کی گرفتاری کے روز ہی سے اس کے خاندان نے اپنی دولت کی تجوریوں کے منہ کھول دیئے اور اسی بل بوتے پر کبھی شیعہ مخالف تنظیموں کو ابھارا اور کبھی بکاؤ مولویوں سے حمائتی بیان دلوائے۔کبھی نامور وکلاء کو خریدنے کی کوشش کی اور کبھی مخالف

وکلاء کو دھمکایا اگر کوئی نامور قانون دان ان کا مقدمہ لینے سے معذرت کرتا تو یہ اس کے ساتھ طے کرتے کہ وہ مخالف گروپ کا مقدمہ لینے سے بھی انکاری رہے جس کا واضح ثبوت یوں ملتا ہے کہ سابق حکومت پنجاب جو فضل حق کی کٹر حامی تھی نے وکیل استغاثہ جسٹس (ریٹائرڈ) شوکت علی کو ایک خط بھیجا کہ حکومت پنجاب مال روڈ لاہور پر واقع ان کے گھر کو قبضہ میں لینا چاہتی ہے۔ ساتھ عذر یہ پیش کیا کہ بیش بہا قیمتی زمین انہیں ایک فلاحی ادارے کے لئے درکار ہے۔ آخر کار جسٹس ریٹائرڈ شوکت علی کی یہ پریشانی وزیر سردار نصر اللہ دریشک کی مداخلت اور سفارش پر رفع ہوئی۔ چند ایک ایسی وجوہات اور بھی تھیں جس کی بناء پر سپریم کورٹ کے لئے تحریک نفاذ فقہ جعفریہ پاکستان کو اپنا وکیل تبدیل کرنا پڑا۔

جنانچہ کافی سوچ بچار اور صلاح مشورہ کے بعد طے پایا کہ جسٹس ریٹائرڈ دراب پٹیل سے رابطہ کیا جائے۔ دراب پٹیل صاحب صاف گو انسان ہونے کے ناطے کافی معروف تھے اور وہ سپریم کورٹ کے ریٹائرڈ جسٹس ہونے کے علاوہ ان چار ججوں میں سے ایک تھے جنہوں نے ذوالفقار علی بھٹو کو سزائے موت دینے کی مخالفت کی تھی۔ لہذا اس وجہ سے وہ پیپلز پارٹی کے منظور نظر تھے اور محترمہ بے نظیر بھٹو بھی اپنی وزارت عظمیٰ کے دوران ان سے قانونی مشورے لیا کرتی تھیں۔ تحریک والوں کا ان سے رابطہ ہوا۔ انہوں نے مقدمہ کا بغور جائزہ لیا تو کہنے لگے اس مقدمہ کے لئے جسٹس (ریٹائرڈ) رستم سدھو صاحب ہی مناسب رہیں گے۔ جسٹس سدھو صاحب تیں دن قبل ہائیکورٹ سے ریٹائرڈ ہوئے تھے مگر تا حال وہ اپنے چند فیصلوں کو نمٹانے میں مصروف تھے۔ دراب پٹیل صاحب نے یہ عندیہ دیا کہ انہوں نے بے نظیر بھٹو صاحبہ سے اپیل کی ہے کہ جسٹس ریٹائرڈ سدھو کو سپریم کورٹ کا جج نامزد کر دیں اگر ایسا ہو گیا تو پھر اس مقدمہ کے لئے جسٹس ریٹائرڈ ہمدانی صاحب ہی موزوں رہیں گے۔ آخر کار کوششوں کے بعد ۱۴ اکتوبر ۱۹۸۹ء کو جسٹس ریٹائرڈ ہمدانی ہی کو وکیل استغاثہ مقرر کیا گیا اور وہ ۱۵ اکتوبر کو سپریم کورٹ میں پیش ہوئے اور ان کے ساتھ علی حضور نجفی ایڈووکیٹ اور جہانزیب رحیم معاون تھے جبکہ ملزم کی طرف سے پھر ایس ایم ظفر سپریم کورٹ میں دیکھے گئے۔ مصدقہ اطلاعات کے مطابق ان کی پھر ہم آہنگی ہو چکی تھی اس لئے ایس ایم ظفر کافی

مطمئن اور پر اعتماد تھے۔

عدالت کے پہلے روز ۱۵ اکتوبر ۱۹۸۹ء سے ۱۷ اکتوبر ۱۹۸۹ء ۱۲ بجے تک ایس ایم ظفر نے دلائل دیئے انہوں نے طویل بحث کی جبکہ آخری روز ہمدانی صاحب نے بھی دلائل دیئے البتہ تحریک کے افراد ان کی بحث سے غیر مطمئن رہے۔ عدالت برخاست ہوئی اور اس نے اپنا فیصلہ محفوظ رکھا۔

اس مرتبہ عدالت کا ماحول سابقہ عدالتوں کے ماحول سے یکسر تبدیل تھا۔ عدالت کا ہال افراد سے کھچا کھچ بھرا ہوا تھا کہیں تل دھرنے کو جگہ نہ تھی۔ عدالت کے باہر ہر دو جانب سینکڑوں افراد ایک دوسرے کے خلاف شدید نعرہ بازی کر رہے تھے۔ اسی دوران ایک دوسرے پر پتھر بھی پھینکے گئے بعید نہیں تھا کہ کوئی حادثہ رونما ہوتا مگر لمحہ بہ لمحہ پولیس مداخلت کر رہی تھی۔ فضل حق کے حامیوں میں انجمن سپاہ صحابہ کے لوگ نمایاں تھے اب تو فضل حق کے بیٹے بھی اس تنظیم کے رکن بن چکے تھے لہذا اندر باہر اس قسم کے لوگوں کی بہتات تھی۔ نیز اس مرتبہ سپریم کورٹ میں کئی اہم ترین سیاسی شخصیات بھی دکھائی دے رہی تھیں جن میں فضل حق کی جانب سے غلام مصطفیٰ جتوئی اور چوہدری شجاعت حسین نمایاں تھے۔

عدالت کا وقت ہو چکا تھا مگر جج صاحبان عدالت میں نہیں آ رہے تھے آخر انہوں نے ہر دو جانب سے دو ذمہ دار افراد کو واضح الفاظ میں کہا کہ ان کو موصول ہونے والی اطلاعات کے مطابق کمرہ عدالت میں چند افراد کے پاس آتشیں اسلحہ اور دھماکہ خیز مواد موجود ہے۔ لہذا جب تک آپ اپنے افراد کی گارنٹی نہیں دیتے اس وقت تک عدالت نہیں لگے گی۔ آخر چوہدری شجاعت حسین سٹیج پر آئے اور انہوں نے واشگاف الفاظ میں کہا کہ ''موصولہ اطلاعات کے مطابق ہال میں چند افراد کے پاس خطرناک قسم کا اسلحہ اور مواد ہے۔ اگر ایسا ہے تو وہ افراد جلدی سے باہر چلے جائیں انہیں کچھ نہیں کہا جائے گا وگرنہ دروزے بند کر کے پولیس ابھی تلاشی لے گی''۔

یہ اعلان سن کر صرف تین مشکوک پٹھان جنہوں نے چادریں اوڑھ رکھی تھیں چپکے سے باہر چلے گئے اور یوں عدالت کی کاروائی کا آغاز ہوا اور عدالت عالیہ کے چار محترم جج صاحبان شیخ عبدالقادر، ظفر حسن مرزا، شفیع الرحمان اور سعد سعود جان نے سماعت کی۔

عجیب اتفاق تھا کہ ۱۴ اکتوبر کو مقدمہ قتل کا اہم ملزم بدرے بھی گرفتار ہوا اور اس نے

۷ اکتوبر کو عدالت کے روبرو طویل بیان دے کر تمام رازوں سے پردہ اٹھایا۔

سپریم کورٹ نے ہائیکورٹ پشاور سے کچھ ریکارڈ طلب کیا تو انہوں نے دیگر ریکارڈ کے ساتھ بدرے کا تفصیلی بیان بھی ارسال کر دیا جس کے بعد قانونی طور پر فضل حق کی ضمانت کے دروازے بند ہو چکے تھے۔ چونکہ قانونی سطح پر یہ آخری عدالت تھی لہذا فضل حق کے پورے خاندان اور دیگر صاحبان اقتدار احباب کی پوری کوشش تھی کہ ملزم کی ضمانت ہو۔

اب یہ موقع تھا جب سیاست اور اثر رسوخ قانون پر برتری حاصل کرنے کی ضد میں تھے۔ اتفاق سے پیپلز پارٹی کی حکومت ڈانواں ڈول تھی۔ اس کے مرکزی وزیر محنت و افرادی قوت ملتان میں اسلامی جمعیت طلبہ کے دو رہنماؤں کے قتل میں ملزم اور پولیس کو درکار تھے کیونکہ ان کی ضمانت قبل از گرفتاری بھی مسترد ہو چکی تھی اور پنجاب میں نواز شریف حکومت انہیں زچ کرنے پر تلی ہوئی تھی جس کی وجہ سے اپنے صوبہ پنجاب سے فرار ہو کر وہ سندھ میں وزیر اعلیٰ قائم علی شاہ کے پاس تھے۔ جہاں پنجاب پولیس کے خوف سے کراچی اور اسلام آباد تک محدود تھے بلکہ اسلام آباد آنے میں بھی انہیں مشکلات کا سامنا تھا۔ لہذا ایسی صورت حال میں پیپلز پارٹی کی مرکزی حکومت بھی کافی مجبور ہو چکی تھی اور اس نے حالات کے ہاتھوں سمجھوتہ کر لیا تھا جس کی بدولت اب وہ فضل حق کیس میں عدم دلچسپی کا مظاہرہ کر رہی تھی۔ صدر مملکت تک بھی اس مقدمہ میں دلچسپی لے رہے تھے بعض اطلاعات کے مطابق کہ فضل حق نے غلام اسحاق خان کو سینٹ کا ممبر بنایا تھا جس کی وجہ سے وہ سینٹ کے چیئرمین اور پھر صدر مملکت بنے لہذا فضل حق کا خاندان سرحد کے رشتوں، سابقہ وابستگیوں کے علاوہ اپنے احسان جتا کر صدر سے امداد کا خواہاں تھا۔

ابھی فیصلہ سپریم کورٹ میں محفوظ تھا۔ اطلاعات کے مطابق دو جج صاحبان ضمانت منظور کرنے اور دو مسترد کرنے کے حق میں تھے۔ کہ وزیر اعظم پاکستان بے نظیر بھٹو صاحبہ کے خلاف عدم اعتماد کا نعرہ بلند ہوا اور پنجاب حکومت نے اسے آخری معرکہ گردان کر سر دھڑ کی بازی لگا دی۔ قومی اسمبلی کے ممبران کی خرید کا سلسلہ عروج تک جا پہنچا حتیٰ کہ ممبران اغوا ہونے لگے جس کے باعث نواز شریف نے اپنے ممبران مری اور آفتاب شیر پاؤ نے سوات میں محصور کر دیئے۔ یہ وہ لمحات تھے جب

ایک ایک ممبر قومی اسمبلی کی ہر دو جانب اشد ضرورت تھی لہٰذا ایسے میں نواز شریف کی نظر فضل حق پر مرکوز تھی جو تا حال پابند سلاسل تھا۔ان حالات میں فضل حق کے بیٹے ڈاکٹر ارشد نے بھی عدالت اور صدر مملکت تک سفارش کی کہ اس کے والد کو حکومت کے خلاف عدم اعتماد کا ووٹ ڈالنے کی اجازت دی جائے اور پیرول پر ایک دن کے لئے رہا کیا جائے اس ضمن میں انہوں نے غلام مصطفیٰ کھر کی پیرول پر رہائی کا بھی حوالہ دیا جب انہیں ضیاء دور میں ان کی والدہ کی وفات پر ایک دن کے لئے رہا کیا گیا تھا۔ فضل حق خاندان کی التجائیں عروج پر تھیں اور عدم اعتماد کی تاریخ کے دن بھی قریب آرہے تھے کہ ایسے میں کسی خفیہ ہاتھ نے انہیں یہ نوید سنائی کہ فضل حق کی ضمانت منظور ہو چکی ہے جس کا صرف اعلان باقی ہے۔ جو غالباً عدم اعتماد کے روز ہی کر دیا جائے۔لہذا اس خفیہ خبر کی بدولت اور اشارے پر پشاور کی عدالتوں کی کاروائی اور جیل کے ضابطوں کو مکمل کر لیا گیا اور یوں ۲ نومبر ۱۹۸۹ء کو سپریم کورٹ نے فضل حق کی رہائی کا فیصلہ سنایا۔

نواز شریف کا خصوصی طیارہ پشاور پہنچا اسی روز فضل حق جیل سے باہر آ گیا حالانکہ قانون کے مطابق عدالت کے فیصلے سے جیل کی رہائی تک تمام مراحل جس تیزی سے مکمل کئے گئے اس سے اندازہ ہوتا تھا کہ تمام کاروائیاں پہلے سے مکمل تھیں۔نواز شریف اپنے دوست کو رہا کروا کے اس کے گھر پہنچا مبارکباد دی اور اسے بے نظیر کے خلاف عدم اعتماد کا ووٹ ڈالنے کی خاطر اسلام آباد لے آیا۔مگر عدم اعتماد کی تحریک میں ووٹ نہ ڈالے گئے۔شاید کوئی باہم سمجھوتہ ہو گیا تھا۔

بلاشبہ فضل حق کی ضمانت اور عدالت عالیہ کا فیصلہ عارف حسین الحسینی کے عقیدت مندوں پر گراں گزرا مگر قائدین تحریک نفاذ فقہ جعفریہ پاکستان نے قانون کا احترام کرتے ہوئے اپنا احتجاج جاری رکھا اور فضل حق کی رہائی دلوانے والے عناصر کی تہہ تک پہنچنے کی کوشش تیز کر دی۔اسی دوران ایک اہم ادارہ کی شخصیت نے چمکتے ہوئے صدارتی محل کی طرف اشارے کرتے ہوئے کہا یہ سب اسی کا کمال ہے۔مقتول کے ورثاء کی حتی الامکان کوشش تھی کہ حکمران مزید اسی مقدمہ پر اثر انداز نہ ہوں اس لئے ان کے احتجاج میں شدت پیدا ہوتی گئی جبکہ دوسری جانب رہائی کے بعد فضل حق اور اس کے احباب کی یہ کوشش تھی کہ وہ اپنے اثر و رسوخ کو جائز و ناجائز ذرائع سے استعمال کریں اور

وعدہ معاف گواہ سراج تک رسائی حاصل کر کے اسے سلطانی گواہی سے منحرف کریں۔علاوہ ازیں فضل حق اوراس کے حامی حکمرانوں نے یہاں تک منصوبہ بندی کی کہ وہ شیعہ قوم کے افراد خرید کر اپنی بے گناہی کی راہ ہموار کریں۔چنانچہ ان زاویوں پر انتہائی تیزی سے کام ہوا۔جیل میں سراج کو کئی بار فضل حق کا پیغام ملا، بے پناہ لالچ دیا گیا مگر بات نہ بن سکی۔

فضل حق نے اپنی بے گناہی ثابت کرنیلے لئے مدینہ وکربلا جا کر قسم اٹھانے کا بھی اظہار کیا مگر اب اس کی کون سنتا تھا البتہ پنجاب حکومت نے چند روائتی بکاؤ قسم کے شیعہ تلاش کر کے ان کی گود میں لاکھوں روپے، اے ائی ایس اور نائب تحصیلدار جیسی نوکریاں ڈال کر فضل حق کی حمایت میں اخباری بیان جاری کروائے۔مفادات کے حصول اور ہوس کے ہاتھوں مجبور افراد میں سید باوا نفیس الحسن آف قصور سرفہرست تھا اور اس نے متعدد بار اخبارات میں فضل حق کی بے گناہی کی تصدیق کی اور اپنا تعارف تحریک نفاذ فقہ جعفریہ پاکستان کی سپریم کونسل کے رکن کی حیثیت سے کرایا اور شیزان ہوٹل لاہور میں پریس کانفرنس کرنے پر اتر آیا۔

تحریک نفاذ فقہ جعفریہ اور آئی۔ایس۔او کے کارکنان کو نفیس الحسن کی اس کاروائی کا علم ہوا تو انہوں نے پریس کانفرنس سے قبل وہاں بیٹھے ہوئے نام نہاد شیعہ رہنماوں کو صحافیوں کی موجودگی میں پکڑا اور گھسیٹتے ہوئے لاہور کی اہم اور مصروف شاہراہ ''مال روڈ'' پر لے آئے جہاں انہوں نے ان رہنماوں کو زدوکوب کرنے کے علاوہ عریاں کر دیا۔جب نذیر حسین شاہ کے کپڑے اتارے گئے تو اس کی جیب سے وزیر اعلیٰ پنجاب کے نام ایک درخواست برائے بھرتی اے۔ایس۔آئی برآمد ہوئی جو اس کے بیٹے کی طرف سے تھی۔اطلاع کے مطابق یہ طے پایا تھا کہ فضل حق کی حمایت میں پریس کانفرنس کرنے کے بعد وزیر اعلیٰ پنجاب اس درخواست پر حکم صادر کر دیں گے۔اتفاق سے اس کاروائی کا سرغنہ نفیس الحسن جو تحریک کے کارکنان کے چہروں سے آشنا تھا یہ منظر دیکھتے ہی پولیس کی نگرانی میں سرکاری گاڑی کے ذریعے فرار ہو گیا۔جبکہ چند صوبائی افسران ہوٹل میں بیٹھے یہ تماشا دیکھتے رہے۔آخر جب ہوٹل کے مینجر سے پریس کانفرنس کے انتظامات کرانے والوں کے بارے میں استفسار کیا گیا تو معلوم ہوا کہ سب کچھ وزارت اطلاعات ونشریات پنجاب کے ایماء پر ہو رہا تھا۔

حکومتوں کا ردو بدل اور عدالتوں کا تزلزل

تحریک نفاذ فقہ جعفریہ پاکستان نے کئی بار وزیر اعلیٰ صوبہ سرحد آفتاب شیر پاؤ اور صدر مملکت غلام اسحاق خان کو علامہ سید عارف حسین الحسینیؒ شہید کے مقدمہ کی یادداشت پیش کیں مگر ان کے کان پر جوں تک نہ رینگی۔ آخر ملک بھر کے علماء کرام نے پشاور میں بھر پور احتجاجی مظاہرہ کیا جس کی قیادت تحریک کے صدر نے کی۔ علماء کے اس پر امن مظاہرے پر حکومت سرحد نے آنسو گیس اور لاٹھی کا استعمال کیا اور متعدد علماء کے خلاف سنگین مقدمات بنائے۔

سرحد حکومت کی اس سرد مہری کی وجہ مرکزی حکومت کی عدم دلچسپی اور ذاتی سطح پر آفتاب شیر پاؤ اور فضل حق میں صلح تھی اور یہ سارا کھیل مولانا عبدالباقی کے اشارے پر کھیلا گیا۔ انہوں نے آفتاب شیر پاؤ، فضل حق اور عباس خان آئی جی پولیس صوبہ سرحد کے درمیان صلح کرائی تھی جس کا تذکرہ مختلف اخبارات میں بھی ہو چکا تھا۔ اہل تشیع کو مولانا عبدالباقی فضل حق، شیر پاؤ صلح میں دلچسپی کی وجہ سمجھ میں نہ آئی لیکن اس کا کردار اس وقت سامنے آیا جب ماجد گیلانی نے اپنے عدالتی بیان میں مولانا عبدالباقی کو گلگت کے شیعہ کش فسادات کا ذمہ دار ٹھہرایا۔ ماجد کے بیان کے بعد مولانا عبدالباقی نے اپنی صفائی میں بیسوں بیانات دیئے مگر بے سود رہے۔

تحریک نفاذ فقہ جعفریہ نے حکومت کی عدم دلچسپی اور زیادتیوں کے خلاف بڑے بڑے احتجاج کئے مگر پیپلز پارٹی کی حکومت نے اس بے گناہ خون کو سرد خانے میں ڈالنے کا تہیہ کر لیا۔ آیا یہ اندرونی مصلحتیں تھیں یا بیرونی دباؤ؟ حکومت نے اہل تشیع کے جذبات کو نہ صرف مجروح کیا اور خود ایک روحانی شخصیت کے خون سے غداری کی مرتکب ہوئی۔ پیپلز پارٹی کی حکومت کو اس خون ناحق کی سودا بازی کا صلہ ۱۴ اگست ۱۹۹۰ کو مل گیا جس کے نتیجے میں اسمبلیاں تحلیل ہو گئیں اور پی پی کو سنگین

مسائل کا سامنا کرنا پڑا۔

۴ نومبر ۱۹۹۰ کو میاں محمد نواز شریف وزیر اعظم پاکستان بنے۔ اس مرتبہ فضل حق بھی سرحد اسمبلی کا ممبر بن چکا تھا اور اس کی خواہش تھی کہ اسے وزارت اعلیٰ یا کم از کم وزارت کا قلمدان سونپا جائے۔

تحریک نفاذ فقہ جعفریہ پاکستان جو ۱۹۹۰ء کے انتخابات کے سلسلہ میں پیپلز پارٹی سے الحاق کر کے (پی ڈی اے) پیپلز ڈیموکریٹک الائنس کے پلیٹ فارم پر موجود تھی اسے اسلامی جمہوری اتحاد کی مخالفت سے دیگر مسائل کے علاوہ شہید عارف حسین الحسینیؒ کے مقدمہ کے سبوتاژ ہونے کا خدشہ لاحق تھا لہذا انہوں نے ہر حوالے سے حکومت پر اپنا دباؤ جاری رکھا۔

اس مقدمہ قتل کے اہم ملزم فضل حق کا برادر نسبتی ہاشم خان جس نے ۲۴ جولائی ۱۹۸۹ کو ہائیکورٹ پشاور سے ڈرامائی انداز میں گرفتاری سے قبل راہ فرار اختیار کی تھی اور جسے عدالت نے بعد میں اشتہاری قرار دے دیا تھا سعودی عرب میں پناہ گزین تھا۔ جونہی نواز شریف کی حکومت تشکیل پائی تو ایک طے شدہ پالان کے ساتھ ۱۹ فروری ۱۹۹۱ء کو ہاشم خان سعودی عرب سے لایا گیا اور سیدھا پولیس کے حوالے کر دیا گیا۔ اسے یقین تھا کہ اس مرحلہ پر وہ مکھن سے نکلنے والے بال کی طرح مقدمہ سے نکل جائے گا مگر اتفاق ایسا ہوا کہ تقریباً چھ ماہ تک اسے جیل میں رہنا پڑا۔ اس نے مارچ میں درخواست ضمانت پیش کی مگر ۱۰ اگست تک اس کی ضمانت نہ ہو سکی۔

۳۰ ستمبر ۱۹۹۱ء کو علامہ سید عارف حسین الحسینیؒ شہید کی تیسری برسی مینار پاکستان لاہور کے سائے تلے منائی گئی جس میں ملک بھر سے لاکھوں افراد نے شرکت کی اور حکومت سے زبردست احتجاج کیا گیا۔ اتفاق سے اسی روز فضل حق نے بھی اس مقدمہ کے سلسلہ میں عدالت کے روبرو سماعت کے لئے سمن پر دستخط کئے مگر وہ ۱۳ اکتوبر کو نامعلوم افراد کے ہاتھوں اپنے گھر کے قریب قتل ہو گیا جس کے بعد سماعت دسمبر تک ملتوی کر دی گئی۔

ان ایام میں فضل حق کا قتل ایک انتہائی سنگین معمہ بن گیا اس کے ورثاء نے علامہ ساجد علی نقوی، انور علی اخوندزادہ سیکرٹری جنرل تحریک اور پشاور میں ایرانی قونصلیٹ جنرل علی رضا شیر

خدائی کے خلاف ایف آئی آر درج کروادی۔مگر حکومت نے بجا طور پر کسی کو گرفتار کرنے سے احتراز کیا۔

اس قتل کے بارے میں چہ میگوئیاں ہوئیں مگر حالات کے پیش نظر یہ قتل ایجنسیوں کا کھیل محسوس ہوا کیونکہ عین انہی ایام میں امریکہ کے خلاف ایران، پاکستان اور چین اپنا الگ محاذ بنا رہے تھے۔امریکہ نے پاکستان کی امداد بند کردی تھی، ایران نے پاکستان کو مکمل سہارا دینے کا عہد کرلیا تھا اور چین نے پاکستان کو ایٹمی تعاون کی یقین دہانی کرادی تھی لہذا ایسے میں ایرانی قونصلیٹ کو فضل حق کے قتل میں ملوث کرنا درحقیقت پاک ایران دوستی کو زک پہچانا تھا۔

فضل حق کے قتل کے بعد مقدمہ کی سماعت ۴ جولائی ۱۹۹۲ء تک ملتوی کردی گئی۔۴ جنوری سیشن کورٹ میں باقاعدہ سماعت کا آغاز ہونا تھا اور انصاف کی ذمہ داری سیشن جج فضل الرحمان کو سونپی گئی۔۴ جنوری کو عدالت کے لئے خصوصی حفاظتی اقدامات کئے گئے اور عدالتی کاروائی کو حفاظتی اقدامات کے پیش نظر سنٹرل جیل پشاور کے اندر مکمل کرنے کا فیصلہ کیا گیا۔۳ جنوری ۱۹۹۲ء کو استغاثہ کے وکیل ملک کے ممتاز قانون دان ڈاکٹر خالد رانجھا پشاور پہنچے۔اتفاق سے تحریک کے قائدین کا ایک وفد بین الاقوامی سیمینار میں شرکت کے لئے ایران گیا ہوا تھا۔پہلی بار عدالتی کاروائی کا باقاعدہ آغاز ہونا تھا جس میں وعدہ معاف گواہ نے جج کے روبرو اپنے بیان کو تسلیم کرنا تھا جس کی روشنی میں مقدمہ نے اگلے مراحل طے کرنا تھے اور شہادتیں قلمبند ہونا تھیں۔تحریک کے وکلاء کو ابتدائی شہادتوں والے گواہان بھی بعض وجوہات کی بنا پر میسر نہیں تھے اور استغاثہ کے وکلا مسولین کی عدم موجودگی اور گواہان سے رابطہ نہ ہونے کے سبب بہت پریشان مگر خون شہید کے رائیگاں نہ ہونے کا بھی پورا یقین تھا۔

رات ایک بجے مقدمہ کی فائلیں دیکھتے امجد کاظمی ''ڈین ہوٹل'' پشاور میں لیٹ گئے۔ سردی کا موسم تھا تقریباً ڈیڑھ بجے شب تحریک کے ایک کارکن نے کمرے کے دروازے پر دستک دی کاظمی صاحب اٹھے دروازہ کھولا تو معلوم ہوا پولیس کا ایک اعلیٰ تفتیشی افسر انہیں یاد کر رہا ہے۔

ایسے میں کاظمی صاحب ان کے ہاں پہنچے، یاد کرنے کی وجہ پوچھی تو انہوں نے بتایا کہ کچھ دیر پہلے ماجد گیلانی گرفتار ہو کر ان کی تحویل میں آچکا ہے جسے راولپنڈی آرمی نے پشاور منتقل کر دیا ہے لہذا کوشش کیجئے کہ کل عدالت کی کاروائی شروع ہو تو سراج کا بیان قلمبند نہ ہونے پائے۔ کاظمی صاحب کو یقین نہیں آرہا تھا انہوں نے وکیل استغاثہ ڈاکٹر خالد رانجھا کو مطلع کیا تو انہیں بھی یقین نہ آیا البتہ صبح انگریزی اخباروں میں چھوٹی سی خبر شائع ہوئی کہ ضیاء الحق کے قتل میں ملوث ایک کپتان گرفتار ہو گیا ہے۔ خبر چونکہ ماجد گیلانی کی صحیح نشاندہی نہیں کر رہی تھی اس لئے انہیں بھی اطمینان نہیں ہو رہا تھا۔

صبح عدالت کی کاروائی شروع ہوئی۔۔۔۔ وکلاء میزوں کے گرد براجمان ہوئے وعدہ معاف گواہ سراج کو عدالت میں لایا گیا اس نے اپنا بیان شروع کیا تو ڈاکٹر خالد رانجھا نے نکتہ اعتراض پیش کیا کہ سراج کے بیان سے قبل اس مجسٹریٹ کا بیان ریکارڈ کیا جائے جس کے سامنے سراج نے اپنا اقبالی بیان لکھوایا تھا۔ سیشن جج فضل الرحمان یہ سن کر ہنس پڑا اور کہنے لگا کہ ڈاکٹر رانجھا صاحب کیا کہہ رہے ہو ایسا نہیں ہوتا۔ ڈاکٹر رانجھا نے قانون کی ایک کتاب پیش کی جس کی شق میں یہ بات واضح تھی کہ کسی دوسری عدالت میں وعدہ معاف گواہ کے بیان سے قبل وہ مجسٹریٹ اپنا بیان ریکارڈ کروائے جس نے اس کا بیان قلمبند کیا ہے دوسرا ڈاکٹر خالد رانجھا نے جج فضل الرحمان کے سامنے انگریزی اخبار کا حوالہ دیتے ہوئے کیپٹن کی گرفتاری کا شبہ بھی ظاہر کیا جبکہ جج نے ٹالتے ہوئے کہ ایسا ممکن نہیں یہ کوئی اور کیپٹن ہو سکتا ہے؟ جب ڈاکٹر خالد رانجھا نے اصرار کیا کہ ان کی اطلاعات کے مطابق یہ وہی کیپٹن ہے تو اسی دوران غالب گیلانی کے وکیل نے توثیق کر دی کہ رات کی تاریکی میں گرفتار ہونے والا کپتان کیپٹن ماجد گیلانی ہے۔

ماجد کی گرفتاری کے انکشاف کے بعد عدالت کی سماعت کچھ عرصہ کے لئے ملتوی کر دی گئی پھر چند روز تک مختلف مقامات پر ماجد گیلانی کی تفتیش ہوتی رہی آخر ۱۸ جنوری ۱۹۹۲ء کو ماجد گیلانی نے ۳۵ صفحات کا ایک طویل انکشاف سے بھرپور بیان قلمبند کرایا۔

اس سنسنی خیز بیان کہ جس میں ملکی و غیر ملکی حکمرانوں کو بے نقاب کیا گیا تھا کو منظر عام پر لانا

حکومت کے بس میں نہ تھا۔

عدالت نے جب ملزم ماجد گیلانی کے سامنے اس کا بیان دہرایا تو اس نے نہ صرف بیان کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا بلکہ اس نے واضح کیا کہ عدالت میں پیش کئے جانے والے من گھڑت بیان کا اس کے اصل بیان سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

ماجد نے جب من گھڑت بیان کو تسلیم کرنے سے انکار کیا تو ایک موقع پر جج نے کہا ''ماجد گیلانی جو کچھ تم اعتراف کر چکے ہو اس کی سزا موت بھی ہو سکتی ہے کیا تمھیں معلوم ہے۔۔۔۔''؟ تو ماجد نے برجستہ جواب دیا ''جناب میں مطمئن ضمیر کے ساتھ مرنا چاہتا ہوں''۔

ماجد بار بار کہہ رہا تھا کہ اس کا اصل بیان منظر عام پر لایا جائے مگر عدالت خاموش تھی ایک موقع پر جب سردی کے موسم میں سنٹرل جیل پشاور کے صحن میں عدالت لگی ہوئی تھی جج سے تھوڑا دور دھوپ میں ماجد گہری سوچوں میں گم اپنی دونوں انگلیاں منہ میں دبائے بیٹھا تھا۔ گواہان باری باری اپنی گواہی دے رہے تھے کہ اتنے میں زردل خان ڈی ایس پی سامنے آیا۔ ماجد کی نظر جونہی زردل خان پر پڑی تو وہ اٹھ کھڑا ہوا اور بے ساختہ کہنے لگا۔

۱۔ کیا تم زردل خان نہیں ہو؟

جی میں وہی ہوں جواب ملا۔

۲۔ تم نے میری تفتیش نہیں کی تھی اور میرا تفصیلی بیان قلمبند نہیں کیا تھا؟ ماجد نے پھر سوال کیا۔

جی کی تھی پھر جواب ملا۔

۳۔ ماجد کے چہرے کے تیور اچانک بدلے اور اس نے غصے میں پوچھا جب تم میری تفتیش کر رہے تھے تو کیا تم ساتھ بیٹھے امریکی سفارتکار سے ہدایت نہیں لے رہے تھے۔

نہیں۔۔۔زردل خان نے منہ پھیرتے ہوئے جواب دیا۔

عدالت کا سلسلہ جاری تھا سماعت انتہائی تیزی سے اپنے مراحل کو طے کر رہی تھی۔ ہر بار

چند گواہ اپنی گواہی دے رہے تھے اور ہر بار ماجد گیلانی اضطرابی حالت میں بے ساختہ کچھ کہہ دیتا تھا۔ ایک بار جمیل اللہ اور ملزمان نے اپنا بیان دہرایا تو ماجد نے جج کو مخاطب کرتے ہوئے کہا'' جناب گولی چلانے والا شخص ضمانت پر رہا ہو چکا ہے۔۔۔ جبکہ مجھے بلا جواز جیل کی چکی میں دشوار مراحل سے گزارا جا رہا ہے۔ میں بتانا چاہتا ہوں کہ مجھے بنکاک سے کون لایا تھا اور کس مقصد کے تحت لے آیا تھا مگر یہاں میرے ساتھ کیا ہو رہا ہے۔ جنہوں نے یہ کام کروایا تھا وہ عیاشیاں کر رہے ہیں۔۔۔ ''مگر میں جیل کی چکی میں زیر عتاب ہوں'' جج نے ان لمحات میں بے اختیار کہا کیپٹن تم بیٹھ جاؤ جذباتی ہونے کی ضرورت نہیں تم تو میرے سامنے اعتراف جرم کر چکے ہو۔

جب بات یہاں تک پہنچی تو ماجد ہر بار عدالت میں وہی کہنے لگا جس کی عدالت کا ماحول اور حکمرانوں کا مزاج اجازت نہیں دیتا تھا ایسے میں عدالت کی جانب سے ماجد گیلانی پر ذہنی توازن کے درست نہ ہونے کا الزام لگایا گیا۔

عدالت کا یہ الزام سن کر ماجد بذات خود سراپا احتجاج بن گیا اور چیخ چیخ کر کہنے لگا آخر مجھے وہ بات بتائی جائے جس سے میرے ذہنی توازن کی عدم درستگی کا گمان ہوتا ہو شاید اسے معلوم نہیں تھا کہ ایسے بیانات جو حکمرانوں کے مفادات کے خلاف ہوں انہیں پاگل پن کا ہی نام دیا جاتا ہے۔

چنانچہ ان ایام میں جہاں ماجد گیلانی کے طبی معائنہ کی فرضی کاروائیاں پوری کی گئیں وہاں اسے ملک اور اہم اداروں کی اہم ترین شخصیات سے بھی ملوایا گیا۔ حتی کہ ایک اطلاع کے مطابق رات کی تنہائی میں کاکول اکیڈمی ایبٹ آباد کی ایک تقریب کے موقع پر اس کی ملاقات غلام اسحاق خان سے بھی کرائی گئی جس کے بعد ماجد گیلانی کی اضطرابی کیفیت یکسر بدل گئی۔

طبی معائنہ کی رپورٹ درست ثابت ہونے کے بعد ماجد گیلانی عدالت میں ملزم کی حیثیت سے پھر حاضر ہوا تو اب کی بار اس کی ظاہری اور باطنی کیفیت تبدیل تھی اب نہ پہلے کی طرح اس کی شیو بڑھی ہوئی تھی اور نہ بکھرے ہوئے بال نہ اس کے چہرے پر افسردگی تھی اور نہ لباس کی حالت زار۔۔۔ بلکہ اس کا چہرہ مایوسی کی تمام سلوٹوں سے آزاد اور لباس انتہائی چمکیلا تھا۔۔۔ اب

جج کے پہلو میں بیٹھ کر اس کے مطمئن ہونے کا اندازہ جداگانہ اور پوری عدالت پر نظریں گھمانے کی ادا فاتحانہ تھی اب تمام ملزمان اور گواہان بہت کچھ کہے جا رہے تھے مگر ماجد ان تمام باتوں سے بے نیاز بہت دور کی سوچ رہا تھا۔ ہر ملزم نے اپنا وکیل نامزد کیا مگر ماجد نے اپنا وکیل رکھنے سے بھی گریز کیا اس لئے کہ اسے کسی پر اعتماد نہ تھا۔

اسی دوران جب ماجد سے جیل کے اندر اور باہر اعلیٰ روابط قائم ہوئے تو جیل کی چکی میں بند وعدہ معاف گواہ سراج بھی متاثر ہوا وہ جیل کے اندر بھی بااثر دائروں کے درمیان سمیٹا گیا مگر اب وہ اس عدالت میں اپنے ۴ جون ۱۹۹۰ء کے سلطانی بیان کا ایک بار اعتراف کر چکا تھا لہذا ایسے میں اسے ایک اور راستہ دکھایا گیا جسے اس نے انتہائی چالاکی سے سر کیا۔

وہ یوں کہ سرکاری وکیل نے وعدہ معاف گواہ سراج پر اچانک سوال کیا کہ تم اس کپتان کی شناخت کر سکتے ہو؟ تو سراج نے ہاں میں جواب دیتے ہوئے ماجد کے بھائی غالب رضا گیلانی کی طرف اشارہ کیا کہ وہ بیٹھا ہے حالانکہ ان دونوں بھائیوں کے خدوخال میں بڑا واضح فرق ہے۔

ماجد گیلانی کی عدم شناخت کے بعد عدالت پر سناٹا چھا گیا کیونکہ چار سالوں سے اقرار کرنے والا وعدہ معاف گواہ سراج عدالت میں آج کپتان کی شناخت نہیں کر سکا تھا۔ حقیقت اس کے برعکس تھی یہ ایک طے شدہ سازش تھی جس کا ہر بار عدالت میں اظہار ہوتا رہا۔

اگلے روز سماعت شروع ہونے سے قبل سراج نے از خود اپنی غلطی کا اعتراف کیا۔ اور کہا کہ چونکہ مجھے وہ چیز بتانے سے روکا گیا تھا اس لئے یہ غلطی ہوئی۔

ماجد گیلانی اب عدالت میں انتہائی مطمئن اور پر اعتماد انداز میں آتا۔ تحریک کے رہنماؤں اور وکلا کا یہ خیال تھا کہ وہ حقیقت حال عدالت میں اگلے گا مگر ایسا نہ ہو سکا کیونکہ لڑ کھڑانے والا ماجد اب سنبھل چکا تھا یہاں تک کہ اس نے ۱۵ اپریل ۱۹۹۳ء کو اعتراف جرم سے بھی انکار کر دیا۔

۴، ۵ اپریل کو جرح کی کارروائی مکمل ہوئی تو عدالت نے ۲۴، ۲۵، ۲۶ مئی ۱۹۹۳ء کو آخری بحث کے لئے تاریخ کا اعلان کیا۔ بحث کی تیاریاں عروج پر تھیں کہ اچانک ۱۸ اپریل ۱۹۹۳ء کو ملک کی تمام اسمبلیاں پھر تحلیل کر دی گئیں اور میر بلخ شیر مزاری کو نگران وزیر اعظم مقرر کیا گیا۔

۲۴، ۲۵، ۲۶ مئی کی آخری بحث کے موقع پر ماجد بذات خود انتہائی مضطرب تھا۔ ان تین ایام میں ملزمان اور مدعی کے وکلاء کے درمیان طویل بحث ہوئی جبکہ وکیل استغاثہ ڈاکٹر خالد رانجھا نے ایسے دلائل پیش کیے جن سے ملزمان کا جرم روز روشن کی طرح عیاں تھا۔ مثل پر جرم مکمل طور پر ثابت ہو چکا تھا جبکہ دفاع کے وکیل ظہور الحق کوئی خاص بحث نہ کر سکے۔

فیصلہ محفوظ کر لیا گیا ۲۶ مئی کو عدالت برخاست ہوئی تو جج نے خود وکیل استغاثہ کی صلاحیتوں کی داد دی اور دو ملزمان (جن پر صرف یہی الزام تھا کہ انہوں نے سراج کو ہاشم کا یہی پیغام پہنچایا کہ وہ اسے چار سدہ بلا رہا ہے)۔ کے بارے میں وکیل استغاثہ سے مشورہ کیا تو ڈاکٹر خالد رانجھا نے کہا ہم انہیں معاف کرتے ہیں۔

جب وکلاء عدالت سے باہر نکلے تو جج نے گاڑی میں بیٹھنے سے قبل وکیل استغاثہ کو اپنے پاس بلایا اور انتہائی تسلی دیتے ہوئے کہا ''مطمئن رہیں تاریخی فیصلہ سناؤں گا''

قانون کے تقاضے مکمل ہو چکے۔۔۔ ملزمان بھی لفظ بہ لفظ اپنی کاروائی کا اعتراف کر چکے،۔۔۔ وکیل استغاثہ بھی اپنے دلائل کا لوہا منوا چکے،۔۔۔۔ توقع تھی انصاف کے تقاضے پورے ہوں گے اور ایک بین الاقوامی شخصیت اور ملت اسلامیہ کے قائد کے قاتل کیفر کردار تک ضرور پہنچیں گے۔

پاکستان کے حکمرانوں کی گہرائیوں سے آشنا اہل فکر و نظر افراد کا خیال تھا کہ ہمارے حکمران داخلی طور پر جس قدر آمر، ڈکٹیٹر اور ظالم ہیں وہ بیرونی دنیا کے سامراجی آقاؤں کے سامنے پرلے درجے کے بزدل، کم ہمت، جی حضور، غلام ابن غلام ہیں۔ سامراج نہیں چاہے گا کہ اس کے اجرتی لوگ تختہ دار پر لٹکیں اگر ایسا ہوا تو دنیا بھر میں اس کے اشاروں پر کام کرنے والے عدم تحفظ کا شکار ہو جائیں گے۔

حالات، واقعات اور حقائق کے تناظر میں دیکھنے سے تو یوں لگتا تھا کہ معمولی سے اجرتی قاتلوں کو تختہ دار پر لٹکا دیا جائے گا البتہ ماجد گیلانی اور ہاشم خان کے بارے میں ایجنسیوں کی رضا کو ترجیح دی جائے گی۔ اس کے برعکس جب اس قتل کے پس پردہ عناصر کے بارے میں غور کیا

جاتا تو پاکستان کی حکومت اور عدلیہ کی مجبوری سامنے آجاتی اور عدم اعتماد کی صورت میں برملا کہہ دیا جاتا کہ پاکستان کا قانون مکڑے کے جال کی حیثیت رکھتا ہے جسے ہر طاقتور پھاڑ کر نکل جاتا ہے اور ہر کمزور چیز اس میں لٹک جاتی ہے۔

۲۶ مئی کو پاکستان کی سیاست میں ایک بار پھر بھونچال آیا کہ سپریم کورٹ نے معزول وزیراعظم محمد نواز شریف اور ان کی کابینہ کو بحال کر دیا۔ حکومت کی بحالی نے علامہ سید عارف حسین الحسینیؒ کے مقدمہ کے لئے خدشات پیدا کر دیئے۔

۱۸ جولائی کو نواز شریف نے صدر غلام اسحاق خان اور چیف آف آرمی سٹاف کے دباؤ پر وزارت عظمیٰ سے استعفیٰ دے دیا جبکہ صدر نے بھی چار ماہ کی رخصت لے کر مسند صدارت کو خیر باد کہہ دیا جس کے بعد چیرمین سینٹ وسیم سجاد قائم مقام صدر اور معین قریشی کو ملک کا نگران وزیراعظم بنا دیا گیا۔

امریکہ کے مسلط کردہ نگران وزیراعظم کے مسند اقتدار سنبھالنے کے بعد ۳۱ جولائی ۱۹۹۳ء کی دوپہر سیشن جج فضل الرحمان نے سنٹرل جیل پشاور کے اندر تمام ملزمان کو بلا کر انہیں باعزت بری ہونے کی نوید سنا دی۔

عدالت کا فیصلہ ملت اسلامیہ پر قیامت بن کر ٹوٹا اور عدالتوں کی مجبوریوں کا اظہار کیا گیا۔ سیشن جج فیصلہ سنانے کے بعد ہری پور جیل کے ایک ہاؤس میں منتقل ہو گئے اور دبے لفظوں میں اپنی مجبوریاں ظاہر کرتے رہے۔

یاں تو قاتل بھی ہے منصف، تو عدالت میں نہ جا
چور تو پھر چور کو ہی رہائی کا اذن دے گا

اس کے بعد ہائی کورٹ میں اپیل دائر کی گئی اور تا حال ہائیکورٹ نے سماعت کا سلسلہ شروع نہیں کیا۔ اجرتی قاتل اپنے علاقوں میں موجود ہیں جبکہ ماجد گیلانی نے بلجیم کے سفیر سے سیاسی پناہ طلب کی ہے جسے مسترد کر دیا گیا ہے۔ اعلیٰ عدالتوں کو چاہئے کہ وہ اس بین الاقوامی سطح کے مقدمہ کی اہمیت پر غور کریں۔ وہ غیروں کی خشنودی کی بجائے عدل کے تقدس اور حکمرانوں کے اشاروں کی

بجائے عوام کے جذبات کو مقدم سمجھیں یہی ان سے ان کا منصب تقاضا کرتا ہے اور قرآن کریم انہیں تاکید کرتے ہوئے فرماتا ہے

وَلَا تَرْكَنُوْٓا اِلَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا فَتَمَسَّكُمُ النَّارُ (ھود۔ ۱۱۳)

''تم ظالموں کی طرف مت جھکو ورنہ (جہنم کی) آگ تمھیں چھو لے گی''

☆☆☆☆☆

ہمارا ہدف قائد شہیدؒ کے آثار و افکار کو ملت کے ہر فرد تک پہنچانا ہے۔

العارف اکیڈمی پاکستان